إن العلماء ورثة الأنبياء (ترمذی)

العلم والعلماء

تصحیح شدہ جدید ایڈیشن

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب : العلم والعلماء

افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب : محمد زید مظاہری ندوی

صفحات : ۴۴۸

قیمت :

اشاعت نہم : ۱۴۳۸ھ

تعداد : گیارہ سو

ویب سائٹ : www.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱

☆ مکتبۃ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

اجمالی فہرست العلم والعلماء

فہرست

باب (۲) مدارس کا بیان

فصل (۱)

فصل (۲)

فصل (۳)

فصل (۴)

فصل (۵)

باب (۳)

مدارس کے اختلافات اوران کا حل

فصل (۱)

فصل (۲)

باب (۵)
اصلاح مدارس
فصل (۱)

باب (۶)
اصلاح العلماء والطلبہ

فصل (۱)

فصل (۶)

فصل (۷)

فصل (۲)

بدنگاہی کا مرض

فصل (۳)

فصل (۲)

حبِّ جاہ کا مرض

باب (۸)
استغناء، غیرت وخودداری

فصل (۱)

فصل (۲)

فصل (۲)

فصل (۳)

باب (۱۰)
مدارس کے جلسے

باب (۱۱)
چندہ کا بیان

فصل (۱)

فصل (۲)

رائے عالی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارک اللہ فی حیاتہ وفی افاداتہ) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات واشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کر رہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے ....ان خصوصیات اور افادیت کی بناپر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدر دانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں۔

اوراسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی، ہمت افزائی اور قدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت گاہ میں انجام پا رہے ہیں۔ اطال اللہ بقاءہ وعمم نفعہ جزاہ اللہ خیرا۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی

رائے بریلی

۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

دعائیہ کلمات

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ باندوی

بانی وناظم جامعہ عربیہ ھتورا باندہ

حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کو حکیم الامت اور مجدد الملت جو کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کے علوم اوران کی تعلیمات کا ذخیرہ حکمت اور تجدید کی باتوں سے معمور ہے اللہ پاک نے اس صدی میں حضرت سے دین کے جملہ ابواب میں تجدید کا نمایاں کام لیا ہے جس پر آپ کی گرانقدر تصنیفات، علمی مجالس، صدہا مواعظ شاہد ہیں۔ اللہ پاک نے حضرت کے دل پر جن چیزوں کا القاء فرمایا اور زبان سے جو باتیں کہلائیں وہ عوام وخواص سب کے لیے مشعل راہ ہیں۔

اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ نے اپنی حیات میں جو کوشش فرمائی ہے عزیز موصوف نے ان سب کو چھ رسالوں میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۱) اسلامی شادی (۲) حقوق معاشرت (میاں بیوی کے حقوق، ساس بہو کے جھگڑے اوران کا شرعی حل) (۳) احکام پردہ عقل ونقل کی روشنی میں (۴) تربیت اولاد اوراس کے متعلقات (۵) اصلاح خواتین (٦) اسلامی تہذیب کے اصول وآداب۔ اصلاح معاشرہ کے یہ چھ رسالے حضرت تھانویؒ کے افادات کے اہم مرتب مجموعے ہیں...... اصلاح معاشرہ کی جدو جہد کرنے والوں کے لیے حضرتؒ کے یہ ارشادات ان شاءاللہ مشعل راہ کا کام کریں گے۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ عورتوں اور لڑکیوں کو گھروں اور مکاتب و مدارس میں ان کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے اچھے اثرات سامنے آئیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اس سلسلہ کو قبول فرما کر سب کے لیے مفید بنائے۔ (آمین)

صدیق احمد

تقریظ

حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ العالی ناظم مجلس اشاعت الحق کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم!

مکرمی مفتی زید مظاہری، ندوی استاذ مدرسہ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ کی تصنیف ''العلم والعلماء'' دیکھ کر مسرت ہوئی، حضرت حکیم الامت مجدد الملت شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے علوم کا انتخاب و اقتباسات موصوف نے نہایت احسن طریقہ سے جمع کر کے امت مسلمہ کے لیے نعمت عظمیٰ پیش کیا ہے۔حق تعالیٰ شانہ مفید العام والخاص فرما کر شرف حسن قبول عطا فرمائیں (آمین) اور موصوف کے مزید علمی انتخابات جو علوم تھانوی سے مستفاد ہو کر منصۂ شہود پر آئندہ آئیں، حق تعالیٰ شانہ ان کو بھی شرف قبولیت بخشیں۔(آمین)

حکیم محمد اختر مقیم حال جامعہ ہذا

ہتورا باندہ

۲۷/ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ

ارشاد گرامی

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ

خلیفہ اجل حکیم الامت حضرت تھانویؒ

ماشاء اللہ بہت خوب کام کیا ہے، بے حد خوشی کی بات ہے اس زمانہ میں ضرورت ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات وافادات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔حضرت کی تعلیمات شریعت کا مغز و جوہر ہیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کی کتابت و طباعت و اشاعت کے اسباب مہیا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو استفادہ وافادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔

مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ

جلال آبادی

ارشاد گرامی

محی السنۃ حضرت مولانا الشاہ ابرار الحق صاحبؒ

خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ

اہم اور نافع کام کی توفیق آپ کو منجانب اللہ ملی مسرت ہے۔

بارک اللہ تقبل اللہ (ان کتابوں سے) منتفع ہوا، طلبۂ کرام اہل علم کو بھی اس کے مضامین سنائے گئے دل سے دعا ہے اگر کوئی بات دل میں آئے گی تو عرض کردوں گا۔ والسلام ابرار الحق

ارشاد گرامی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم

مظاہر علوم سہارنپور

تمہاری کتاب ''العلم والعلماء'' بہت پسند آئی، عصر کے بعد طلبہ میں از اول تا آخر سنی بہت مفید کتاب ہے اور تمہاری جملہ کتابوں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، یہ آسان کام نہیں ہے، ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرنا اور ان کا فن اور موضوع مقرر کرنا پھر اس کی ترتیب دینا بہت مشکل کام ہے، یہ کتابیں محض تمہاری ترتیب نہیں بلکہ تصنیف ہیں، تم کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکریہ ادا کرو، اس عمر میں تم نے یہ کام کرلیا اللہ نے تمہارے وقت میں برکت دی ہے، جس قدر بھی اللہ کا شکر کرو کم ہے، آئندہ طباعت میں اگر یہ کام بھی ہوجائے کہ علمی مباحث عربی کتابوں کے حوالے بھی حواشی میں درج ہوجائیں تو اس کی افادیت اور بڑھ جائے۔

تأثرات

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

محبی ومکرمی جناب مولانا زید صاحب زید مجدہ وعلیکم السلام ثم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماشاءاللہ آپ نے بہت مفید سلسلہ شروع کیا ہے اور بڑے سلیقہ سے انتخاب کیا ہے، اللہ آپ کی خدمت کو قبول فرمائے اور مفید عام وخواص بنائے، حضرت تھانویؒ کے علوم وملفوظ بڑے کارآمد ہیں، آپ کی محنت قابل قدر ہے، اللہ آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ بھی دعا فرماتے رہیں۔ فقط والسلام احقر الانام عبدالرحیم لاجپوری راندھیری غفرلہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری

استاذ حدیث و فقہ وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

تصانیف تو چونکہ موضوع وار ہوتی ہیں اس لیے ان سے مضامین تلاش کرنا آسان ہوتا ہے مگر مواعظ وملفوظات کی صورت حال دوسری ہوتی ہے۔ ان میں مضامین موتیوں کی طرح بکھرے ہوتے ہیں، اس لیے ان کو کسی لڑی میں پرونے کی شدید حاجت تھی تاکہ ان کو عقد الجید بنایا جاسکے، مجھے خوشی ہے کہ جناب مولانا زید صاحب زند مجدہم نے محنت شاقہ برداشت کرکے ان مضامین کو موضوع وار عناوین کے تحت جمع کردیا ہے، میں نے حضرت قدس سرہ کے افادات کا یہ مجموعہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور خوب خوب استفادہ کیا، اللہ تعالیٰ خاص طور پر علماء طلبہ اور اہل مدارس کو اور تمام مسلمانوں کو اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی توفیق عطا فرماویں۔

حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

واقعہ یہ ہے کہ آپ کی توجہ اس قدر مفید بلکہ نہایت اہم کام کی طرف مبذول ہوئی ہے کہ اس کے لیے خداوندی رہنمائی اور ذکاوت نافعہ کے بغیر آمادگی نہیں ہوسکتی تھی یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ناواقف کی نظر میں یہ کام اتنا اہم نہ ہو جتنا فی نفسہ ہے لیکن حقیقۃً کسی بڑے تحقیقی و علمی کام سے کم اہم نہیں، پھر عناوین لگا کر انہیں پیش کرنا ان کی افادیت کو مضاعف کردیتا ہے۔ آپ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت جزائے خیر دے۔

مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ

واقعہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ امت کے ہر طبقہ کے مسلم بزرگ ومقتداء ہیں، ضرورت ہے کہ لاکھوں صفحات میں بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو علیحدہ علیحدہ عنوانات کے ماتحت ان کے ملفوظات ومواعظ اور تصانیف کو یکجا کرکے بہتر سے بہتر انداز میں عام کیا جائے تاکہ ان سے مزید استفادہ کی راہ پیدا ہو، حضرت تھانویؒ کے معتقدین ومتوسلین نے اس سلسلے میں کام کئے ہیں اور آج بھی کررہے ہیں۔

مقام مسرت ہے کہ محترم ومکرم جناب مولانا صدیق احمد صاحب باندوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی نگرانی میں مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی بڑے سلیقہ سے ان جواہر پاروں کو الگ الگ عنوان سے یکجا کررہے ہیں اور اس سلسلہ کی پہلی کتاب العلم والعلماء ہاتھ میں پہنچ رہی ہے جس کو مولانا زید موصوف نے حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات اور تصانیف سے بڑی دیدہ دری سے جمع کیا ہے اس کتاب سے اندازہ ہورہا ہے کہ آئندہ اس سلسلہ کی جو کتابیں سامنے آئیں گی ان میں حضرت تھانویؒ کے علمی فیوض وبرکات کا انمول ذخیرہ ہوگا اور اس سلسلۂ اشاعت سے بڑا فیض پہنچے گا۔ انشاء اللہ۔

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیو بند

حضرت مولانا عبدالباری مرحوم کے بعد اس دور میں اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد زید مظاہری ندوی زید مجدہ کو حضرت تھانویؒ کی تصانیف و تالیفات اور مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کا خاص شغف عطا فرمایا ہے، اور ساتھ ہی ان کو سلیقہ کے ساتھ مرتب کرنے کا جذبہ صادق بھی ۔ مولانا موصوف ہم سب کی طرف سے لائق صد مبارک باد ہیں کہ (اس ذخیرۂ علمی تھانویؒ سے مختلف عنوانات پر کتابیں مرتب فرما کر امت کے سامنے لا رہے ہیں تا کہ پوری امت اس کو پڑھ کر علم وعمل میں رسوخ پیدا کرے اور اپنی علمی و عملی کمزوریوں کو بآسانی دور کر سکے) میری دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس گراں قدر خدمت کو قبول فرمائے، اور ان کے مراتب بلند کرے، آمین یارب العالمین ۔

حضرت مولانا نجم الحسن صاحب ناظم مدرسہ امداد العلوم

خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون مظفر نگر

مرتب کتاب مولوی مفتی زید صاحب مظاہری کو حکیم الامت کی کتابوں سے خاص شغف اور حضرت کے علوم و معارف کے اخذ کی بہترین صلاحیت اور عمدہ ملکہ حاصل ہے، ان کی محنت اور کوشش قابل مبارک باد اور لائق تحسین ہے کہ انہوں نے حضرت کے مصنفات و معارف کے مختلف متعدد انتخابات تیار کئے جن کی مدد سے مختلف موضوعات کی معلومات میں الجھے بغیر ایک عنوان کی مختلف معلومات و مضامین کا یکجا ملنا آسان ہو گیا ہے، اور وہ مضامین جو بڑی کوششوں اور کاوشوں سے ہاتھ لگتے تھے انتہائی سلیقہ اور حسن تدبیر سے مرتب و مزین ہو گئے ۔

نجم الحسن تھانوی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ

آپ کی مرسلہ تصانیف پہنچیں، آپ نے مفید سلسلہ تیار کیا ہے، علمی زندگی گذارنے والے حضرات خواہ وہ منتہی یا متوسط علوم دین ہوں خواہ ان کے عام مدرسین سب کے لیے فقہ، افتاء وآداب متعلّم ومعلم کے موضوعات پر یہ تین کتابیں جو مجھ کو آپ سے موصول ہوئیں، یہ تینوں کتابیں میرے نزدیک بہت مفید ہیں، مدارس میں درس وتدریس یا فقہ وافتاء کا کام کرنے والوں کو ضرور پڑھنا چاہئے ان سے ایک طالب علم اور ایک معلم کے جو اخلاق وسیرت وکردار ہونا چاہئے اور اس میں اپنے مقصد کے لیے جو اخلاق واحتیاط ہونا چاہئے اور اس دینی وتربیتی کام کے لیے جو سمت وحوصلہ وتقویٰ رہنا چاہئے اس کی بڑی خوبی کے ساتھ رہنمائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا نفع عام فرمائے۔

دعا گو: محمد رابع ندوی

۱۴۱۲/۲/۸ھ

حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب الاسعدی

جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

حضرت (مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ) کے ملفوظات ومواعظ پر مختلف انداز میں لوگوں نے کام کیا ہے اور ان کو شائع کیا ہے ہمارے عزیز دوست مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی نے ایک نئے انداز سے ان کو مرتب کر کے ان کی افادیت اور قیمت بہت بڑھادی ہے اور ایک باب سے متعلق ملفوظات کو یکجا کر کے گویا ہر علم وفن پر حضرت کی ایک ایک مستقل تالیف تیار کردی ہے۔

فجزا اللہ خیرا عنا وعن جمیع المستفیدین

العبد محمد عبید اللہ الاسعدی ۱۴۱۰/۱/۲۷ھ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ان علماء میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مختلف ادوار میں اسلام کی تجدید اور نشاۃ ثانیہ کا کام لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر جو جامعیت کی شان رکھی تھی اس کی مثال کم مل پاتی ہے، اسلامی علوم کا شاید ہی کوئی فن ہو جس پر آپ کی تحریر موجود نہ ہو اور مسلمانوں کی زندگی کا شاید ہی کوئی اصلاح طلب گوشہ ہو، جس پر آپ نے روشنی نہ ڈالی ہو، آپ کے خطبات و مواعظ نیز ملفوظات علم و دین کا ایک گنج گرانمایہ ہے، صدہا علمی نکات اور جواہر ریزے اس میں بکھرے پڑے ہیں۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ موضوع وار مناسب عنوانات کے ساتھ ایسی منتشر چیزیں یکجا ہو جائیں تاکہ اہل علم کے لیے ان کا مربوط اور مرتب مطالعہ کرنا آسان ہو سکے۔ بحمد اللہ میرے گرامی قدر دوست جناب مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی (استاذ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ) نے اس اہم کام کا بیڑہ اٹھایا ہے، اور اس طرح کے مختلف مجموعے مرتب کئے ہیں، راقم سطور کو بھی ان کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے، موصوف نے ہر ہر موضوع پر حضرت تھانویؒ کی ایسی آراء یکجا کر دی ہیں کہ حضرت تھانویؒ کے بہت سے عشاق اور خوشہ چینوں کو بھی اس کی اطلاع نہ رہی ہوگی۔ واقعہ ہے کہ مفتی محمد زید صاحب پوری علمی برادری کی طرف سے شکر و امتنان کے حقدار ہیں کہ انہوں نے بہت بڑے فرض کفایہ کو سرانجام دیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو پورا فرمائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی ۱۴۱۲/۳/۱۷ھ

عرض مرتب طبع اوّل ۱۴۱۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد!

ملفوظات، مواعظ، نصائح، خطبات، مکالمات کی تاریخ بہت قدیم ہے، ان کے ضبط ونقل کرنے کا سلسلہ بھی بہت قدیم ہے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ملائکہ اور باری تعالیٰ کے درمیان جو مکالمہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کلام پاک میں نازل فرمایا۔ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو نصیحتیں فرمائیں رب کریم نے ان نصائح کو اپنے پاکیزہ کلام میں نازل فرما کر محفوظ فرمادیا۔

انبیاء علیہم السلام کے مواعظ وخطبات جابجا قرآن پاک میں موجود ہیں، حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا سفر نامہ اور مکالمہ بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سفر نامہ اوران دونوں کے سبق آموز ملفوظات سے محظوظ ہوئے حتی کہ آپ نے فرمایا کہ کاش موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے سلسلہ دراز ہوتا اور زائد سے زائد محظوظ ہونے کا موقع نصیب ہوتا۔

(بخاری شریف: ۱/۲۳)

سلسلہ اور آگے بڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر قول وعمل اور تقریر کو امت کے سامنے لایا گیا، اس کے بعد بھی نہ صرف صحابہ بلکہ تابعین وتبع تابعین کے بھی اقوال وافعال وآثار کو بھی ضبط کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

حضرت امام بخاریؒ کثرت سے صحابہ کے علاوہ تابعین کے اقوال وآثار نقل فرما کر ان سے استشہاد فرماتے ہیں، حضرت عطاء، حضرت ابراہیم، ابن سیرین وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے ملفوظات اور ان کی طرف منسوب کردہ اقوال متعدد مواقع

میں نقل فرما کر استشہاد فرمایا ہے۔(ملاحظہ ہو بخاری شریف ۱/۸۸)

اسلاف وائمہ اور علمائے متقدمین ومتاخرین کی مصنفات پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ تمام ہی علماء نے اپنے بڑوں کے علمی ملفوظات واقوال کو ضبط اور نقل کر کے حسب موقع ان سے استفادہ کیا ہے، علامہ ابن قیمؒ کی مولّفات ''زاد المعاذ'' وغیرہ میں اس طرح کی عبارتیں نظروں سے گذری ہیں جن میں وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے شیخ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ سے سوال کیا شیخ نے یہ جواب عنایت فرمایا، اور مثلاً فلاں حدیث کی تشریح کی بابت شیخ نے یوں فرمایا وغیر ذلک۔(زاد المعاد ۲/۲۵۸)

دراصل یہ بھی علمی وتحقیقی ملفوظات ہی کی ایک کڑی ہے، اور آج بھی علمی دنیا کی یونیورسٹیوں، کالجوں میں علمی وتحقیقی محاضرات ہوتے ہیں جن کو آج کل بڑی اہمیت دی جاتی ہے، ان کا حاصل بھی علمی وتحقیقی ارشادات وملفوظات ہی ہے جن کو محاضرات سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، جس میں خود محاضر کی ذاتی رائے بھی ہوتی ہے جس کو وہ اپنے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔

لیکن ملفوظات ومکتوبات کو مستقل فن اور موضوع بنا کر کتابی شکل میں مزین کرنے اور ان کو شائع کرنے کا اہتمام بہت بعد میں ہوا۔

ہمارے ہندوستان میں یہ سلسلہ بہت پرانا ہے اور اس کی افادیت بعض اعتبار سے اتنی زیادہ عام اور اہم ہے کہ تصنیفات وتالیفات سے بھی آگے بڑھ کر ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''بزرگوں کے ملفوظات اور ان کی مجالس کے قلم بند کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے، یہ ایک بڑا مبارک اور نہایت دانشمندانہ تصنیفی اقدام تھا، ان ملفوظات ومجالس میں جو زندگی وبے ساختگی پائی جاتی ہے وہ قدرتی طور پر علمی

تصنیفات اور عام تحریرات میں نہیں ملتی، ان سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اس کی توقع بھی لگے بندھے طریقے پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کی جاسکتی۔

(پیش لفظ صحبتے با اہل دل، ص:۵۶)

یہ حقیقت ہے کہ علمی گفتگو میں دوران تقریر کسی مسئلہ کی بسا اوقات ایسی تحقیق ہوجاتی ہے کہ اگر تحریر کے واسطے سے اس کا حق ادا کیا جاتا تو مشکل ہوتا بظاہر یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے۔

مثال کے طور پر ''نفاذ قضاء قاضی ظاہراً و باطناً'' کے مسئلہ میں ایک عالم صاحب کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تحریر فرمایا:

''مفصلاً سمجھنا تو اس مسئلہ کا زبانی آسان ہے اور اخیر میں تحریر فرمایا یہ لکھنے سے سمجھ میں نہ آوے گا کبھی ملاقات کے وقت پوچھ لیجئے گا انشاء اللہ اطمینان کرادوں گا''۔

(امداد الفتاویٰ:۳/۳۲)

اس کے بعد ان عالم صاحب نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملاقات کی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی جو تقریر فرمائی اس کو ضبط کرلیا گیا اور جس تحقیق کی بابت حضرت تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ تحریر سے سمجھ میں نہ آسکے گا تقریر اور ملفوظ کے واسطے سے تحریر میں بھی آگئی، جو بوادر النوادر میں شائع ہوئی ہے۔

حضرت تھانویؒ خود اپنے ملفوظات و مواعظ کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرے مواعظ کثرت سے دیکھا کریں اس سے انشاء اللہ بہت نفع ہوگا اور جلد ہوگا، مواعظ میں خدا کے فضل سے سب کچھ ہے اور ملفوظات مواعظ سے بھی زیادہ نافع ہیں، اس لیے کہ ان میں خاص حالت پر گفتگو ہوتی ہے جو طالب کے لیے بے حد مفید ہے۔ (الافاضات الیومیہ ۲/۱۱۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ محض خانقاہ نہیں بلکہ مختلف شعبوں پر مشتمل گویا ایک علمی و اصلاحی اور تحقیقی ادارہ تھا، وہاں ایک طرف مدرسہ بھی تھا جہاں دینی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری تھا، دارالافتاء تھا جہاں بکثرت فتویٰ نویسی کا کام ہوتا تھا۔

دارالتصنیف والتالیف کا مرکز تھا جہاں سے سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں، عابدین زاہدین، طالبین، صلحاء، اتقیاء، فقہاء، متکلمین ومناظرین، ادباء وشعراء، صوفیاء وامراء کا ہجوم اور بکثرت آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، مجلس خاص وعام کا وقت مقرر تھا جس میں اہل علم کے مجمع میں علمی و تحقیقی رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے تھے۔

مجلس میں جس موضوع پر علمی و تحقیقی گفتگو کا سلسلہ چل پڑتا وہ ایک انتہائی مفید اور قیمتی سرمایہ ہوتا تھا، جس کو ضبط و نقل کرنے کا اہتمام حضرت کے زمانہ میں حضرت ہی کی زیرنگرانی کیا جاتا تھا، نقل وضبط کرنے والے اشخاص بھی خواص وعلماء میں سے ہوتے تھے جن پر بعد میں خود حضرت نے بھی نظر ثانی بھی فرماتے تھے۔

یہ خصوصیت حکیم الامت حضرت تھانویؒ ہی کو حاصل ہے کہ ان کے مواعظ و ملفوظات اس طرح اہتمام کے ساتھ قلم بند ہو کر شائع ہوئے۔

جناب منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب فرماتے ہیں:

امت محمدیہ میں یہ شرف کسی خطیب کو حاصل نہیں کہ اس کے تمام تر مواعظ ملفوظات قلم بند اور محفوظ ہوں یہ (حضرت تھانویؒ کی) کرامات میں سے ہے۔

(پیش لفظ علم وعمل: ص:۱۳۰)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ذات کو مستثنیٰ کرکے

اکثر معاصر بزرگوں کے ملفوظات اوران کی نادر تحقیقات تلف ہوگئیں۔

(پیش لفظ صحبتے با اہل دل، ص:۵۶)

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کی اہمیت وافادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ معین الدین صاحب ندوی مدیر ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڈھ لکھتے ہیں:

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور مواعظ رشد و ہدایت کا گنجینہ، حکمت و معرفت کا خزانہ اور طالبین دین کے لیے ایک نعمت عظمیٰ ہیں، جن سے خلق اللہ کو بڑا فائدہ پہنچا...... ان کے مطالعہ سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی ہوتی ہے اس لیے ہر مسلمان کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ (پیش لفظ علم وعمل، ص:۱۱)

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کی شخصیت اور آپ کے اصلاحی کارنامے مصنفات ومولفات، ملفوظات ومواعظ محتاج تعارف نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا ملکہ نصیب فرمایا تھا کہ جس کسی مسئلہ کی تحقیق فرماتے تو اس کا حق ادا کردیتے، اس انداز سے بیان فرماتے کہ ہر طبقہ اسے تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا، استشہاد واستخراج کی اللہ نے وہ صلاحیت نصیب فرمائی تھی کہ وقت کے ابن تیمیہ نظر آتے تھے، کسی مسئلہ کی تنقیح اور اس کے اصول ومقدمات بیان فرماتے تو ابن قیم معلوم ہوتے، تصوف ومسلک کے مباحث بیان کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جنید وقت وشبلی زبان موتی بکھیر رہا ہے، علم کلام وعقائد کے کسی مسئلہ کی تحقیق اور باطل فرقوں اور مذاہب باطلہ کی تردید اور اسلام کی حقانیت بیان کرنے پر آتے تو ایسا لگتا جیسے رازی وغزالی کی زبان بول رہی ہے، کسی فقہی مسئلہ کی تحقیق فرماتے تو ایسا لگتا کہ امام ابوحنیفہ کے تمام مجتہدات ومستدلات، دلائل عقلیہ ونقلیہ سب ان کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔

حضرت تھانویؒ جیسے کچھ بھی تھے ملفوظات ومواعظ میں صاف آئینہ کی طرح

نظر آتے ہیں، کتنی آیات کی تفسیر اور تفسیری نکات وفوائد ایسے ہیں جو خود حضرت کی تفسیر بیان القرآن میں مذکور نہیں لیکن ملفوظات ومواعظ کے ضمن میں آ گئے ہیں، کتنے علمی مباحث اور فقہی تحقیقات ایسی ہیں جن سے خود حضرت تھانویؒ کی مصنّفات وفتاویٰ کا دامن خالی ہے لیکن ملفوظات ومواعظ نے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے بچپن ہی سے حضرت تھانویؒ کی تالیفات خصوصاً ملفوظات ومواعظ کے دیکھنے اور ان سے مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائی۔

میری نظر جب ان گراں قدر بکھرے ہوئے موتیوں پر پڑی اسی وقت ایک خیال مسلط ہوگیا کہ کیوں نہ ان جواہرات کی روشنی سے امت کو روشناس کرایا جائے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے حضرت کے ملفوظات اور موجیں مارتے ہوئے علمی دریا میں غوطہ لگانے اور مدفون خزانہ میں ہاتھ لگانے کی توفیق نصیب فرمائی۔

میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر کے ہر موتی کو اپنی صنف میں لاحق کر کے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے، یعنی مختلف موضوعات سے متعلق جو اہم ملفوظات ہیں ان کو موضوع اور فن کے اعتبار سے علیحدہ مرتب کر دیا جائے، بحمد اللہ تعالیٰ تدریجی طور پر کام جاری رہا اور میری بساط کے مطابق مجھے جتنے بھی ملفوظات ومواعظ مل سکے، ان سب کا مطالعہ کر کے ہر ہر ملفوظ کو بغیر کسی تغیر وتصرف کے علیحدہ علیحدہ فن وار مرتب کر کے ایک لڑی میں پرو دیا، حسب موقع تکمیل فائدہ کے لیے حضرت کی تصانیف اور فتاوی کا بھی سہارا لیا، صرف عناوین کا اضافہ احقر کی طرف سے ہے، باقی اصل مضمون حضرت تھانویؒ ہی کا ہے، ہر ہر ملفوظ کے ختم پر ماخذ کا پورا حوالہ بھی درج ہے۔

زیر نظر کتاب ''العلم والعلماء'' جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، خدا کی ذات سے امید ہے کہ ہر دینی ادارہ چلانے والے اور عالم دین کو اس سے بڑی رہنمائی ملے گی اور ہر موقع پر انشاء اللہ یہ مشعل راہ ثابت ہوگی، اس کے علاوہ آداب افتاء استفتاء، اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ، فقہ حنفی کے اصول وضوابط، احکام مناظرہ، اصلاح معاشرہ، آداب زندگی، اصلاح معیشت، تصوف وغیرہ ہر ہر موضوع پر کام ہوا ہے، جس کو جلدی انشاء اللہ منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔

اخیر میں اپنے ان محسنین کا بڑا شکر گذار اور احسان مند ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں ہماری ہمت افزائی اور رہنمائی فرمائی جن میں سب سے پہلے قابل ذکر سیدی ومرشدی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم (بانی جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ) ہیں، جن کے زیر سایہ پرورش پا کر احقر اس لائق بنا اور جنہوں نے اس سلسلۃ الذہب کے متعلق بھر پور دستگیری فرمائی، اسی طرح والد محترم، ووالدہ ماجدہ جنہوں نے آنکھ کھولتے اور ہوش سنبھالتے ہی مجھے دینی ماحول میں ڈالا، جس کے نتیجہ میں اللہ نے مجھے یہاں تک پہنچایا، اور جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کا پورا خرچہ برداشت کیا، بس اللہ تعالیٰ ہی ہمارے ان محسنین کو دنیا وآخرت میں بہترین صلہ عطاء فرمائے۔

تمام قارئین سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے پوری امت کو زائد سے زائد فائدہ پہنچائے، آمین یارب العالمین، وما توفیقی الا باللہ۔

محمد زید غفرلہ

۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ/ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

پیش لفظ

طبع ثانی ''العلم والعلماء''

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

زیرنظر کتاب ''العلم والعلماء'' کا دوسرا ایڈیشن جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے دراصل حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و مواعظ اور تصانیف و فتاویٰ کے اقتباسات کا مجموعہ ہے جس میں دینی مدارس، علم و عمل، علماء و طلبہ سے متعلق ضروری مفید مضامین کو مرتب انداز میں جمع کیا گیا ہے۔

ابھی ایک سال بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ العلم والعلماء کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، احباب کے تقاضوں کی بناء پر مجبوراً جلد ہی دوسرے ایڈیشن کی فکر ہوئی اللہ کا شکر ہے کہ اس کام کو اکابر علماء و مشائخ اور محققین و مفکرین نے بہت پسند فرمایا اور یہ مجموعہ مختلف مدارس اور بزرگوں کی مجالس اور علمی حلقوں میں ازاول تا آخیر پابندی سے پڑھ کر سنایا گیا۔ اکابر علماء کی تجویز کے مطابق ہر عالم دین و طالب علم اور مدرسہ کے ہر ذمہ دار کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

اس جدید ایڈیشن میں ضروری اضافات بھی کئے گئے ہیں جن میں علماء و طلبہ کی کوتاہیوں اور ان کی اصلاح سے متعلق کافی مضامین جمع کردیئے گئے ہیں، یہ جدید ایڈیشن اپنے سابق ایڈیشن کی بہ نسبت تقریباً سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے، اس لیے اس کی افادیت بھی بہ نسبت پہلے ایڈیشن سے انشاء اللہ زائد ہوگی۔ اللہ کا شکر ہے اسی انداز پر ہر موضوع پر کام ہوا ہے جن میں سے ''اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ'' فقہ حنفی کے اصول

وضوابط، آداب افتاء واستفتاء، استاد وشاگرد کے حقوق اور تعلیم وتربیت کے طریقے، اسلامی شادی، تحفۂ زوجین، احکام مناظرہ، دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام، آداب تقریر وتصنیف، علوم وفنون اور نصاب تعلیم، تسہیل التعلیم اور اصلاح عوام کا نصاب وغیر ذالک کتابیں طبع ہوکر منظر عام پرآ چکی ہیں۔

میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اس انداز کے نیک کام کی مجھ کو بھی توفیق ہوگی جو کچھ ہے محض اللہ کا فضل وکرم اور اسی کا احسان اور بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ قارئین کرام سے دعا کی گذارش ہے کہ اللہ پاک اس سعی کو قبول فرمائے، اور سلسلہ کی تکمیل بسہولت فرمادے، اور امت کے ہر طبقے کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ **وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔**

اھم اطـــلاع

برسہا برس سے ہندوپاک میں یہ کتاب ''العلم وعلماء'' ہاتھ کی کتابت کے ساتھ شائع ہورہی تھی، ایک مکتبہ والے نے کمپوز بھی کرایا تو اس میں بےشمار اغلاط تھیں جس کو دیکھ کر افسوس ہوا، یہی حال اسلامی شادی وغیرہ کتابوں کے ساتھ بھی ہوا، بلکہ اسلامی شادی ناقص ہی جس میں اصل اسلامی شادی سے سو (۱۰۰) صفحات کم ہیں، لوگوں نے کمپوز کراکر شائع کردی، جس میں تصحیح کا بھی اہتمام نہیں کیا گیا، اس کو دیکھ کر بہت صدمہ ہوا، اس لیے احقر نے اپنی نگرانی میں خود کمپوز کراکر ان کتابوں کی تصحیح وترتیب کا از سرنو اہتمام کیا۔ الحمدللہ محنت شاقہ کے بعد اب یہ کتاب ''العلم والعلماء'' اسی طرح اسلامی شادی، دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام وغیرہ کتابیں منظر عام پرآرہی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ نئی کتابوں پر بھی کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان سب کو قبول فرمائے اور امت کے لیے نافع بنائے۔ (آمین)

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

العلم والعلماء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد!

باب (۱) علم کا بیان

فصل (۱) تعلیم وتعلّم کی اہمیت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَافَّۃً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِیَتَفَقَّھُوا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ.

(سورۂ توبہ پ:۱۱)

ترجمہ: اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہئے کہ جہاد کے واسطے سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد میں جایا کرے تا کہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ لوگ اپنی اک قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس واپس آویں ڈرادیں تا کہ وہ ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے احتیاط رکھیں۔ (بیان القرآن)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم احکام اور اس کی ضرورت سے تعلّم احکام (یعنی احکام سیکھنا) ایسا اہم فریضہ ہے کہ عین جہاد حقیقی میں مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کی خدمت انجام دے، تو

اور کسی وقت اس کا اہتمام کیوں نہ واجب ہوگا۔

وجہ ظاہر ہے کہ کوئی طاعت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو وہ معتبر اور مقبول اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ شرعی قوانین کے موافق ہو اور ان قوانین کے موافق ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے ان کا علم ہو، جس کی دو صورتیں ہیں یا خاص طور پر ان کا درس و تدریس یا عام طور پر تعلیم و تبلیغ۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۱۹۱)

یاد رکھو! محکمہ تعلیم تمام کاموں کی جڑ ہے اگر محکمہ تعلیم نہ رہا تو آئندہ کام کرنے والے کیوں کر پیدا ہوں گے۔ (التبلیغ ۱۶/۸۴)

غرض آپ کو معلوم ہوا کہ علم دین کیا چیز ہے کہ نظام عالم اس پر موقوف ہے۔

(دعوات عبدیت ۷/۶۹)

مشغلہ علم دین کی فضیلت

آج کل مشغلہ علم دین سب سے اچھا ہے، دین کی تعلیم سے بہتر آج کل کوئی خدمت نہیں جس کو خدا تعالیٰ علم دے تو اس کے لیے اس سے بہتر کوئی اور مشغلہ نہیں، اس کی آج کل سخت ضرورت ہے، اور فضیلت بھی اس کی اس قدر ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے عمل کی ہو، جب تک تعلیم کا سلسلہ چلا جائے گا قیامت تک نامہ اعمال میں ثواب بڑھتا جائے گا۔ (حسن العزیز ۴/۲۰۰)

درس اور وعظ کی ضرورت

دو باتیں خیال میں آتی ہیں یا تو درس و تدریس شروع کریں یا وعظ کہیں۔ دونوں کی ضرورت ہے، مناسب یہ ہے کہ مستقل درس کا شغل رہے اور کبھی کبھی وعظ بھی ہوا کرے۔ وعظ زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا نفع عام ہوتا ہے۔

(حسن العزیز ۴/۷۲)

علماء کی فضیلت

فخر اگر کریں تو علماء کر سکتے ہیں کیونکہ وہ خود راہ راست پر ہیں، اور دوسروں کے لیے دلیلِ راہ بنتے ہیں، اور مال کو تو اگر غور کیا جائے تو اس کا نہ ہونا موجب فخر ہوسکتا ہے کیونکہ مال کی حالت سانپ کی سی ہے کہ اس کا ظاہر نہایت دلکش دلفریب، چکنا، چمکدار لیکن اس کے باطن میں مہلک زہر بھرا ہے اسی طرح مال اگر چہ ظاہر میں آسائش و آرائش، راحت و آرام کا سبب ہے لیکن اس کا باطن تمام خرابیوں اور مصیبتوں کی جڑ ہے مال پر فخر کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی اس پر فخر کرنے لگے کہ میرے تمام جسموں میں سانپ لپٹے ہوئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

رضینا قسمة الجبّار فینا لنا علم وللاعداء مال

فان المال یفنی عن قریب وان العلم باق لا یزال

یعنی مال تو فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا، علم جس کے ساتھ ہو وہ دنیا بھر سے مستغنی ہے اس کو نہ رفیق کی ضرورت نہ مونس کی ضرورت، ہر کسی بادشاہ کو بھی وہ خوشی اور اطمینان حاصل نہیں۔ بادشاہ کو اپنے مصاحبوں ہی سے خطرہ ہوتا ہے کہ یہ مجھے زہر نہ دیدیں مار نہ ڈالیں۔ اور عالم کے اطمینان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ تن تنہا جنگل میں ہے مگر محفوظ۔ بادشاہ سے زیادہ اطمینان میں ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ علم کے ثمرات اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ (دعوت عبدیت ۱۲/۴۷)

علم کی تعریف

علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا، اگر محض الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ معاصی کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے بلکہ کفر کے

ساتھ بھی۔ ورنہ بیروت اور جرمن میں عیسائی عربی کے ادیب ہوتے ہیں ان کا حافظہ بھی قوی ہے ذہن بھی تیز ہے۔

پس معلوم ہوا کہ علم اس کا نام نہیں ہے۔ حقیقت علم کی حقیقت نور ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے ''قَدْ جَاءَ كُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْن'' اسی کو روح بھی فرمایا ہے۔ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ۔ بس حقیقت میں یہی چیز علم ہے، امام ابوحنیفہؒ نے کتابیں زیادہ نہیں پڑھی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے قلب میں ایک نور بخشا تھا کہ جس چیز کو بیان کرتے تھے بالکل صحیح فرماتے تھے اور اب کسی کو کتنا ہی تجربہ ہو جائے مگر وہ علم نصیب نہیں ہوتا جو امام صاحب کو حاصل تھا۔

(رسالہ آئینہ مظاہر علوم، بحوالہ حضرت تھانوی ص:۱۷)

قابل فخر علم، علم ایک نور ہے

مگر علم سے مراد یہ نہیں کہ قال دراصل قَوَلَ بود جانتا ہو، بلکہ علم ایک نور ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْراً يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ ہم نے علم کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعہ آپ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں اور اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر چاروں طرف سے اسے تلواروں میں گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لیے اترے آپ نے اپنی تلوار درخت میں لٹکا دی اور درخت کے نیچے سو گئے، ایک دشمن نے موقع غنیمت سمجھا اس نے دبے پاؤں آکر تلوار پر قبضہ کیا اس کے بعد اس کو نہایت آہستگی سے نیام سے نکالا اور آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا آپ کو بیدار کیا اور پوچھا کہ مَنْ يَّعْصِمُكَ مِنِّيْ اس وقت آپ کو

مجھ سے کون بچا سکتا ہے آپ نے اس کی یہ ہیئت دیکھ کر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں فرمائی اور اس سوال کے جواب میں نہایت اطمینان سے فرمایا کہ اللہ! یعنی مجھے اللہ بچائے گا، بھلا ایسا کوئی کر کے تو دکھادے، بدون خدا کے تعلق کے کوئی ایسا نہیں کر سکتا تو علم اس کا نام ہے۔ ورنہ نرے (محض) الفاظ تو شیطان بھی خوب جانتا ہے۔

اور راز اس کا یہ ہے کہ علم کامل سے معرفت کامل ہوتی ہے وہ جانتا ہے کہ عَسیٰ اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۔(ہوسکتا ہے کسی شئ کو تم برا سمجھتے ہو لیکن تمہارے حق میں وہ بہتر ہو) اس لیے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے علاج اور کفار سیأت ہو رہا ہے۔ نیز اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم خدا کے ہیں، اپنے نہیں ان کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لیے مناسب سمجھیں اس میں رکھیں۔

(دعوات عبدیت ۷/۶/۱۲)

حقیقی علم کا مفہوم اور اس کی فضیلت

یہی ہے حقیقت علم کی جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی ہے وہ فقہ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فَقِیْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ گراں ہے اس سے درسی فقہ مراد نہیں کیونکہ محض کتابیں پڑھنے سے شیطان کی چالیں سمجھ میں نہیں آتیں، بلکہ یہ وہ معرفت ہے جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی علم کی فضیلت میں یہ حدیث وارد ہے ”من یرد اللہ بہ خیرا یفقه فی الدین“ (جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے)۔

یہ علم حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ کے ان پڑھ ہونے پر فخر فرماتے ہیں ”نحن امۃ امیون لا نکتب ولا

نحسب "۔(یعنی ہم امی ہیں حساب کتاب نہیں جانتے)۔

بتلایئے صحابہ نے لکھا پڑھا تھا کچھ بھی نہیں بلکہ بعضے تو ان میں دستخط بھی نہ کر سکتے تھے اور بعض صحابہ کو تابعین کے حوالہ کر دیتے تھے مگر بایں ہمہ علوم میں وہ سب سے افضل تھے چنانچہ عبداللہ بن مسعود صحابہ کی شان میں فرماتے ہیں **اعمقھم علماً** کہ امت میں سب سے بڑھ کر صحابہ کا علم عمیق ہے۔آخر وہ کون سا علم تھا کیا درسی اور کتابی علم تھا ہر گز نہیں بلکہ علم وہی فہم قرآن تھا جو حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا، جس میں ان کے تقویٰ سے ترقی ہوتی رہتی تھی اور یہی وہ علم ہے جس کے متعلق امام شافعی کا قول ہے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی　　فاوصانی الی ترک المعاصی

(میں نے وکیع سے سوءحفظ کی شکایت کی تو انہیں نے مجھ کو معاصی چھوڑنے کی وصیت کی) آخر وہ کون سا علم ہے جس میں معاصی حائل ہیں کیا وہ کتابی علم سے ہر گز نہیں کتابی علم تو جس کا حافظہ قوی ہوگا اس کو زیادہ یاد رہے گا ایک فاسق فاجر کو بڑے سے بڑے متقی سے زیادہ قرآن حفظ ہو سکتا ہے، بلکہ کافر کو بھی ممکن ہے کہ ہم سے زیادہ مسائل واحادیث یاد ہو جائیں، چنانچہ بیروت میں عیسائی ہماری حدیث اور فقہ کے بڑے جاننے والے ہیں۔

اور جرمن کے ایک مدرسہ کا حال ایک شخص نے کسی سیاح سے نقل کیا ہے کہ وہاں علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے کسی کمرہ کا نام دارالفقہ ہے کسی کا نام دارالحدیث ہے اور وہاں بخاری ہدایہ وغیرہ سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور پڑھنے والے پڑھانے والے سب عیسائی کافر ہیں۔

تو امام شافعیؒ کی مراد کتابی علم میں سوءحفظ کی شکایت نہیں، امام وکیع کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علوم میں قلت حفظ کی شکایت کر رہے تھے جس میں

معاصی کا دخل تھا، یہی ہے حقیقت علم اور یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے مجتہدین مجتہد ہوئے ہیں، ورنہ وسعت نظر اور کثرت معلومات میں تو ممکن ہے کہ بعض مجتہدین سے بڑھے ہوئے ہوں۔

علم و معلومات کا فرق

علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں۔ دیکھو ایک تو ابصار ہے اور ایک مبصرات ہیں، ان دونوں میں فرق ہے یعنی ایک تو وہ شخص ہے جس نے سیاحت بہت کی ہے مگر اس کی نگاہ کمزور ہے۔ اور ایک شخص نے سیاحت تو کم کی ہے مگر نگاہ بہت تیز ہے تو جس کی نگاہ کمزور ہے اور اس نے سیاحت بہت کی ہے اس کی مبصرات تو زیادہ ہیں، مگر کسی مبصر (دیکھی ہوئی شئی) کی پوری حقیقت سے آگاہ نہیں کیونکہ اس نے کسی چیز کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں ہر چیز کو سرسری طور پر یونہی دیکھا ہے اور جس کی نگاہ تیز ہے اور سیاحت زیادہ نہیں کی اس کے مبصرات گو کم ہیں مگر جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس کی حقیقت پر مطلع ہو جاتا ہے۔

بس یہ فرق ہے ہمارے اور حاجی (امداداللہ) صاحب میں کہ ہماری معلومات تو زیادہ ہیں مگر بصیرت قلب زیادہ نہیں اور حاجی صاحب کی معلومات گو قلیل ہیں مگر بصیرت قلب بہت زیادہ ہے اس لیے ان کے جتنے علوم ہیں سب صحیح ہیں وہ ہر معلوم کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ہم حقیقت تک نہیں پہنچتے۔

غرض جیسے کثرت مبصرات کا نام ابصار نہیں اسی طرح کثرت معلومات کا نام علم نہیں بلکہ علم یہ ہے کہ ادراک سلیم اور قوی ہو جس سے نتائج صحیحہ تک جلد وصول ہو جاتا ہو، یہی ہے حقیقت علم جو فقط پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور اسباب ہیں۔ منجملہ ان کے ایک سبب تو دعا ہے، دوسرا سبب تقویٰ ہے، تقویٰ

کے لیے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے۔ تقویٰ اختیار کر کے دیکھ لو، الفاظ سے کمالات حقیقیہ کی تعبیر نہیں ہوسکتی۔ (التبلیغ ۱۲/۱۳۰)

علم دین مقصود بالذات نہیں اس کے لیے عمل وخشیت لازم ہے

ہماری حالت یہ ہے کہ علم حاصل کرتے ہیں پھر پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور اسی کو مقصود سمجھتے ہیں تحصیل خشیت کا اہتمام نہیں کرتے، ایسا علم جو خشیت سے خالی ہو علم ہی نہیں۔ صاحبو! علم کو میراث انبیاء کہا جاتا ہے تو اب دیکھ لو کہ انبیاء کی میراث کون سا علم ہے، کیا انبیاء کا علم بھی نعوذ باللہ ایسا ہی تھا جس میں محض مسائل واصطلاحات کا تلفظ ہو اور خشیت کا نام نہ ہو، ہرگز نہیں، وہاں تو یہ حالت تھی کہ جتنا علم بڑھتا تھا اتنی ہی خشیت بڑھتی تھی۔ حدیث میں ہے کہ **اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَاَخْشَاكُمْ لله** (ترجمہ) میں تم سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں۔ تعلیم وتعلّم کو مقصود بالذات سمجھ لینا حد سے تجاوز ہے۔
(تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۱۶۰)

حقیقی مولوی اور عالم کی تعریف

مولوی احکام داں کو کہتے ہیں عربی داں کو نہیں کہتے، عربی داں ابوجہل بھی تھا مگر لقب تھا ابوجہل نہ کہ عالم۔ (کلام الحسن ص:۵۵)

مولوی سے مراد عالم باعمل ہے جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجئے، جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل ہی نہیں، ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے، مصر، بیروت میں عیسائی، یہودی عربی داں ہیں تو کیا ہم ان کو مقتداء دین کہنے لگیں۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۳۴)

مولوی اس کو کہتے ہیں جو مولا والا ہو، یعنی علم دین بھی رکھتا ہو اور متقی بھی ہو،

خوف خدا وغیرہ اخلاق حمیدہ بھی رکھتا ہو، صرف عربی جاننے سے آدمی مولوی نہیں ہوتا چاہے وہ کیسا ہی ادیب ہو، عربی میں تقریر بھی کر لیتا ہو تحریر بھی لکھ لیتا ہو، کیونکہ عربی داں تو ابوجہل بھی تھا بلکہ وہ آج کل کے ادیبوں سے زیادہ عربی داں تھا، تو وہ بڑا محقق عالم ہونا چاہئے حالانکہ اس کا نام ہی ابوجہل تھا، معلوم ہوا کہ صرف عربی داں کا نام مولویت نہیں۔ (التبلیغ ۱۳۳/۱)

عالم کسے کہتے ہیں؟

عالم کسے کہتے ہیں متقی متبع سنت کو، کیونکہ مولوی میں نسبت ہے مولیٰ کی طرف یعنی مولیٰ والا سو جب تک وہ اللہ والا ہے اسی وقت مولوی بھی ہے، لائق اتباع بھی ہے اور جب اس نے رنگ بدلا اسی وقت سے وہ مولوی نہیں رہا، نہ قابل اتباع ہے، بلکہ اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (التبلیغ ۱۳۴/۱)

علم موقوف علیہ اور خشیت کی شرط ہے خلاصہ یہ ہے کہ خشیت بدون علم کے نہیں ہوتی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں علم ہوگا خشیت بھی ضرور ہوگی، محض علم سے خشیت ہونا ضروری نہیں۔ اس کے لیے مستقل تدبیر کی حاجت ہے۔

(دعوات عبدیت ۷۰/۷)

بعض مولوی بھی جاہل ہوتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بعض جاہل مولوی ہوتے ہیں کیونکہ مولوی اصل میں وہ ہے جو اللہ والا ہو، اور اللہ والا آدمی شریعت سے ہوتا ہے، مگر آج کل جہاں عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لیں اسے مولوی کہنے لگتے ہیں، چاہے اس نے محض معقول و ادب ہی پڑھا ہو۔ اگر معقول پڑھنے سے آدمی مولوی ہو جایا کرتے تو ارسطو اور جالینوس سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئے کیونکہ یہ لوگ معقول کے امام ہیں، حالانکہ ان کے موحد ہونے میں بھی کلام ہے۔ اور اگر ادب

پڑھنے اور عربی گفتگو کر لینے اور تحریر لکھنے سے مولوی ہو جایا کرتے تو ابولہب اور ابوجہل سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئے کیونکہ یہ لوگ بہت بڑے عربی داں اور فصیح و بلیغ تھے، تو محض معقول وادب سے انسان مولوی نہیں ہوسکتا۔ (التبلیغ ۵۲/۲۱)

عالم اور مولوی کا فرق

اور عالم دین مولوی ہی کو نہیں کہتے بلکہ ان دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، ہر مولوی عالم دین ہے مگر ہر عالم دین مولوی نہیں ہوتا، علم دین کبھی صحبت سے حاصل ہوتا ہے کبھی پڑھنے سے۔ (دعوات عبدیت حق الا طالمۃ ۴۲/۲۰)

فصل (۲)

دینی تعلیم کی عمومی ضرورت اور اس کے طریقے ہر مسلمان طالب علم ہے

ہر مسلمان ہر وقت مسلمان ہونے کی حیثیت سے طالب علم ہے کیونکہ ایک درجہ طالب علم کا ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ ضروریات کا علم ہے یعنی بقدر ضرورت عقائد کا اور احکام صلوۃ وصوم اور احکام معاملات و معاشرات کا علم ہر مسلمان پر لازم ہے، نیز اس کی بھی ضرورت ہے کہ دین اور علم دین سے مناسبت پیدا کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرے اور فہم کو بڑھائے اور اسی کا نام طالب علمی ہے۔ (**الحکمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهوا حق بها**) یعنی علم و حکمت مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے جب اور جہاں کہیں اس کو پائے وہ اس کے زیادہ لائق ہے۔ (التبلیغ ۷۸/۲)

سب سے پہلے بچوں کو قرآن پاک پڑھانا چاہئے

سب سے اول مسلمان کے بچہ کو قرآن پڑھانا چاہئے کیونکہ تجربہ ہے کہ تھوڑی عمر علوم حاصل کرنے کی استعداد تو ہوتی نہیں تو قرآن مفت برابر پڑھ لیا جاتا ہے، ورنہ وہ وقت بیکار ہی جاتا ہے اور بعضے لوگ بڑی عمر کے بھروسہ کہ یہ خود پڑھ لے گا، نہیں پڑھاتے تو مشاہدہ ہے کہ زیادہ عمر ہوجانے کے بعد نہ خیال میں وہ اجتماع (یکسوئی) رہتا ہے نہ اس قدر وقت ملتا ہے، نہ وہ سامان بہم پہنچتے ہیں، فکر معاش الگ ستاتی ہے اہل وعیال کا جھگڑا الگ چلتا ہے، خیالات میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اتنے موانع کے بعد کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ (دعوات عبدیت ۶/۹۷)

ہندی انگریزی تعلیم سے پہلے دینی تعلیم ضروری ہے

ضروریات کی تعلیم ہونی چاہئے خواہ اردو میں ہو یا عربی میں مگر انگریزی سے قبل ہو کیونکہ پائدار اثر نقش اول کا ہوتا ہے، یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آنکھ کھولتے ہی انگریزی میں ان کو لگا دیا جائے، تو اول تو قرآن شریف پڑھاؤ اگر پورا نہ ہو تو دس پارے ہی سہی اور اس کے ساتھ ہی روزانہ تلاوت کا بھی اہتمام رکھو اور اس کے بعد رسالے مسائل دین کے اگرچہ اردو ہی میں ہو ان کو کسی عالم سے پڑھواؤ لیکن اس کے ساتھ ہی اگر دین کے خلاف کوئی بات پیدا ہو تو فوراً تنبیہ کرو اگر باز نہ آئے تو انگریزی چھڑا دو۔ (دعوات عبدیت ۶/۱۳۹)

ایسا کیوں؟

اگر ڈاکٹر کسی بچہ کے بارے میں کہہ دے کہ تین برس تک انگریزی نہ پڑھاؤ ورنہ دماغ خراب ہوجائے گا تو آپ مان لیں گے خواہ یہی زمانہ اس کے امتحان اور

پاس ہونے کا ہو اور آپ جانتے ہوں کہ اگر یہ تین برس خالی رہے گا تو پہلا پڑھا ہوا سب بھول جائے گا، اور آئندہ پڑھنے کی عمر نہ رہے گی مگر اس خیال سے ڈاکٹر کا کہا مان لیں گے کہ تندرستی مقدم ہے اگر پاس بھی ہو گیا اور تندرستی نہ رہی تو نوکری کیسے کرے گا۔ بس اسی طرح سمجھ لو کہ ڈھائی برس کے لیے ہم نے بچہ کو ہسپتال میں یعنی دینی مدرسہ میں بھیجا ہے پہلے اپنی روحانی صحت کو درست کر لے پھر جسمانی صحت بھی درست کر لے گا۔

اول تو ڈھائی برس میں دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اتنا وقت تو بسا اوقات لہو لعب میں غارت ہو جاتا ہے اور اگر کچھ نقصان بھی ہو تب بھی مسلمان کے لیے تو دین ہی مقدم ہے، احکام خداوندی کے سامنے کسی چیز کی بھی وقعت نہیں پہلے ان کو حاصل کرنا چاہئے پھر اور دوسرے کام۔ (دعوات عبدیت ۳/۶۹)

اب میں اخیر درجہ میں کہتا ہوں کہ اگر خدا کے لیے عربی نہ پڑھو تو کم سے کم انگریزی ہی کے لیے عربی ضرور پڑھو، توضیح اس کی یہ ہے کہ علوم عربیہ کے پڑھنے سے استعداد میں ترقی ہوتی ہے اور اس استعداد سے انگریزی تعلیم میں بہت مدد ملتی ہے، میرے چھوٹے بھائی مراد آباد گئے وہاں ان کی ذہانت کی یہ حالت تھی کہ تمام لوگ متحیر تھے حتی کہ ان کے ماسٹر بھی ان کی ذہانت سے عاجز تھے، ایک دفعہ رمضان کا زمانہ قریب آیا ٹریننگ کے لڑکوں نے چاہا کہ کسی حافظ کو بلا کر ایک قرآن سنیں۔ پرنسپل سے پوچھا تو جواب ملا کہ یہ امر جدید ہے اجازت نہیں ہو سکتی، بھائی نے کہا اگر قدیم ہوتا تو اجازت مل جاتی؟ کہا گیا ہاں! بھائی نے کہا کہ آپ کے قاعدے سے، لازم آتا ہے کہ کبھی کوئی امر قدیم پایا ہی نہ جائے (یعنی اس کی اجازت ہی نہ ہو) کیونکہ ہر قدیم کسی وقت جدید تھا اور جدید ہونا مانع اجازت ہے جب اس کی اجازت نہ ہوگی وہ قدیم کب بن سکے گا پرنسپل حیران رہ گیا، آخر انہوں نے کہا کہ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ اجازت کا دار و مدار قدیم ہونے پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو تو اس میں کیا مفسدہ ہے؟ پرنسپل نے اجازت دے دی، یہ محض عربی کی استعداد کی بدولت تھا کیونکہ اس میں احتمال آفرینی کی استعداد ہو جاتی ہے، اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر خدا کے لیے عربی نہیں پڑھتے تو اپنی انگریزی ہی کے لیے پڑھ لو۔ (دعوات عبدیت ۹۲/۶)

علم دین حاصل کرنے میں خلوص نہ ہو تب بھی فائدے سے خالی نہیں

جرأت کی بات ہے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ علم دین شروع کرتے وقت اگر نیت عمل کی نہ بھی ہو تو پرواہ مت کرو، علم دین وہ چیز ہے کہ نیت کو بھی ٹھیک کر لے گا۔ علم دین وہ چیز ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ اپنا اثر ضرور کرتا ہے اور اس شخص کو اپنا بنا لیتا ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے فرماتے ہیں: **تَعَلَّمْنَا لِغَيْرِ اللّٰهِ فَاَبٰى الْعِلْمُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ لِلّٰهِ** یعنی ہم نے علم پڑھا تھا غیر اللہ کے لیے مگر علم نے خود ہی نہ مانا اور اللہ میاں ہی کا ہو کر رہا۔ مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں خلوص نہ تھا مگر انتہاء میں خلوص پیدا ہو ہی گیا، اس واسطے میں کہتا ہوں کہ اگر عمل کی توفیق نہ بھی ہو تب بھی علم پڑھے جاؤ انشاء اللہ ضرور عمل نصیب ہوگا، میں کہتا ہوں کہ علم عربی وہ علم ہے کہ ہر چیز کو اس سے انجلاء ہوتا ہے، اخلاق بھی اس سے درست ہوتے ہیں۔ جب آدمی ہمیشہ فقراء واہل اللہ کے قصے اور حالات پڑھے گا تو کب تک اثر نہ ہوگا۔

ہاں! یہ خیال رکھو کہ معصیت کا بھی عزم مت کرو معصیت سے نور علم مٹ

جاتا ہے اگر خلوص نہ ہو تو پرواہ نہ کرو، لیکن بالقصد معصیت کے پیچھے بھی مت پڑو اور بے باک مت ہو جاؤ۔

امام شافعی نے اپنے استاذ سے اپنے حافظہ کی شکایت کی انہوں نے جو جواب دیا اس کو اس طرح نقل فرماتے ہیں ؎

شکوت إلی وکیع سوء حفظی فأوصانی إلی ترک المعاصی
فإن العلم فضل من الٰہ وفضل اللّٰہ لا یعطی لعاصی

یعنی میں نے اپنے استاذ وکیع سے سوء حفظ کی شکایت کی انہوں نے مجھ کو نصیحت کی کہ گناہوں کو چھوڑ دو کیونکہ علم اللہ کا فضل ہے، اور اللہ کا فضل گنہگار کو نصیب نہیں ہوتا۔ (دعوات عبدیت ۶۹/۲ و ۹۲/۶)

فصل (۳)

تعلیم قرآن کی فضیلت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تعلّم قرآن کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، حضور کا ارشاد ہے ''خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ'' یعنی تم میں بہتر اور افضل وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی مشغولیت بہت بڑی طاعت ہے اور جو لوگ اس کی تعلیم و تعلّم میں مشغول ہیں وہ سب سے بہتر ہیں۔ (التبلیغ ۲۱۸/۲۱)

حامل قرآن کی اہمیت

لوگ جن کو اللہ والا سمجھتے ہیں انہی کی قدر کرتے ہیں درویشوں کی بہت قدر ہے کیونکہ ان کو اللہ والا سمجھا جاتا ہے، ان قرآن والوں کو اللہ والا ہی نہیں سمجھتے۔ یہ

بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ قرآن کا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا ہے کہ اتنا تعلق کسی چیز کو خدا تعالیٰ سے نہیں ہر چیز کا تعلق خدا سے بواسطہ ہے اور قرآن کا تعلق بلا واسطہ ہے کیونکہ قرآن کلام اللہ ہے اور کلام کو متکلم سے بلا واسطہ تعلق ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کسی چیز کا اتنا ادب نہ کرتے تھے، مگر اس پر بھی ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کر کے آئے اس کی تو تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور حاجی بننے کو بڑی بات سمجھتے ہیں اور جو لوگ قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم وغیرہ میں مشغول ہیں، ان کی عظمت حاجی کے برابر بھی نہیں کرتے۔ اسی طرح جو لڑکا حفظ قرآن سے فارغ ہوا، اس کو حج کرنے والے کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ قرآن کا درجہ بیت اللہ سے یقیناً بڑھا ہوا ہے۔ بیت اللہ جس کے اشتیاق میں ہم ہمیشہ رہتے ہیں اس سے بھی افضل چیز ہمارے گھر میں ہر وقت رہتی ہے مگر افسوس ہے کہ ہم کو اس نعمت کی قدر نہیں لوگوں کے ذہنوں میں قرآن کا درجہ ابھی تک نہیں آیا۔ (التبلیغ ۲۱/۲۲۳)

اہل قرآن کا ادب

جب قرآن کے ساتھ ہمارا یہ برتاؤ ہے اور اس کی عظمت ہمارے دلوں میں ویسی نہیں ہے جیسی ہونی چاہئے، تو پھر اہل قرآن کی کہاں سے ہو، ان کو ہم اپنے سے افضل تو کیا سمجھتے بلکہ حقیر سمجھتے ہیں۔

بھلا اگر کوئی درویش بزرگ تمہارے پلنگ پر پائنتی کی طرف آکر بیٹھ جائے تو کیا تم سے یہ ہوسکتا ہے کہ تم سرہانے چڑھے بیٹھے رہو؟ ہرگز نہیں، اول تو تم ان کو دور ہی سے دیکھ کر کھڑے ہو جاؤ گے اور ان کے سرہانے تو ہرگز نہ بیٹھو گے کیونکہ تم ان کو اپنے سے افضل سمجھتے ہو۔

بس اگر اس حدیث خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ کے مطابق تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ حافظ قرآن بھی ہم سے افضل ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کا ادب ایسا نہیں کیا جاتا اور اگر ادب نہ کیا تھا تو ان کو حقیر بھی نہ سمجھا ہوتا۔ (التبلیغ ۲۱/۲۲۵)

حفظ قرآن پاک کی ضرورت

عقلی قواعد کی رو سے میں پوچھتا ہوں کہ آیا علوم دینیہ کا باقی رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ یقیناً اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ضروری ہے اور جب ضروری ہے تو چونکہ قرآن ان کا منبع ہے اس کا محفوظ رہنا بھی ضروری ہوگا ورنہ وہ کون سی صورت ہے کہ علم بدون الفاظ کے باقی رہے۔

اگر کہو کہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو سمجھو کہ اگر پڑھنا چھوٹ جائے تو قرآن کا لکھنا اور چھپنا اور فروخت ہونا سب چھوٹ جائے، قرآن کہیں بھی دستیاب نہ ہو یہ بات اس وقت ہلکی معلوم ہوتی ہے مگر ایک صدی کے بعد آپ دیکھئے گا کہ کیا حالت ہوگی اور اگر دستیاب بھی ہو تو صحیح لکھا جانا اور صحیح معلوم ہونا یہ سب اسی تلاوت اور حفظ کی بدولت ہے۔ اگر تلاوت بھی بالکل ترک کردی جائے اور لوگوں کے ذہن سے قرآن شریف اتر جائے اور پھر کسی لفظ یا آیت میں اختلاف ہو تو کون شخص فیصلہ کرے گا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ علوم دینیہ اگر باقی بھی رہیں تب بھی پڑھنا چھوڑ دینے کی صورت میں قرآن مجید کی صحت نہیں ہوسکتی۔

بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر حفظ کرنے کا سلسلہ بند ہوجائے اور پڑھنا پڑھانا چھوٹ جائے اور قرآن کے صحیح نسخے موجود ہوں تب بھی صحیح نہیں پڑھے جاسکتے (مثلاً) الـرا، (الم) جب تک کسی پڑھے ہوئے سے نہ پڑھا جائے ممکن ہی نہیں کہ الـــرا یا اس کے مثل دوسرے الفاظ کو صحیح پڑھ دیا جائے، آخر یہ کس طرح

معلوم ہوگا کہ تلفظ میں الف، لام، راء، علیحدہ پڑھے جائیں گے۔قرآن میں جا بجا تلاوت کی فضیلت آئی ہے اور حکم فرمایا گیا ہے اور تلاوت کرنے والوں کی مدح کی گئی ہے کیا یہ سب ترغیب اور حکم محض بیکار چیز پر ہے اگر سب کے سب دو تین سپارے ہی پڑھا کریں تو پھر قرآن کی حفاظت کیوں کر رہے گی اور سب ناظرہ ہی پڑھنے لگیں حفظ نہ کریں تو قرآن مسلمانوں کے پاس کیوں کر رہے گا؟ کیونکہ اس صورت میں اگر کوئی دشمن قرآن کے سب نسخے مسلمانوں سے چھین کر ضائع کر دے تو مسلمان قرآن سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔(التبلیغ ۲۱۴/۱۰، دعوات عبدیت ۷۰/۶)

ضرورت حفظ قرآن کی عجیب دلیل

ایک اور دلیل حفظ قرآن کے ضروری ہونے کی بیان کرتا ہوں اور یہ دلیل اس وقت کے مذاق کے اعتبار سے بہت عجیب دلیل ہے اس کے لیے اول دو مقدمے سنئے! پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جتنی ارضی وسماوی کتابیں ہیں ان میں کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ یاد ہو کر یاد رہ سکے۔اور اگر کسی نے یاد بھی کر لیا تو بہت بڑے حافظے کی ضرورت ہے۔اور قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جاتا ہے اور بہت تھوڑی عمر میں لڑکے اس کو حفظ کر لیتے ہیں، چنانچہ میرے ایک دوست نے تین ماہ سے بھی کم میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا، ایک مقدمہ تو یہ ہوا، اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں عقلاء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نیچر ہر زمانہ میں اس چیز کو پیدا کرتا ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ان کو شرعی اصطلاح میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہر زمانہ میں اس چیز کو پیدا کرتا ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے ان دونوں مقدموں کے بعد کہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ مادہ طبیعت میں ودیعت کیا ہے کہ قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جائے۔معلوم ہوا کہ فطرۃً اس کے حفظ کی ضرورت ہے

توصاحبو! اپنے نیچر (فطرت) کی مخالفت نہ کرو۔ (دعوات عبدیت ۶/۷۵)

حفاظ وقرّاء کی فضیلت

حافظ وقاری حق تعالیٰ کے یہاں کس قدر محبوب ومعزز ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے کلام کے پڑھنے والے اور اس کے محافظ ہیں پھر جس شخص کے ساتھ حق تعالیٰ کو محبت ہو اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا۔ ایک دنیا کا حاکم اگر کسی سے بات کر لیتا ہے تو اس کے دماغ آسمان پر پہنچ جاتے ہیں اور دیکھنے والوں کی نظر میں اس کی عظمت ہو جاتی ہے کہتے ہیں کہ یہ شخص حاکم کا منھ لگا ہوا ہے۔ حالانکہ دنیا کیا اور اس کی حکومت ہی کیا۔ خدا تعالیٰ کی شان تو بہت ارفع ہے، سو جس کی خدا تعالیٰ عظمت کریں اس کی عزت کا کیا ٹھکانا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ حفظ قرآن کتنی بڑی دولت ہے اسی طرح قرأت گو حفظ سے نہ ہو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے۔ (التبلیغ ۱/۱۱۵)

حفظ قرآن کی بڑی فضیلت ہے قیامت میں حافظ کی شفاعت سے ایک بڑی جماعت کی بخشش ہوگی اور اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سے آفتاب بھی ماند ہو جائے گا، اس سے اندازہ کر لو کہ خود حافظ کی کیا کچھ قدر ومنزلت ہوگی اس دولت کو ضرور حاصل کرنا چاہئے جن کے دو چار لڑکے ہوں وہ ان میں سے ایک کو حافظ بھی ضرور بنائے۔ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے کو حکم ہوگا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور چڑھتے چلے جاؤ، جہاں تمہارا قرآن رک جائے وہیں تم رک جاؤ وہی تمہارا درجہ ہے، مگر تعلیم یافتہ لوگوں کو اسکول کے درجوں کی ضرورت ہے جنت کے درجوں کی کیا ضرورت اس لیے قرآن پڑھنے کو بیکار سمجھتے ہیں۔

(التبلیغ ۱۰/۳۱۴)

حفظ کرنے سے کیا دماغ کمزور ہوتا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حفظ کرنے سے دماغ کمزور ہو جاتا ہے اس لیے ہم اپنے بچوں کو حفظ نہیں کراتے، کیونکہ کمزوریٔ دماغ کے بعد وہ کسی دوسرے کام کے نہیں رہتے، اس کے جواب میں ڈاکٹر کا قول نقل کر دینا کافی ہے۔ایک ڈاکٹر نے مجھ سے کہا ہے کہ دماغ صرف قوت فکریہ سے کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ حفظ دماغ کی اصل ریاضت نہیں وہ صرف زبان کی ریاضت ہے اور دماغ کی ریاضت غور وفکر ہے تو حفظ سے دماغ نہ تھکے گا اگر تھک سکتی ہے تو زبان، اور زبان تھکتی نہیں۔

دوسری بات انہوں نے یہ بھی کہی کہ قرآن اس وقت یاد ہو جاتا ہے کہ بچہ اس وقت تک کچھ بھی نہیں کر سکتا یعنی اس کے دماغ میں کسی کام کے کرنے اور غور وفکر کی قابلیت ہی نہیں ہوتی اور اگر زبردستی اس وقت کسی دوسرے کام میں لگا دیئے جاتے تو مضرتیں اٹھاتے ہیں، اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ دماغ کمزور ہو جائے گا تو میں کہتا ہوں کہ دماغ ساری عمر اپنے لیے اس کو صرف کیا جائے اور خدا تعالیٰ کے لیے دو چار سال بھی نہ دیئے جائیں۔ (دعوات عبدیت ۶/۹۹)

فصل (۴)

طلبہ کی قدر، محبت، فضیلت

فرمایا مجھے طالب علموں سے زیادہ محبت ہے، مریدوں سے اتنی نہیں، مجھ میں طالب علمانہ شان غالب ہے میں اپنے عیوب طالب علموں سے نہیں چھپاتا لیکن یہ نہیں چاہتا کہ مریدوں پر میرے عیوب ظاہر ہوں کیونکہ مریدی کا تعلق محبت ذرا سی محبت سے قطع ہو جاتا ہے کیونکہ عوام میں اس کی بنیاد اکثر خیال ہے اور وہ بدل گیا، اور

طالب علمی کا تعلق محبت قطع نہیں ہوتا کیونکہ وہ علم کی وجہ سے قائم ہے اور اطلاع عیوب کے بعد بھی علم تو اس شاگرد کا باقی ہے اور علم کے ہونے تک باقی ہے۔

(دعوات عبدیت ۱۹/۱۳۷)

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے یہاں بڑے عہدہ دار کوئی شخص مہمان آئے جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا کیونکہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے، ان کو ساتھ بیٹھا دیکھ کر دوسرے غریب طلبہ مہمان پیچھے کو ہٹے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ صاحبو! آپ لوگ ہٹ کیوں گئے۔ کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدہ دار میرے ساتھ بیٹھا ہے، خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں، جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اس کے سامنے ان کی کچھ وقعت نہیں چنانچہ سب غریب طلبہ کو بھی بٹھلا کر کھلایا۔ (دعوات عبدیت ۵/۳۳)

علم دین طلب کرنے کی فضیلت

کھانا جسمانی غذا ہے علم روحانی غذا ہے زندگی علم ہی پر موقوف ہے، علم دین حاصل کرنے میں ایک نفع یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اس سے حاصل ہوتی ہے، جو شخص طلب علم میں مرتا ہے اس کو شہید کا ثواب ملتا ہے، حق تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہونے کے واسطے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ (التبلیغ ۲۱/۱۶۹)

عالم کورس

عربی، فارسی کی فضیلت

اگر کہو کہ عربی ہی کی کیا ضرورت ہے تو میں کہوں گا کہ ترجمہ کبھی کامل نہیں ہوسکتا کیونکہ بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ ذووجوہ ہوتے ہیں (یعنی ان کے

کئی مطلب) اوران کی مختلف تفسیریں ہوتی ہیں اب اگر الفاظ کو نہ لیا جائے تو اس کی وہ حالت ہوگی جو کہ آج کل توریت وانجیل کی حالت ہورہی ہے کہ طالب حق کو اصل احکام معلوم ہی نہیں ہوتے معلوم ہوا کہ اصل الفاظ کا باقی رہنا نہایت ضروری ہے۔

(دعوات عبدیت ۶/۷۰)

یہ انتظام ضروری ہے کہ ایک معتد بہ جماعت ایسی بھی ہو جو ہر طرح علوم دینیہ میں کامل و محقق ہو اور عمر کا بڑا حصہ ان علوم کی تحصیل میں اور ساری عمر ان کی خدمت و اشاعت میں صرف کرے جس کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہو، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کا ذکر ہے ''وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَر '' تم میں ایک ایسی جماعت کا ہونا لازم ہے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکتی رہے۔

اور حدیثوں میں اصحابِ صفہ کی یہی مثال ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۲۱)

یہ فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ہر مقام پر ایسی جماعت موجود ہے کہ ان کی ضرورتوں کو پورا کرسکے تو سب مسلمان گناہ سے بچے رہیں گے، ورنہ سب مسلمان گناہ میں شریک ہوں گے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۱۹)

علم وعلماء کی فضیلت

العلماء ورثة الانبیاء ۔ (علماء انبیاء کے وارث ہیں) امام محمد کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا! جب میں درگاہ رب العزت میں حاضر ہوا مجھ سے فرمایا گیا کہ کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا **یا رب اغفرلی** اے میرے رب مجھے معاف کردے، ارشاد ہوا کہ اے محمد! اگر ہمیں تم کو عذاب دینا ہوتا تو تم کو یہ علم عطا نہ کرتے، تم کو ہم نے اپنا علم اسی لیے عطا کیا تھا کہ ہم

تم کو بخشنا چاہتے تھے۔

اسی سے بعض نے استنباط کیا ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ خدا کو کیا منظور ہے بجز علماء کے کیونکہ ارشاد ہے ''مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ'' اب سمجھ میں آ گیا کہ کتنی بڑی ضرورت اور کیسی فضیلت ہے علم دین کی کہ خدا تعالیٰ بدون اس کے بغیر خوش نہیں ہوسکتے، رضاء حق علم دین حاصل کرنے پر موقوف ہے۔

(حق الاطاعت، دعوات عبدیت ۴۲/۱۹)

علماء کی ضرورت

میں پوچھتا ہوں کہ آیا علماء کا قوم کے لیے ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ پھر اسلام کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بغیر علماء کے اسلام قائم نہیں رہ سکتا، کیونکہ کوئی پیشہ اس کے ماہرین کے بغیر چل نہیں سکتا یہ اور بات ہے کہ تھوڑی بہت معلومات دینی سب کو ہو جائیں، اور اس سے وہ کسی محدود وقت تک کچھ ضرورت رفع کریں مگر اس سے مقدار ضرورت کا بقا نہیں ہوسکتا، بقاء شئی کا ہمیشہ اس کے ماہرین سے ہوتا ہے تو ماہرین علماء کی ضرورت ٹھہری۔

پھر یہ ماہرین کیسے پیدا ہوں؟ سو تجربہ سے اس کی صرف یہی صورت ہے کہ ساری قوم پر واجب ہے کہ چندہ سے کچھ سرمایہ جمع کر کے علماء کی خدمت کر کے آئندہ نسل کو علوم دینیہ پڑھائیں اور برابر یہی سلسلہ جاری رکھیں سو عقلاً تو یہ بات واجب تھی کہ ساری قوم اس کی کفیل ہوتی، مگر ایک طالب علم بیچارہ آپ ہی ہر مصیبت جھیل کر تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا۔ تو چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس کی قدر کرتے، بجائے اس کی رہزنی کرتے ہیں کہ عربی پڑھو گے تو کھاؤ گے کیا؟ کیا مسجد کے مینڈھے بنو گے، ہاں صاحب حب دنیا کا کتا بننے سے اچھا ہے۔ (دعوات عبدیت)

عالم کی مثال

عالم کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ اس کے طلوع ہوتے ہی نصف کرہ زمین (پوری زمین کا آدھا حصہ) منور ہو جاتا ہے، اور ظلمت بالکل جاتی رہتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیندار عالم ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے تابع بن جائے، اس کی صفت یہ ہو کہ ''لَایَخَافُوْنَ فِی اللہِ لَوْمَۃَ لَائِم '' اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ (دعوات عبدیت، وعظ طریق النجاۃ: ۱۲/۵۳)

دنیاوی امن وامان اور سلامتی کے لیے بھی علماء کی جماعت کا ہونا ضروری ہے

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً وَّلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا۔ دعا دونوں معنی میں استعمال ہوتی ہے، اس آیت میں اگر عبادت کے معنی لیے جائیں تب خلاصہ یہ ہوگا کہ اول بھی عبادت کا حکم ہے اور بعد میں بھی اور درمیان میں فساد کی ممانعت ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادت نہ کرنا فساد ہے۔ قرآن شریف اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ عبادت کا ترک کرنا موجب فساد فی الارض (یعنی زمین میں فساد کا ذریعہ) ہے اور انتظامِ عبادت کو اصلاح فی الارض فرمایا ہے تو آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عبادت یعنی دین نہ ہونا موجب فساد ہے، اب میں اس کو مشاہدہ سے ثابت کرتا ہوں۔

دین حقیقت میں چند چیزوں کے مجموعے کا نام ہے اور وہ پانچ چیزیں ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، آداب معاشرت، اخلاق باطنی۔

اصلاح فی الارض میں جدا جدا ہر ایک کا دخل ہے، مثلاً معاملات کا اثر امن

عام میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ معاملہ کے احکام کا حاصل حقیقت یہ ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ کیا جائے پس معاملات کو اتفاق میں بڑا اثر ہے۔

اور مثلاً اخلاق میں جھوٹ نہ بولنا، ہمدردی کرنا خودغرضی نہ کرنا سب داخل ہے، اور یہ اصول تمدن میں بہت بڑی چیز ہے جن پر تمام دنیا کا دار و مدار ہے۔ اور واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ اخلاق دو شخصوں میں پائے جائیں، جن میں ایک تو توحید و رسالت کا قائل ہو، اور دوسرا اس کا قائل نہ ہو، تو یقیناً دونوں میں بہت بڑا فرق ہوگا، یعنی منکر توحید میں یہ اخلاق محدود العمر ہوں گے اس طرح سے کہ جب تک ان اخلاق پر عمل کرنے سے اس کے دنیاوی منافع فوت نہ ہوں، یا ان کے خلاف کرنے سے رسوائی کا اندیشہ ہو، اس وقت تک تو ان اخلاق پر عمل کیا جائے گا اور اگر ایسا موقع آ پڑے کہ ان اخلاق پر عمل کرنے سے دنیوی ضرر ہوتا ہو اور ان کے خلاف کرنے میں بدنامی کا اندیشہ نہ ہو تو اس منکر توحید و رسالت کو کبھی ان اخلاق کی پرواہ نہ ہوگی۔ البتہ جو اخلاق کی تعلیم کے ساتھ خدا اور قیامت کا بھی قائل ہے وہ اس سے بچ سکتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں یہاں بچ بھی گیا تو مجھے قیامت میں ضرور ہی خمیازہ بھگتنا پڑے گا، عمل کا دخل لیجئے! سب کو معلوم ہے کہ اخلاق میں چیز تواضع ہے اس کے نہ ہونے سے تمام عالم میں فساد پھیلتا ہے کیونکہ فساد کی جڑ ہے نااتفاقی اور نااتفاقی تکبر سے پیدا ہوتی ہے، اگر تکبر نہ ہو تو نااتفاقی کی کوئی وجہ نہیں تو اتفاق کے لیے تواضع پیدا کرنے اور تکبر کو مٹانے کی ضرورت ہے، اور تواضع کی عادت نماز سے خوب ہوتی ہے نفس کا خاصہ ہے کہ اگر اس کو کہیں ذلت نہ سکھلائی جائے تو اس میں فرعونیت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز میں اول ہی سے اللہ اکبر کی تعلیم ہے تو جس کے دل میں خدا کی عظمت ہوگی وہ اپنے کو چیونٹی سے بھی مغلوب اور ناتواں سمجھے گا کیونکہ بڑوں کے سامنے ہوتے ہوئے چھوٹوں پر بھی حکومت نہیں

رہتی، تو اللہ اکبر کی وہ تعلیم ہے کہ اس سے تکبر کی بالکل جڑ کٹ جاتی ہے۔

علیٰ ہذا قوت بہیمیہ سے سینکڑوں فساد لڑائی جھگڑے دنیا میں ہوتے ہیں اور روزے سے قوۃ بہیمیہ ٹوٹتی ہے۔

اسی طرح زکوۃ کے لینے والے کے علاوہ دوسروں کو بھی زکوٰۃ دینے والے کے ساتھ محبت ہوتی ہے دیکھو حاتم طائی سے سخاوت کی وجہ سے سب کو اس سے محبت ہے اور اتفاق کی جڑ محبت ہے، تو زکوٰۃ کو اتفاق میں کتنا بڑا دخل ہے۔

علیٰ ہذا حج پر غور کیجئے کہ اس میں سارے دنیا کے آدمی ایک شغل میں ایک زمانہ میں ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں اور تمام سامان تکبر سے خالی ہو کر ایک عظیم الشان دربار میں حاضر ہوتے ہیں جس کو اتحاد و اتفاق میں بہت بڑا دخل ہے۔ چنانچہ وہاں بہت کم حادثے پیش آتے ہیں۔

اب رہی معاشرت سو تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جتنے طریقے ناجائز ہیں، سب کے سب وہی ہیں جن سے تکبر ٹپکتا ہے مثلاً ناجائز وضع سے شریعت نے منع کیا ہے۔

ہر چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے اسی طرح اعمال میں بھی ایک خاصیت ہے اور عقائد میں بھی اور معاشرت میں بھی اور وہ یہ ہے کہ ان سب سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے اس کی وہ حالت ہوتی ہے ''**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده**'' (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے لوگ محفوظ ہوں) اب یہ بھی سمجھو کہ اطاعت ایک عمل ہے اور عقلی مسئلہ ہے کہ عمل بغیر علم کے ہو ہی نہیں سکتا تو امن عالم کے لیے علم دین کی ضرورت ہوئی اور اس کے حامل علماء ہیں تو اب بتلاؤ کہ یہ جماعت دنیا میں سب سے زیادہ ضروری ہوئی یا نہیں، میں نے کوئی شاعری نہیں کی نہ کسی کی طرف داری کی، امید ہے کہ اس بیان سے

حقیقت حال منکشف ہوگئی ہوگی۔(دعوات عبدیت، ضروۃ العلماء ۱۱/۴۸)

علماء کے وجود سے دنیا قائم ہے

اس سے اس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا ''**لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض الله الله**''یعنی جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے قیامت نہ آئے گی۔(مشکوۃ شریف)

اور مختصر وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام طاعت ہے اور کفر بغاوت ہے تو دنیوی سلطنتوں کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی شہر میں باغی زیادہ ہوں تو شہر پر توپ خانہ لگا دیا جاتا ہے، خدا تعالیٰ بھی اگر یہی کرتے تو اکثر اوقات توپ لگے ہوتے۔مگر یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے یہ قانون مقرر کیا کہ اگر کُل باغی ہوں مگر صرف ایک غیر باغی ہو تو اس کی بدولت تمام عالم محفوظ رہے گا۔ہاں جب بغاوت عام ہو جائے اس وقت پھر ہلاکت بھی عام ہوگی (یعنی قیامت آ جائے گی) اور یہیں سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ بہت سے لوگ جن کو آپ حقیر سمجھتے ہیں وہ آپ کی بقاء کے سبب ہیں۔

(دعوات عبدیت، ضرورۃ العلماء ۱۱/۸۳)

قومی ترقی کے لیے علم دین ضروری ہے

افسوس ہے کہ آپ کے ہم وطن ہندوؤں نے تو تعلیم کے اہم ہونے کو محسوس کیا کہ ان میں بکثرت لوگ امتحان سے فارغ ہو کر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک بڑی جماعت سررشتہ تعلیم (سرکاری تعلیم کا محکمہ) میں داخل ہو اس لیے کہ سب شاخیں اسی کی فروع ہیں تو تعلیم میں دخیل ہونا ذریعہ ہے ترقی قومی کا مگر ہم کو اب تک اس کی خبر نہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو عاقل سمجھے ہوئے ہیں، تعلیم کی حالت دوسرے کاموں کے مقابلوں میں ایسی ہے جیسے انجن کا پہیہ کہ اس کے چکر سے (اور اس کی حرکت

کرنے سے) پوری گاڑی کو حرکت ہوتی ہے، اگر اس کی حرکت بند ہو جائے تو تمام گاڑیوں کی حرکت بند ہو جائے ۔مگر اس کی ضرورت کا احساس لوگوں کو نہیں ہوتا، درس و تدریس سب محکموں کی روح ہے خواہ تقریر ہو خواہ تحریر خواہ تصنیف سب اسی تعلیم کی فرع ہیں، مگر اس وقت سب سے زیادہ اسی کو بیکار سمجھ رکھا ہے، عام طور سے لوگوں کی نظر میں علماء کی وقعت کم ہے۔ (ضرورت علماء، دعوات عبدیت ۴۹/۱۱)

علماء کرام دنیوی فلاح کا بھی ذریعہ ہیں

میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء دنیا بھی سکھلاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ تاریخ اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی دنیا دین کے ساتھ درست ہوتی ہے یعنی جب ان کے دین میں ترقی ہوتی ہے تو دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے اور جب دین میں کوتاہی ہوتی ہے تو دنیا بھی خراب ہو جاتی ہے تو جب ہم دین سکھلاتے ہیں معاملات معاشرت اخلاق کو درست کرتے ہیں تو گویا ہم دنیا کی ترقی کی تدابیر بھی بتلاتے ہیں۔

(طریق النجاۃ، دعوات عبدیت ۲۶/۱۲)

باب (۲)

فصل (۱)

مدارس کا بیان

مدارس دینیہ بقاء اسلام کی صورت ہیں

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت علوم دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں (یعنی اس سے زائد کا تصور نہیں) دنیا میں اگر اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں، کیونکہ اسلام نام ہے خاص عقائد واعمال کا جس میں دیانات، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب داخل ہیں، اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم پر اور علوم دینیہ کا بقاء ہر چند کہ فی نفسہ مدارس پر موقوف نہیں مگر حالات وقت کے اعتبار سے ضرور مدارس پر موقوف ہے۔

(حقوق العلم ص:۸۴، تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۶۶)

مدارس دینیہ کی اہمیت

فرمایا جیسے جیسے آزادی اور الحاد وبے دینی پھیلتی جارہی ہے اسی طرح میرے خیال میں مدارس دینیہ کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص:۱۰۱)

تبلیغ واشاعتِ دین کے لیے مدارس بہت ضروری ہیں

یہ شبہ نہ ہو کہ جب انبیاء علیہم السلام نے مدرسہ نہیں بنایا تو بیکار ہیں، یہ بیکار نہیں ہیں یہ نماز کے لیے بمنزلہ وضو کے ہیں کہ جس طریقہ سے نماز کے لیے وضو ضروری ہے اسی طرح تبلیغ واشاعت کے لیے مدارس کا وجود ضروری ہے۔

(التبلیغ ۲۰/۲۳)

مدارس کی ضرورت کیوں پیش آئی

وہاں تو مدارس کی اس لیے ضرورت نہ تھی کہ علوم کا محفوظ رہنا عادۃً ان پر موقوف نہ تھا، علوم سماع (سننے) سے محفوظ تھے اور رات دن ان کی تبلیغ واشاعت ہی سے کام تھا مگر اب نہ تو سلف کا سا تقویٰ رہا نہ حافظہ رہا، اگر ایسے ہی رہنے دیا جاتا تو یہ اطمینان نہ تھا کہ سنے ہوئے مسائل یاد رہیں گے۔ دوسرے تقویٰ کی کمی سے دیانت بھی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، اس حالت میں یہ بھی اعتماد نہ تھا کہ جو نقل کرتا ہے یہ ٹھیک بھی ہے یا اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی کر رہا ہے، جب یہ آثار ظاہر ہونے لگے تو سلف صالحین کو توجہ ہوئی کہ دین ضبط کرنا چاہئے، چنانچہ حدیثوں سے احکام مستنبط کر کے مدون کر دیئے کہ احکام سمجھنے میں گڑبڑ نہ ہو، تو تبلیغ واشاعتِ دین کے لیے علم صحیح کی ضرورت تھی اور اس کے محفوظ رہنے کے لیے کتابوں کے لکھے جانے کی ضرورت ہوئی پھر یہ ضرورت ہوئی کہ ایک باقاعدہ جماعت ہو، جن کا کام صرف اس طریقہ سے دین کی حفاظت ہو، اس کے لیے پڑھانے والوں کی ضرورت ہوئی۔ اور اس کی ایک تو یہ صورت تھی کہ جہاں موقع مل گیا کسی سے پوچھ لیا راستہ میں کسی سے ایک سطر، کسی سے دو سطر حل کر لیں تو اس طرح باقاعدہ تحصیل نہیں ہو سکتی، اس لیے مستقل جماعت کی ضرورت ہوئی کہ وہ ہر وقت اس کے لیے تیار رہیں، جو ان سے

پوچھنے آئے اسے قاعدہ سے بتائیں پھر اس جماعت کے لیے سامان فراغ کی ضرورت ہوئی کہ کھانے پینے رہنے سہنے کا ان کے لیے کافی انتظام ہو اس طرح مدارس کی ضرورت پیدا ہوگئی۔ (الدعوۃ الی اللہ التبلیغ ۲۰/۲۳،۲۴)

مدارس کا مقصود اور غرض وغایت

مہتممین اور منتظین کی ظاہری حالت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بس مدرسہ سے عزت اور جاہ مقصود ہے کیونکہ مدرسہ نہ رہا تو اہتمام اور حکومت نہ رہے گی، بھلا جب خدا و رسول کی رضامندی حاصل نہ ہوئی تو مدرسہ کا وجود وعدم سب برابر ہے، بلکہ بعض اعتبار سے عدم ہی بہتر ہے۔ میرے عزیزو! تم کیوں پریشان ہوتے ہو، مدرسہ مقصود نہیں، حق جل وعلا کی رضامندی مقصود ہے اس کے بہت سے طرق ہیں، منجملہ ان کے ایک مدرسہ بھی ہے، اگر مدرسہ رہے، کام کئے جاؤ اور اگر نہ رہے کسی اور جگہ بیٹھ کر کام کرنا۔

جب مدرسہ کا اجراء اشاعت دین ورضا خدا کے واسطے ہے تو حدود سے آگے قدم نہ بڑھانا چاہئے حق کی شان ہے۔ **الحق یعلوا و لایعلی** ۔دل میں یہ پختہ نیت کرلو، جب تک یہ کام حدود شرعیہ کے تحت میں رہے تو کریں گے اور جس دن نہ رہا اسی دن چھوڑ دیں گے۔ (ملفوظات جدید ملحوظات ص:۴۷)

حضرت تھانویؒ کے خانقاہ نما مدرسہ کا ایک مقصد

فرمایا: اس مدرسہ (حضرت تھانویؒ کا مدرسہ مراد ہے جو تھانہ بھون خانقاہ میں قائم تھا، اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس مدرسہ) کے متعلق میرے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ طالبین خدا کے ہوجائیں عالم اصطلاحی بنانا منظور نہیں ہے، امتحان کے اچھے برے ہونے پر مجھے خیال نہیں ہوتا اگر کوئی کوتاہی کرے گا خدا کے یہاں اس کا مواخذہ ہوگا۔ (حسن العزیز ۲/۱۸۰)

علمی کمال اور استعداد کے نہ ہونے کے باوجود مدرسہ میں پڑا رہنا فائدہ سے خالی نہیں

مدارس اسلامیہ میں بیکار پڑے رہنا بھی انگریزی میں مشغول ہونے سے لاکھوں کروڑوں درجے بہتر ہے، اس لیے گو لیاقت اور کمال حاصل نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو خراب نہ ہوں گے، اور مسجد کی جاروب کشی اس وکالت اور بیرسٹری سے بہتر ہے جس سے ایمان متزلزل اور خدا اور رسول، صحابہ اور بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو جو انگریزی کا اس زمانہ میں اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے۔ ہاں جس کو دین کے جانے کا غم نہیں وہ جو چاہے کرے۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۷۸)

اختلاف وفسادات کے باوجود مدارس کا وجود غنیمت اور ضروری ہے

جتنے مفاسد لکھے گئے (تنافس، تحاسد، تصادم، تباغض وغیرہ) ان سے ان مدارس کو بیکار نہ سمجھا جائے اس حالت میں بھی ان سے جو کچھ دین کا نفع ہے اس کے اعتبار سے ان کا وجود نہایت غنیمت اور ضروری ہے۔ اس حال میں (بھی) سب مسلمانوں پر ان کی خدمت واجب ہے البتہ اصلاح میں حتی الوسع سعی کریں۔

(حقوق العلم ص:۹۱)

اس حالت میں بھی یہ رائے نہیں دوں گا کہ مدرسہ موقوف کردیا جائے، مدرسوں کا وجود خیر عظیم ہے یہ موقوف نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے مگر اعتدال سے تو نہ گذرے۔ (حسن العزیز ۱/۵۰۹)

نام کے مدارس بھی کام کے اور ضروری ہیں

عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسے تو اب نام ہی کے رہ گئے ہیں ان سے کچھ نفع نہیں، حضرت نے فرمایا کہ نہیں صاحب میں بالکل اس کے خلاف ہوں، مدارس کا وجود خیر کثیر اور بڑی برکت کی چیز ہے۔ اس پر مجھے شیخ سعدی کی حکایت بہت ہی پسند ہے لکھا ہے کہ ایک شہزادہ کے تاج کا لعل (ہیرا) کسی شکارگاہ میں کھو گیا اور رات کا وقت ہو گیا تھا تلاش سے نہیں ملا، اس نے خدام کو حکم دیا کہ یہاں کے سب کنکر و پتھر جمع کر کے لے چلو، اطمینان سے تلاش کر لینا۔ چنانچہ انہیں میں سے لعل نکل آیا اسی طرح ان مدارس میں ایسے ایسے لوگ نکل آتے ہیں جو سارے دین کا کام سنبھال لیتے ہیں۔ (مزید المجید ص:۴۹)

خدا نہ کرے کہ وہ دن بھی آئے کہ یہ مدرسے بھی نہ رہیں

فرمایا: آج کل مدارس میں عمارتیں بڑی بڑی ہیں مگر اصل چیز علم و عمل مفقود ہے پھر فرمایا کہ یہ بھی غنیمت ہے جو کچھ ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے خدا نہ کرے وہ دن آئے جب یہ لوگ بھی نہ ہوں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا ایسا وقت بھی آئے گا؟ فرمایا ضرور آئے گا مگر اس میں بھی ایک جماعت اعلاء کلمۃ الحق کرتی رہے گی۔ (الافاضات ۲/۲۱۶)

فصل (۲)

مدارس کی اعانت کرنا

عوام مدارس کے محتاج ہیں

میں نے میرٹھ میں جلسہ میں کہا تھا کہ تم علماء کو اپنا محتاج سمجھتے ہو تو ان کو (چندہ) دینا بند کردو، جلسہ کر کے سب لوگ اتفاق کر کے اپنی امداد روک لو، الحمدللہ ہم کو کچھ پرواہ نہیں، ہم میں سے کچھ چاول کی دکان کرلیں گے کچھ آٹا، دال کی کچھ اور چیزوں کی مگر اس حالت میں تم اپنی اور اپنی اولاد کی فکر کرو، پچاس سال بعد تمہاری اولاد کا کیا حشر ہوگا، کچھ یہودی ہوگی، کچھ نصرانی، کچھ آریہ، معاذ اللہ کیونکہ ان آفات سے مانع تعلیم ہے اور اس صورت میں (یعنی مدرسہ نہ ہونے کی صورت میں) علماء تعلیم کے لیے فارغ نہ ہوں گے۔ (کلمۃ الحق ص:۳۷)

مدرس کی عمارت (دارالاقامہ) کی فضیلت

انفاق مالی مصارف کا فیصلہ یہ ہے کہ مفید انجمنیں مدرسے مسجدیں وغیرہ ہیں سب ضروری مگر جس وقت جو مصرف زیادہ ضروری ہو وہ زیادہ قابل توجہ ہے۔ اس وقت دارالطلبہ کی بڑی ضرورت ہے۔

اس دارالطلبہ کے باب میں حدیث میں ہے ''اَوْ بَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بنَاہُ'' اگرچہ وہ ابن السبیل (یعنی مسافر) فاسق ہو پھر بھی اس کے لیے گھر بنانے میں ثواب ہوگا چہ جائیکہ وہ طالب علم ہوں جو کہ اضیاف (مہمان ہو) ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے پھر یہ بھی نہیں کہ یوں ہی سکوت رکھیں بلکہ **قال اللہ وقال الرسول** کا شغل رکھیں، اس کے برابر کوئی شغل ہی نہیں، حدیث میں ہے **"الدنیا ملعون وما فیھا ملعون الا ذکر اللہ وما والاہ او عالم او متعلم"** (دنیا ملعون ہے اور اس میں جو کچھ بھی ہے وہ سب ملعون ہے سوائے ذکر اللہ کے اور سوائے معلم اور طالب علم کے یا اس کے متعلقات کے) تو علم دین ذکر اللہ بھی ہے اور اس میں عالم اور متعلّم بھی جمع ہیں۔ (تجارت آخرت ص:۶۹)

مدرسہ واہل مدرسہ کی اعانت کرنا صدقہ جاریہ ہے

کوئی صاحب قلیل کثیر کا خیال نہ کریں، یہ صدقہ جاریہ ہے جتنا ہو سکے اس کی شرکت کو غنیمت سمجھیں، اور صدقہ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی سبیل ہو کہ کوئی شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ہی کہہ کر بخش دے بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی احتیاج ظاہر کرتے ہیں۔ یہ صدقہ جاریہ اس وقت کام دے گا۔

نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کیے جائیں گے اور دیکھے گا کہ میرے پاس کافی نیکیاں نہیں اس وقت جب ورق الٹا جائے گا تو دیکھے گا کہ کسی جگہ بخاری شریف کا ثواب لکھا ہوا ہے، کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہوا ہے علی ہذا۔ اگر آج سے ہزار سال بعد قیامت آئے اس وقت تک جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی مرتبہ مسلم شریف پڑھا دی جائے گی، برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہے گا اور قیامت کے روز انتہائی پریشانی کے وقت انشاء اللہ تعالیٰ کہا جائے گا کہ تم نے جو دارالطلبہ کی تھی مثلاً مدد کی تھی آج اس کی بدولت تم کو ثواب کی پوٹری مل رہی ہے، اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ یا دو روپیہ دینے میں کیا عظیم نفع حاصل ہوا۔

خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آتی ہے۔

(تجارت آخرت ص:۱۷)

اہل مدارس کی اعانت کرنا عوام پر لازم ہے

آپ ان کا خیال رکھیں آپ کے ذمہ ان کی خدمت ضروری ہے کیونکہ وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، دین کی حفاظت سب مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے تو یہ سب مسلمانوں کا کام ہے جو لوگ علم دین کی تعلیم و تعلّم میں لگے ہوئے ہیں وہ سب مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ کو ادا کر رہے ہیں، اگر یہ لوگ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں تو پھر یہ کام ہر شخص پر فرض ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی اس کام کو انجام نہ دیا تو سب گنہگار ہوں گے۔ لوگوں کو ایسے مدارس کے مہتممین کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ انہوں نے اس فرض کفایہ سے سب کو سبکدوش کر رکھا ہے، پس یہ تو ثابت ہو گیا کہ جو لوگ علم دین میں مشغول ہیں، وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اور تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ علم دین کے ساتھ کسب معاش کا کام نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی ایسا کرنا بھی چاہے تو اس کو علم دین کامل طور پر حاصل نہ ہو گا، ایک آدمی ایک زمانہ میں ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن کے لیے پورے انہماک کی ضرورت ہو۔ اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ ملائیے کہ شریعت کا قانون ہے کہ جو شخص کسی کے کام میں محبوس ہو اس کا نفقہ اسی کے ذمہ واجب ہے جس کے کام میں وہ محبوس ہے۔ چنانچہ قاضی کی تنخواہ سب مسلمانوں کے ذمہ اسی لیے ہے کہ وہ ان کے کاموں میں محبوس ہے، بیت المال سے ملنا گویا سب مسلمانوں کے پاس سے ملنا ہے۔ اسی قاعدہ سے اہل علم کا نفقہ سب مسلمانوں کے ذمہ ہے، ان کو خود ان کی خدمت کرنا چاہئے اگر ہم خدمت نہ کریں گے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ہمارے نزدیک تعلیم و تعلّم کی کچھ وقعت

نہیں۔(التبلیغ ۲۳۸/۲۱)

جس وقت تک بیت المال منتظم تھا، بیت المال سے وصول ہوجانا عام مسلمانوں سے وصول ہوجانے کی صورت تھی چنانچہ فقہاء نے قضاۃ وعلماء ومفتین و امثالھم کی کفالت کا بیت المال میں سے ہونا تصریحاً لکھا ہے اور جب سے بیت المال منتظم نہیں رہا، اب اس کی صورت صرف یہی ہے کہ سب مسلمان متفق ومجتمع ہوکر تھوڑا تھوڑا سب ان حضرات کی خدمت بطور کفالت کریں خواہ مدرسہ کی شکل میں جس میں تنخواہیں اور وظیفے مقرر ہوتے ہیں خواہ توکل کی صورت میں جس میں کوئی مقدار معین نہیں، جب اس کا انتظام قوم پر واجب ہے تو اگر ان کی خدمت میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی۔(اصلاح انقلاب طبع جدید ۱۹۲/۲)

مدارس میں اعانت کی ترغیب اور اس کی صورتیں

جو شخص جتنا کام کررہا ہے غنیمت سمجھو کیونکہ وہ فرض کفایہ ہے وہ تم سب کی طرف سے کررہا ہے، سو جن باتوں میں تمہاری ضرورت ہے ان میں تم بھی شریک ہوجاؤ۔

(۱) مثلاً جو صاحب وسعت ہیں وہ اس طرح شرکت کریں کہ کچھ طالب علم یہاں باہر کے بھی ہیں وہ صرف طلبِ علم کے لیے آئے ہیں، ان کی امداد میں بڑی فضیلت ہے۔ان سے مدرسہ کی رونق ہوتی ہے۔مدرسہ میں اگر ان کی گنجائش بھی ہو تو ثواب کے لیے ایک ایک آدمی کا کھانا اپنے ذمہ کرلیں، یا دو دو آدمی ایک کا کھانا کرلیں، یا بعض غرباء کی طرح سات آدمی ہفتہ بھر میں نوبت بنوبت کھانا دیں۔ غرض اہل بستی کوئی مشورہ کر کے کوئی طریق مقرر کرلیں۔

(طلب العلم ملحقہ دعوات عبدیت ۱۵۸/۹)

(۲) آسان تدبیر ہے کہ روزانہ جب کھانا پکانے بیٹھو تو آٹے کی ایک چٹکی نکال کر علیحدہ کسی برتن میں ڈال دیا کرو۔

(۳) اسی طرح جب روپئے پیسے لو تو اس میں سے ایک پیسہ نکال کر مدرسہ کے لیے رکھ دیا کرو۔ اس میں بستی کے ہر ایک شخص کو شریک کرو۔

(دعوات عبدیت، وعظ ازالہ الغفلۃ ۱۰/۱۲۵)

(۴) جو پردیسی طلبہ تعلیم و تعلّم میں مشغول ہیں ان کے کھانے کپڑے کا انتظام اپنی اولاد کے برابر کرو، جو لوگ صاحب وسعت ہیں وہ ایک طالب علم کا کھانا بھیج دیا کریں طلبہ سے یہ مت کہو کہ وہ تمارے گھر پر آ کر کھانا کھا لیا کریں اس میں ان کی تحقیر ہے، بلکہ تم خود اپنے ملازم یا اپنے لڑکے کے ہاتھ ان کے لیے کھانا بھجواؤ۔

(۵) جب گرمی جاڑے میں اولاد کے واسطے کپڑے بناؤ ایک دو جوڑا طلبہ کے واسطے بھی بنادو، پہلے زمانہ میں سلاطین (بادشاہ) ان کی خدمتیں کرتے تھے جس سے ان میں حرص طمع کا مادہ پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ بے مانگے سب کچھ مل جاتا تھا اور عزت کے ساتھ مل جاتا تھا۔ (التبلیغ ۲۱/۲۱۷)

طلبہ کی امداد کرنے کی فضیلت

طالب علم کو کھانا کھلانا یا امداد کرنا کثیر الثواب ہے اگر چہ صورتاً عبادت نہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کس قدر ثواب ہے مثلاً آپ نے ایک طالب علم کو کھانا کھلایا جس نے بدل ما یتحلل کا کام دیا (یعنی اس سے غذائیت حاصل ہوئی) اور اس نے مطالعہ وحفظ سبق کی قوت پیدا کی اور اس قوت سے اس نے کام لے کر ایک سبق یاد کیا اور اسی طرح مسلسل سات آٹھ برس تک یہ کرتا رہا اور اس مدت میں فراغت حاصل کر کے اس قابل ہو گیا کہ دین کی خدمت کرے، اور اس

نے دین کی خدمت شروع کردی پس یہ خدمت اسی مدد اور طعام کی بدولت ہے جو آٹھ برس تک اس کو پہنچتی رہی۔ اور اس خدمت دین کا ثواب ان سب لوگوں کو ملے گا جو اس کی امداد میں شریک رہے، لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے اور ان کے پاس جب کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے اور ان کو خدا کی راہ میں دینے کا کچھ خیال پیدا ہوتا ہے تو مسجد بنواتے ہیں۔ (دعوات عبدیت ۵۳/۹)

مدارس میں طلبہ کو کتابیں دینا

لوگ قرآن کے وقف کرنے کو بہت ثواب سمجھتے ہیں (فقہ کی کتاب) ہدایہ وقف کرنے کو کوئی ثواب نہیں سمجھتا اگرچہ لینے والا قرآن کو پڑھے بھی نہ، کیونکہ قرآن اس قدر طبع ہو گئے ہیں کہ کوئی ان کو پڑھتا بھی نہیں، ہر عمل اپنے آثار اور غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے، ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہئے لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے۔ (دعوات عبدیت ۵۶/۹)

قرآن شریف کی خدمت کے طریقے

علماء کے زمرہ میں شامل ہو جانے کا نسخہ

خود پڑھو دوسروں کو پڑھاؤ، اس میں مدد کرو، علماء کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ۔ **الدال علی الخیر کفاعله**۔ یعنی نیک کام کا بتانے والا بھی کرنے والے کے حکم میں ہوتا ہے، بتا دینا ذرا سی امداد ہے جب اس کا یہ حکم ہے تو پوری امداد کرنے والے کا حکم ظاہر ہے، روپئے سے مدد کرو، بہت سے کام ایسے ہیں کہ روپئے سے ہوتے ہیں، اس میں روپئے سے شریک ہو، اگر کسی کے پاس روپئے نہ ہوں اور ہاتھ پاؤں سے بھی مدد نہ دے سکے تو دعا سے مدد کرو کہ اللہ میاں اس میں سعی کرنے والوں کی مدد

فرمائیں، یہ تو کہیں نہیں گیا اس سے تو کوئی بھی معذور نہیں۔غرض ہر طرح کی مدد کرو اوراس کا خیال رکھو کہ آپس میں اختلاف نہ کرو، سب مل کر خلوص سے کام کرو، یہ قرآن شریف کی خدمت ہے۔ (دعوات عبدیت ۳/۷۰)

عوام کو اگر مدرسہ والوں پر کسی قسم کا اعتراض ہو تو اس کی اصلاح کا طریقہ

آج کل تو یہ مرض ہے کہ چندہ دے کر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہم مدرسہ کے مالک ہیں، اور جو لوگ اس خیال سے بچنا چاہتے ہیں بسا اوقات ان کو بھی رائے دیتے وقت اشتباہ ہوجاتا ہے کہ عیب جوئی کو نصیحت سمجھتے ہیں، پھر نصیحت کی صورت میں عیب جوئی میں پڑ جاتے ہیں، اس سے بچنے کا طریقہ بتائے دیتا ہوں کہ آپ کے نزدیک جو بات قابل اعتراض ہو اس کو علی الاعلان پھیلاتے نہ پھریئے، خلوت میں مہتمم یا کسی مدرسہ پر ظاہر کیجئے پھر یہ انتظار کیجئے کہ ہمارے کہنے کے موافق ہی ہوجائے، اس طرح آپ ناصحین میں شمار ہوں گے، اور عیب جوئی سے بچ جائیں گے، خلاصہ یہ کہ رائے دو اور انتظام میں دخل نہ دو، مدرسہ کو اللہ میاں کا کام سمجھ کر کرو، اپنا مت سمجھو، یہ وہ گُر ہے کہ اگر اس کا سب لوگ خیال کریں تو کوئی بھی خرابی پیدا نہ ہو۔

(دعوات عبدیت، وعظ حقوق القرآن ۳/۶۰)

اعانت کر کے مدرسہ میں دخل اندازی مت دو

آج کل یہ بھی ایک خبط ہوگیا ہے کہ ہر چندہ دینے والے کا یہ حوصلہ ہے کہ میری رائے کیوں نہیں لی جاتی، میں انضباط قواعد کا راز بتائے دیتا ہوں کہ ہر شخص کی رائے لینا کیوں مناسب نہیں، سنئے دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں ایک آلات و ذرائع

دوسرے مقاصد، مقاصد مقصود بالذات ہوتے ہیں، اور آلات ذریعہ ہونے کی وجہ سے مقصود ہوتے ہیں، خود مقصود نہیں ہوتے۔ یہ صرف اس واسطے ہیں کہ درس کا انتظام رہے گا تو گویا یہ درس کے آلات ہیں، اور مقصود اصلی درس ہے۔ اب میں ایک مثال میں پوچھتا ہوں کہ بڑھئی کا کام جاننے والا بڑھئی کے اوزاروں کی تعداد اچھی طرح جان سکتا ہے یا کوئی بہت پڑھا لکھا قابل آدمی؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بڑھئی ہی جان سکتا ہے، بس افسوس ہے کہ بڑھئی کے آلات کے انتخاب کے لیے تو بڑھئی کی ضرورت ہے اور دیگر بڑے بڑے علوم کی قابلیت کچھ کام نہیں آئی، اور علم دین کے انتخاب کے لیے علماء کی ضرورت نہیں اور ہر چھوٹے سے چھوٹے علم کی قابلیت رکھنے والا اس میں رائے دینے کے لیے کافی ہے۔ علماء کو ان کے کام میں ان کی رائے پر چھوڑ دو، وہی درس کرتے ہیں (یعنی اسباق پڑھاتے ہیں) وہی اس کی ضروریات کو سمجھ سکتے ہیں، قواعد کے انضباط میں ہر کس و ناکس کی رائے محض اس وجہ سے کہ چندے میں شریک ہیں لینے کی ضرورت نہیں۔

(دعوات عبدیت، وعظ حقوق القرآن ۵۴/۳)

فصل (۳)

مدرسہ کی بنیاد ڈالنے کا طریقہ

تم اپنا کام شروع کردو، لڑکے لے کر بیٹھ جاؤ اور پڑھانا شروع کردو، (انہوں نے) کہا کہ حضرت کیا ویرانہ میں پڑھانا شروع کردوں؟ فرمایا ہاں! ویرانہ ہی میں لڑکوں کو ا، ب، ت۔ پڑھانا شروع کردو، جب کوئی پوچھے کہہ دو کہ اتنا ہی ہمارے اختیار میں تھا وہ ہم نے کرلیا، آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے، بس آپ اپنا کام کیجئے، اللہ تعالیٰ عمارت بھی سب بنوادے گا اور مدرسہ بھی جاری کرادے گا۔ (القول الجلیل)

مدرسہ شروع کرنے کا آسان طریقہ

ایک سہل ترکیب آپ کو بتلاتا ہوں کہ جو کام شروع کرنا ہو اتنا شروع کیجئے جو آپ اپنی ذات سے کر سکیں تم لوگ یہ کرتے ہو کہ اوّل ہی سے کام کو بڑے پیمانہ پر اٹھاتے ہو اس کے لیے یقیناً زیادہ اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے مجبوراً ناگوار کوششیں تم کو کرنا پڑتی ہیں۔

کام کو چھوٹے پیمانہ پر شروع کرو، جب کام شروع ہو جائے گا اور دوسرے دیکھیں گے خود بخود تمہاری مدد کریں گے۔ دیکھئے اسلام کا کام بھی یوں ہی ترقی پذیر ہوا، اگر اسلام کا کام متعارف ضابطے سے ہوتا تو کم سے کم ایک جماعت تو ہوتی، حالانکہ وہاں صرف ایک تن تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دم تھا۔ خدا تعالیٰ اسلام کی ترقی کو بیان فرماتے ہیں ''کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَآزَرَہٗ ''تو اسلام کی ترقی ہمیشہ یوں ہی ہوئی ہے۔ (دعوات عبدیت وعظ فضائل علم ۶۲/۷)

خدا کا کام کرنا ہے تو ایسے کیجئے

اگر خدا کا کام کرنے کھڑے ہوئے ہو تو اسی طرح کرو، جس طرح خدا نے بتایا ہے نہ کسی پر بار ڈالو نہ پالیسی سے کام لو، بس سیدھے سادھے الفاظ میں ضرورت کو بیان کر دو، پھر اگر واقعی خدا کا کام ہے تو نہ مسجد رُکے گی نہ مدرسہ رُکے گا، اور اگر خدا کا کام نہیں یا خدا کے واسطے نہیں بلکہ محض تمہارے نفس کی خواہش اور غرض ہے تو اس کا پورا نہ ہونا ہی اچھا ہے۔ (التبلیغ وعظ کساء النساء ۸۶/۷)

کام شروع کرنے کا طریقہ، جوش سے کام نہ کرو

یاد رکھو! جوش سے کام نہیں چلتا، بلکہ ہوش سے کام چلتا ہے پس جوش اور

ہنگامے کی ضرورت نہیں ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا وہی طریقہ ہے کہ جس سے جتنا ہو سکے بس اللہ کا نام لے کر شروع کر دے نہ انجمن کی ضرورت ہے، نہ سکریٹری کی، بس دو، چار، دس، پانچ آدمی متفق ہو سکیں کام شروع کر دیں، اور کوئی متفق نہ ہو تو اکیلے ہی کام شروع کر دو، وہاں کسی عالم سے مشورہ کرتے رہا کرو۔
(التبلیغ تواضی الحق ۹۳/۱۶)

ناکامی کے اسباب

آج کل انجمن کے قوانین اور عہدیداروں کی فہرست میں تو رجسٹر سیاہ کئے جاتے ہیں مگر کام نہیں ہوتا ہم کو کام کرنا چاہئے، جس سے جتنا ہو سکے بڑے پیمان کی فکر نہ کرو، چھوٹے ہی پیمانہ پر کام شروع کر دو، ہماری یہ حالت ہے کہ یا تو کام کرتے ہیں ٹیپ ٹاپ سے ورنہ کچھ نہیں کرتے۔

آج کل مشکل یہ ہے کہ کام تو شروع نہیں ہوتا اور پہلے ہی سے سوجھتی ہے کہ اس تجویز کو اخبار میں شائع کرائیں، اشتہار چھپوائیں، کیا یہ ریا نہیں ہے۔ کیا ریا وغیرہ سے ممانعت نہیں، وہ ممانعت کس کے لیے ہے؟ کیا یہ احکام کفار کے واسطے ہیں؟ ہر گز نہیں، بلکہ مسلمانوں ہی کو ریا وغیرہ سے منع کیا گیا ہے۔ ذرا دِل کو ٹٹول کر دیکھو، تو معلوم ہوگا کہ بجز شہرت اور نام کے کچھ مقصود نہیں۔

آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام میں ہمیشہ گڑبڑی ہوتی ہے جس کام میں جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جس کام میں جتنا زیادہ ہنگامہ ہوتا ہے، جو لوازِم اجتماع سے ہے وہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے، بقاء اسی کام کو ہوتا ہے جو تدریج کے ساتھ بڑھے اور اعتدال کے ساتھ چلتا رہے۔

جو لوگ ابتداء ہی سے بڑی لمبی چوڑی تجویز کرتے اور انجمن اور عہدہ دار مقرر

کرتے اور جلسے کرتے ہیں ان سے کام کچھ نہیں ہوتا چار دن کے بعد سب باتیں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں، لیکن آج کل کچھ مذاق ایسا بدلا ہے کہ اظہار واشتہار اور ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے۔ (التبلیغ تواصی بالحق ۱۶/۹۲)

مدارس کی ترقی کا راز

چھوٹے ہی پیمانہ پر کام شروع کرو بڑے پیمانہ کی فکر بھی نہ کرو، یاد رکھو ابتدا ہر کام کی کمزور اور معمولی ہوتی ہے ترقی تدریجاً ہی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے اس عالم میں اپنے افعال کو بھی تدریجاً ہی ظاہر کیا ہے کہ اول نطفہ قرار پاتا ہے، پھر نو ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ نشو نما ہو کر ۱۵؍ برس میں لڑکا بالغ ہوتا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ قادر ہیں کہ ایک ہی منٹ میں سب کچھ کر دیں۔ خدا تعالیٰ کا یہ نمونہ ظاہر کرنا اور تدریجاً افعال کرنا ہماری تعلیم ہی کے لیے تو ہے کہ تم ابتدائے عمل کے ساتھ ترقی و عروج کے طالب نہ بنو، بلکہ چھوٹے پیمانہ پر کام شروع کرو، رفتہ رفتہ عروج و کمال بھی حاصل ہو جائے گا۔ انجمن کا نام کرنے اور عہدہ داروں کے مقرر کرنے سے کچھ نہیں ہوتا نہ اشتہاروں اور اخباروں میں چھاپنے سے کچھ ہوتا ہے۔ فائدہ کام کرنے سے ہوتا ہے چاہے تھوڑا ہی ہو۔ (التبلیغ ۱۶/۸۷)

یاد رکھو! ہر کام میں ترقی انتظام سے ہوتی ہے اور جو کام جماعت کے متعلق ہو اس میں انتظام اتحاد و اتفاق سے ہوتا ہے جب سب کام کرنے والے متفق ہوں اس وقت ترقی ہو سکتی ہے مگر ہمارے بھائیوں کا سارا انتظام تقریروں اور تحریروں تک ہوتا ہے تجویزیں بہت لمبی لمبی اور خوشنما ہوتی ہیں مگر جب کام شروع کریں گے تو اس بے انتظامی سے جو چار دن بھی نہ چل سکے۔ (التبلیغ وعظ تقلیل الطعام ۲۲/۶۱)

فصل (۴)

مدرسہ کا مہتمم عالم دین ہونا چاہئے

فرمایا: مدرسہ کا مہتمم عالمِ دین ہونا چاہئے، جاہل سے اہتمام کا کام نہیں ہوسکتا، میں جب کانپور مدرسہ فیض عام میں تھا اس وقت وہاں ایک مہتمم بے علم تھے، ایک طالب علم شرح مائۃ عامل پڑھتا ہوا مدرسہ میں آیا، میں نے مہتمم سے کہا اس کی روٹی (یعنی اس کی خوارک اور کھانا) مقرر کردیجئے، اس نے کہا یہ کیا پڑھتا ہے میں نے کہا شرح مائۃ عامل، کہا کیا یہ حدیث کی کتاب ہے؟ اس سے ان کے جہل کا اندازہ کرلیجئے، بھلا ایسا شخص جماعت اہل علم کا کیا انتظام کرے گا۔ (کلمۃ الحق ص:۴۶)

مہتمم کے اوصاف

مدرسہ علمی کا مہتمم عالم باعمل ہونا چاہئے، جو علم کے سبب سے بھلے برے کو سمجھتا ہو کیونکہ ناواقف ہونے کی صورت میں طلبہ کی جرأت بڑھتی ہے۔ اور جو عالم ہوگا وہ سب باتوں کو سمجھے گا اور طلبہ پر اس کا دباؤ ہوگا۔ یا اگر مہتمم عالم نہ ہو تو کم از کم علماء باعمل کی صحبت میں رہا ہو، ہر بات کو سمجھتا ہو یہ نہ ہو کہ نہ عالم ہو نہ صحبت یافتہ ہو۔

(التبلیغ، وعظ خیر المال للرجال ۲/۷۶)

بشرط اہلیت بانی مدرسہ کا خاندانی عالم نظامت کا زیادہ مستحق ہے

فرمایا: جب مجھ کو معلوم ہوا کہ مولوی طیب صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو نائب مہتمم مقرر کیا جارہا ہے تو میں نے اس تجویز میں یہ قید بڑھادی کہ ''بشرط اہلیت'' میرے قلب میں یہ بات آئی کہ مولوی طیب ہی کو مہتمم ہونا چاہئے دو وجہ سے۔ وجہ

اس کی وہ تھی جو حدیث: ''الائمة من قريش '' کی وجہ ہے، اور وہ وجہ وہ ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اسلام سے اوروں کا تو محض مذہبی ہی تعلق ہے اور قریش کا خاندانی بھی تعلق ہے کہ نبی اس خاندان کے ہیں، تو ان کو اسلام کی حمایت دو وجہ سے ہوگی، اسی طرح حضرت مولانا قاسم صاحبؒ بانی مدرسہ کے خاندان کو مدرسہ سے دو تعلق ہوں گے۔ (القول الجلیل ص:۴۷)

نا اہل کو کوئی منصب عطا کرنا

حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِذَا وُسِّدَا الْأَمْرُ إِلٰی غَیْرِ اَھْلِه فَانتَظِرِ السَّاعَة '' کہ جب دینی خدمات نالائقوں اور نا اہلوں کے سپرد ہو جائیں تو قیامت کا انتظار کرنا چاہئے۔

آج کل یہی حالت ہے کہ نا اہل کے ذمہ کام سپرد کرتے ہیں اور اہل کے ذمہ اس واسطے سپرد نہیں کرتے کہ ان کے کرتے پاجامے پھٹے ہوئے ہیں، وضع قطع غیر مناسب ہے، ایسے لوگوں سے ہماری مجلس کی بے قدری ہوگی۔

آج کل تو بس لباس دیکھا جاتا ہے جس کے کپڑے اچھے ہوئے اسی کو لیڈر اور سکریٹری بنالیا، جنہیں کام کا طریقہ بھی نہیں معلوم۔ محض نکمّے لوگ انجمنوں کے منتظم ہوتے ہیں، آج کل ایسے منتظمین بہت ہیں، اور جو جی میں آتا ہے کرنے لگتے ہیں۔ آج کل کے کام کرنے والوں کی یہ حالت ہے، اسی کے متعلق حدیث میں آیا ہے ''اِذَا وُسِّدا الامْرِ إِلٰی غَیْرِ اَھْلِه فَانتظِر السَّاعَة''۔

(حالانکہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ضعفاء (کمزوروں) کو پہلے متوجہ کیا تھا اور ہم ذی اثر لوگوں کے پہلے لیتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخابات میں ضعفاء کا مرتبہ پہلے ہے (کیونکہ) ضعفاء میں باطنی قوت، ہمت، برکت، خلوص

بہ نسبت اقویاء کے زیادہ ہوتا ہے۔(مظاہر الاموال ص:۶۵۵،اصلاح انقلاب ص:۲۹۶)

کیسوں کو منصب اور عہدہ نہیں دینا چاہیے

اسلام کی تعلیم ہے اور ہم بڑے فخر کے ساتھ اس کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں ''طَالِبُ التَّوْلِيَةِ لَا يُوَلّٰى '' منصب کے طالب کو کوئی منصب نہ دو، کوئی قوم اس حکم کی نظیر پیش تو کرے، انشاء اللہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ تعلیم نہ ملے گی، آج کل ساری دنیا کے بادشاہوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ طلب کرنے والوں ہی کو عہدے دیتے ہیں، ہر عہدہ کے لیے ان کے پاس سینکڑوں درخواستیں پہنچتی رہتی ہیں انھی میں سے کسی ایک کو عہدہ مل جاتا ہے۔

(لیکن) شریعت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص عہدہ کا طالب ہو اس کو ہرگز مت دو کیونکہ خود غرض ہوگا۔(مظاہر الاموال ص:۵۵۷،ملحقہ حقیقت مال وجاہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اپنے عزیزوں کو نوکر (ملازم) نہ رکھنا چاہیے، چنانچہ ایام خلافت میں آپ نے اپنے کسی عزیز (رشتہ دار) کو عہدہ نہیں دیا۔
(حسن العزیز:۱۲۹/۳)

منصب دینے میں چند باتیں دیکھنا چاہیے

منصب عطا کرنے میں چند امور کا لحاظ ضروری ہے۔

ایک یہ کہ جس کو وہ منصب دیا گیا ہے اس میں اس منصب کی اہلیت (صلاحیت) ہو، تاکہ وہ اس کے فرائض کو بخوبی انجام دے سکے، دوسرے یہ کہ وہ منصب عطا کنندہ (یعنی منصب دینے والے کا) پورا مطیع و تابع دار ہو۔

مثلاً اگر بادشاہ کسی کو وائسرائے بنا کر بھیجے تو وہ دو باتوں پر نظر کرے گا، ایک

یہ اس کو انتظام ملکی کا سلیقہ اعلیٰ درجہ کا ہو، دوسرے یہ کہ اس میں گورنمنٹ کی اطاعت پوری پوری ہو مخالفت اور بغاوت کا شائبہ بھی نہ ہو، کوئی بادشاہ ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیا کرتا، جس میں ذرا مخالفت و بغاوت کا احتمال و شائبہ ہو۔

اگر کوئی شخص وائسرائے میں قابلیت انتظام کی کمی کا عیب نکالے یا اس کی وفاداری پر اعتراض کرے تو حقیقت میں یہ اعتراض بادشاہ پر ہوگا کیونکہ اسی نے اس کو یہ منصب دیا ہے، پس اس اعتراض کا حاصل یہ ہوگا کہ بادشاہ نے ایک نا قابل مخالف گورنمنٹ کو وائسرائے بنایا ہے۔

اور وائسرائے پر اعتراض کرنے میں ممکن ہے کسی وقت معترض حق بجانب بھی ہو کیونکہ شاہان دنیا کا علم محیط نہیں۔ اس لیے ان سے انتخاب میں غلطی ہو جانا بعید نہیں۔ (دین و دنیا ص:۱۷۵)

مصلحتاً کسی مدرس یا ملازم کو معزول کرنا

جب کسی عامل اور اسکے محکومین (ماتحت و تابع خواہ مدرس و ملازم ہوں یا طلبہ) کے درمیان اگر توافق نہ ہو تو عامل کو علیحدہ کر دینا مصلحت کا تقاضا ہے، گو کچھ بھی خطا نہ ہو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قصہ جو بخاری شریف میں آیا ہے اس پر شاہد ہے جس کا مختصر حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محکومین نے حضرت سعد کی شکایت کی اور تحقیق کے بعد وہ شکایت ثابت نہ ہو سکی، لیکن با قتضاء مصلحت اور طبائع میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کو معزول فرما دیا۔ (ملفوظات خبرت ۴۷/۳)

منتظمین و مہتممین کو ہدایت

مہتممین اپنی خدمات منصبیہ کو حق اللہ سمجھیں اور ان کو نہایت خلوص کے ساتھ بجا لائیں۔ خلوص کے دو جز ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ باطنی تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو عبد (بندہ) اور حق تعالیٰ کو مولیٰ سمجھ کر احکام کی تعمیل کریں، اور ظاہری یہ ہے کہ اپنے آپ کو حاکم نہ کہیں، بلکہ خادم کہیں، وہ نام تک اختیار نہ کریں، جن سے حکومت اور ترفّع پایا جائے۔ آج کل یہ بھی ایک خبط ذہنوں میں سما گیا ہے کہ کام چاہے جتنا ذرا سا شروع کریں گے مگر عہدے اور خطابات بڑے بڑے اختراع کر لیتے ہیں کوئی سکریٹری بنتا ہے کوئی ایجنٹ ہوتا ہے۔

(دعوات عبدیت، وعظ حقوق القرآن ۳/۶۲)

حتی الامکان مدرس باہری رکھنا چاہئے

ایک مولوی صاحب اپنے لوگوں سے اس لیے اختلاف کرتے ہیں کہ ہم جا بجا نوکری تلاش کرتے پھرتے ہیں اور یہ مدرسہ والے باہر کے آدمیوں کو تو رکھتے ہیں اور ہم کو نہیں رکھتے، میری تو اب یہی رائے ہے کہ مدرس بستی کے نہ رکھے جائیں بلکہ باہری رکھے جائیں۔ میں نے ایک مرتبہ طلبہ کے متعلق یہ سمجھا کہ جیسے باہر کے طلبہ کا وظیفہ ہوتا ہے، ایسی ہی بستی کے طلبہ کا بھی وظیفہ ہونا چاہئے یہ بھی تو مستحق ہیں، چنانچہ اس پر عمل کیا مگر قواعد کی رو سے بعض طلبہ کے وظائف بند کرنے کی ضرورت پیش آئی تو دس آدمی ان کے حامی کھڑے ہوگئے تب میں یہ سمجھا کہ بزرگوں کی باتوں میں دخل دینا ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے بزرگوں نے جو باتیں مقرر کی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ (ملحوظات جدید ملفوظات ص: ۱۵۵)

فرمایا کہ بستی کے آدمی سے وفا کی امید بہت کم ہوتی ہے اس لیے ملازم رکھے تو باہر کا آدمی رکھے۔ (مجالس حکیم الامت ص: ۲۸۷)

مدرسہ میں کیسے لوگوں کو نہ رکھے

فرمایا: میں ایسے شخص کو مدرسہ میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو ضرور پہنچے، بعض لوگ خطاواروں کی سفارش کرتے ہیں تو وہ صرف فعل کو دیکھتے ہیں اور میری نظر منشاء فعل پر ہوتی ہے کہ فعل سرزد کس سبب سے ہوا، وہ سبب کس درجہ کا ہے اور دوسرے لوگ اس فعل کو لازم سمجھتے ہیں، اور میں متعدی خیال کرتا ہوں دوسروں کو ضرور پہنچتا ہے، ایسے شخص کو مدرسہ میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو ضرور پہنچے۔

(دعوات عبدیت ملفوظات ۱۹/ ۱۳۵)

مدرسین کو انتظامی امور سے علیحدہ رہنا بہتر ہے

فرمایا میں اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس وتدریس کا موقع نصیب فرمائے، تو انتظام واہتمام کو اپنے لیے قبول نہ کریں کیونکہ دونوں میں تضاد ہے۔ مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کے لیے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں مقامی اور ملکی سیاست سے یکسور ہیں۔

(مجالس حکیم الامت ص: ۸۵)

ابتدائی درجہ کی کتابیں پڑھانے والا ذی استعداد مدرس ہونا چاہئے

فرمایا: میزان الصرف پڑھانے والا بھی عالم متبحر ہی ہونا چاہئے۔ یہ غلط ہے کہ ابتدائی کتابوں کے واسطے معمولی آدمی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں میزان الصرف میں کیا رکھا ہے میں کہتا ہوں کہ ابتدائی تعلیم کے لیے بڑی قابلیت کی

ضرورت ہے۔ (کلمۃ الحق ص:۱۸۰)

مدرسی کی فضیلت

میں گوشہ نشینوں سے مدرسین کو افضل سمجھتا ہوں، میں جو کام کررہا ہوں یعنی تربیت سالکین، اگر یہ دوسری جگہ ہوتا تو میں کتابیں پڑھاتا، صوفیاء کی مثال ایاز کی سی ہے اور علماء کی شان حسن کی سی ہے، ایاز محبوب تو ہے مگر انتظام حسن ہی کے سپرد تھا۔
(القول الجلیل ص:۷۹)

مدرس کی شرعی وفقہی حیثیت

مدرسی عقد اجارہ ہے یہ (مدرس) اجیر خاص ہے، تسلیم نفس سے استحقاق اجر ہوجائے گا پس اگر یہ اس وقت میں حاضر رہا تو مستحق ہے ورنہ نہیں۔

(امداد الفتاویٰ ۳۴۳/۳)

مہتمم ومدرس کی تنخواہ کی فقہی حیثیت

ہر تنخواہ اجرت نہیں بلکہ بعض تنخواہ حق احتباس بھی ہوتی ہے جیسے بیوی کا نفقہ اور رزق القاضی وغیرہ۔ ہاں اجرت اور نفقہ میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ نفقہ میں تعین نہیں ہوتا بلکہ اس میں قدر ضرورت کا استحقاق ہوتا ہے۔ زیادہ کا استحقاق نہیں ہوتا مگر کبھی نفقہ زوجہ میں بھی فرض (یعنی متعین کرنا) جائز ہے تاکہ نزاع نہ ہو اور جانبین کے مصالح محفوظ رہیں، اس تعین سے وہ نفقہ ہونے سے نہیں نکل جاتا چنانچہ نفقہ زوجہ فرض قاضی کے بعد نفقہ ہی رہتا ہے اسی طرح اگر مدرسین کی تنخواہ معین ہو تو محض تعین سے وہ تنخواہ اجرت تعلیم نہ ہوگی بلکہ حق احتباس اور نفقہ میں داخل رہے گی، مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی تنخواہ اجرت ہے اور کس کی تنخواہ نفقہ ہے۔

اگر تنخواہ اجرت ہے گناہ اس میں بھی نہیں کیونکہ متاخرین کا فتویٰ جواز پر ہو چکا ہے مگر اس کو تعلیم و تدریس میں ثواب بھی کچھ نہیں کیونکہ اس کا مقصود محض تنخواہ ہے اس حالت میں یہ تعلیم اطاعت نہیں غایت مافی الباب ایک عمل مباح ہے جس پر اجرت لینا متاخرین کے فتویٰ میں جائز ہے فی نفسہ تعلیم دین طاعت تھی مگر چونکہ اس کی نیت تعلیم دین کی نہیں بلکہ مقصود اجرت ہے اس لیے **لکل امرئ مانوی** کے قاعدہ سے یہ ثواب کا مستحق نہیں۔ (التبلیغ، وعظ کوثر العلوم ۱۲/۱۰۰-۱۰۷)

کتنے طلبہ کا داخلہ کر سکتے ہیں

دوسرے نصوص سے صاحب افادہ کو تنگ کرنے کی ممانعت ثابت ہے **کما قال تعالیٰ ولا یضار کاتب ولا شھید** یعنی لکھنے والے اور گواہ کو تکلیف نہ پہنچانا چاہئے، اس سے یہ بھی مفہوم ہوگیا کہ طلبہ کو بھی اپنی حوائج علمیہ و ما یتعلق بہا کی درخواست معلمین اور مہتممین سے اسی درجہ تک کرنی چاہئے کہ ان کو کلفت نہ ہو، یہ ان کے ذمہ واجب نہیں کہ جتنے طلبہ آئیں سب کے لیے طبق (کھانے) اور سبق کا انتظام ضرور کر دیا کریں۔ البتہ بشرط سہولت اس کا انتظام اور پھر کام شروع کر دینے کے بعد ان کے مصالح علمیہ کی رعایت حسب حدیث ضروری ہے۔

(اصلاح انقلاب جدید ۱/۲۹۰)

حضرتؒ کے مدرسہ کا قانون

فرمایا ہر مدرسہ میں خاص قوانین علیحدہ علیحدہ ہیں میرے یہاں دو خاص قانون ہیں ایک تو یہ کہ بلا قید کسی خاص لیاقت کے اگر امداد طلبہ کے لیے کچھ ہوگا دوں گا نہ ہوگا، نہ دوں گا، توکل کا کارخانہ ہے، دوسرے یہ کہ اگر طالب علم امرد، ہو

تو مدرسہ کے باہر رہے، بدوضعی کی ذمہ داری کون کرے، یہ اس کے سرپرست کا کام ہے کہ وہ کسی کو ذمہ دار بنادے یہاں غیر اوقات درس میں امرد کے رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ (کلمۃ الحق ص:۱۸۰)

علم دین کے واسطے طلبہ کا انتخاب

علم ہر ایک کے لیے نافع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ اس پر نظر کرتے ہیں کہ کس شخص کے واسطے علم مضر ہوگا، جس کو مضر ہوتا ہے اس کو درسیات سے محروم رکھتے ہیں۔ زبانی تعلیم بقدر فرض عین اس کے لیے تجویز کرتے ہیں۔

(التبلیغ احکام المال ۲۵/۱۵)

سلف صالحین انتخاب کر کے پڑھاتے تھے ہر کس و ناکس کو علم دین مقتدائیت (پیشوائی) درجہ تک سکھلاتے تھے۔ اور عجیب نہیں کہ ایسے لوگوں کی وجہ سے ان کے پڑھانے والوں سے بھی باز پرس ہو جب کہ ان کو قرائن سے معلوم ہو کہ یہ ایسے ہوں گے۔ (دعوات عبدیت، وعظ طریق النجاۃ ۴۳/۱۲)

انتخاب کا معیار

حضرات سلف صالحین کا انتخاب انساب (حسب و نسب) سے نہیں ہوتا تھا بلکہ ملکات سے ہوتا تھا یعنی جس شخص میں ملکات فاضلہ دیکھتے تھے ان کو علم دین کی تعلیم کامل دیتے تھے۔ اور جس شخص میں ملکات رزیلہ (بری خصلتیں حرص بدکاری وغیرہ) دیکھتے تھے اس کو بقدر ضرورت سکھلا کر دوسرے کام میں مشغول ہونے کی رائے دیتے تھے اگرچہ پہلا کسی ادنیٰ اور معمولی گھرانے کا ہو اور دوسرا کسی عالی خاندان کا، انساب کو نہ دیکھتے اخلاق کو دیکھتے۔ (دعوات عبدیت ۴۳/۲)

انتخاب کا دوسرا معیار

پہلے زمانہ میں جو رسم تھی کہ ہر ایک شخص کو مقتدا و عالم بننے کی اجازت نہیں تھی اس میں بڑی مصلحت تھی مگر اس میں اتنی کمی تھی کہ انتخاب غلط تھا، خاص خاص قوموں کا انتخاب کر رکھا تھا کہ ان ہی کو علم دین پڑھنے کی اجازت تھی۔ البتہ انتخاب کا معیار نہ ہونا چاہیے کہ اساتذہ طلبہ کے زمانۂ تحصیل میں اس کا اندازہ کیا کریں کہ کس شخص میں حرص دنیا کی غالب ہے اور کس شخص میں نہیں ہے جس میں حرص دنیا کی غالب دیکھیں اس کو رخصت کریں اور مدرسہ سے خارج کریں اور جس میں حب دنیا نہ ہو اس کو مقتدائے دین بنائیں۔ (دعوات عبدیت ۱۸/۳، ذی ہوٰی)

فصل (۵)

سرپرستی کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب

فرمایا دیوبند سے ایک صاحب کا خط آیا کہ میرا فلاں معاملہ صاف کرا دو ورنہ تم سرپرست ہو تم سے باز پرس ہوگی، میں نے ان کو لکھ دیا کہ میں سرپرست بمعنی حاکم نہیں بلکہ بمعنی مشیر ہوں اگر کوئی بات مجھ سے پوچھی جائے گی جواب دوں گا ورنہ نہیں۔ اور میں ایک مرتبہ سرپرست کی تفسیر مولانا گنگوہیؒ کے سامنے بھی کر چکا ہوں کہ سرپرست بمعنی مشیر کے ہے نہ کہ حاکم کے، سہارنپور کی سرپرستی میں ایک جھگڑا ہو گیا تھا جس میں حکم نے مجھے سرپرست بنایا تھا مولانا گنگوہیؒ نے خط لکھا کہ تم اسے قبول کر لینا مگر یہ صاف لکھ دیا کہ اگر سرپرستی کے یہ معنی ہیں کہ جو مجھ سے پوچھا جائے جواب دے دوں تب تو خیر اور اگر حاکم کے معنی ہیں یعنی خود دیکھ کر کھود کرید کروں تو ایسی سرپرستی مجھے قبول نہیں۔ (ملفوظات ص: ۱۰۳)

ایک زمانہ میں بعض لوگ مجھے لکھتے تھے کہ تم دیوبند کے سرپرست ہو یوں نہیں کرتے یوں نہیں کرتے، ایک مرتبہ یہاں معترضوں کے سرغنہ آئے تھے میں نے ان کو اپنی سرپرستی کے فرائض دکھلا دیئے وہ کہتے تھے کہ ان فرائض کے دیکھنے سے تو کسی کا منہ نہیں جو اعتراض کر سکے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ میں سرپرست بمعنی مشیر کے ہوں حاکم کے نہیں یعنی مجھ سے جن امور میں پوچھا جائے گا جواب دے دوں گا اور جن میں نہیں پوچھیں گے اس کا مطالبہ نہ کروں گا کیوں نہیں پوچھا اور رائے دینے کے بعد بھی عدم پابندی پر مواخذہ نہ کروں گا، ہاں عمل کا انتظار ضرور رہے گا، اور رائے تو مجھ سے دیگر مدراس کے مہتممین بھی لیتے ہیں مگر اس میں دیوبند کا امتیاز یہ ہے کہ دیگر مدارس میں تو جب وہ پوچھتے ہیں تب رائے دیتا ہوں اور دیوبند بلا پوچھے بھی اگر کوئی بات سمجھ میں آئے گی تو دریغ نہ کروں گا خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو۔

(ملحوظات جدید ملفوظات ص: ۱۰۷، انفاس عیسیٰ ص: ۴۵۹، امداد الفتاویٰ ۳۲۸/۴)

شوریٰ بنانے سے پہلے ضروری کام

میں تو سب اہل مدارس سے کہتا ہوں کہ مدرسین، ملازمین، طلبہ کے متعلق جتنے معاملات اور حالات پیش آتے ہیں اہل فتویٰ علماء سے استفتاء کر کے ان سب کے احکام جمع کر لئے جائیں، وہی مدارس اسلامیہ کا قانون ہو جائے، اس میں سب سے بڑی مصلحت تو اتباع شریعت کی ہے، اور اہل انتظام کے لیے بھی سہولت ہے کہ جس شخص کی منشاء کے خلاف ان کو کچھ کرنا پڑے گا وہ شرعی قانون پیش کر کے اپنا عذر بتا سکیں گے اور دوسروں کے لیے بھی حجت ہو گا۔ (مجالس حکیم الامتؒ)

اگر مدرسہ کا دستور العمل مقرر نہ ہو

مدرسہ کے قواعد مدون ومعرف ہوں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہوں گے اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معرف ہیں تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جائے گا۔ (ملفوظات جدید ملفوظات ص:۱۰۷)

دستور اساسی برائے مدارس مرتب کردہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

دستور اساسی کی اہمیت

یہ قانون (ودفعات) بعض کلیات کا اساس (بنیاد) ہے جو اہم واقدم (زیادہ قابل اہمیت) ہے دوسرے کلیات وجزئیات سے اس کو مقیس علیہ قرار دے کر (اور اس کو بنیاد بنا کر) بقیہ کلیات وجزئیات کے متعلق اساسی قانون بن سکتا ہے، اس کی منظوری سے انشاء اللہ مدرسہ تشویشات واضاعت واوقات (اور فتنہ وفساد) سے محفوظ ہوجائے گا۔ باقی (مدرسہ کی) بقاء تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ وعلم میں ہے۔

(بیاض اشرفی ص:۸۶)

(۱) یہ قانون سب ممبروں کے اتفاق سے تجویز کیا گیا ہے۔

دستور اساسی کے دفعات کی حیثیت

(۲) اس کے دفعات میں جو (امور) شرعاً واجب العمل ہیں ان میں کبھی تغیر نہیں ہوسکتا، اور جس کی دوسری شق بھی مباح ہے اس کی تغیر (اور تبدیلی) بھی سب ممبروں کے اتفاق پر موقوف ہے، ایک ممبر کا اختلاف رہتے ہوئے بھی تغیر (تبدیلی) جائز نہیں۔ (بیاض اشرفی ص:۸۶)

ممبر کی تقرّری یا علیحدگی

(۳) کسی ممبر کی کمی یا بیشی شرائط منظور شدہ کے تحت میں صرف ممبروں کی متفقہ رائے سے ہو سکے گی اور کسی کا اس میں دخل نہ ہوگا۔

مہتمم کا نصب وعزل

(۴) اسی طرح مہتمم کا نصب وعزل بھی قواعد منظور شدہ کے تحت میں صرف ممبروں کی متفقہ رائے سے ہو سکے گا، اور کسی کا اس میں دخل نہ ہوگا۔

نائب مہتمم وملازمین کا تقرر

(۵) نائب مہتمم کے تقرر میں اور اسی طرح ہر اس ملازم کے تقرر میں جس کا سابقہ مہتمم سے پڑتا ہو (اس میں مدرسین بھی آ گئے) ممبروں کی رائے کے ساتھ مہتمم کا اتفاقِ رائے بھی شرط ہے۔

طلبہ کے داخلہ واخراج کا اختیار

(٦) طلبہ کے داخل کرنے کا صرف مہتمم کو کامل اختیار ہے، اور خارج کر دینے کا اختیار مہتمم کو بھی ہے اور مجلس عاملہ کو بھی۔ یعنی اگر مہتمم خارج کرنا چاہے تو مجلس عاملہ کو اتفاق کرنا ضروری ہے۔ اگر مجلس عاملہ خارج کرنا چاہے تو مہتمم کو اتفاق کرنا ضروری ہے۔

مدرسین کی معزولی

☆ یہی قاعدہ مدرسین ودیگر ملازمین کے عزل (علیحدہ) کرنے میں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ملازمین کے تقرر میں تو مجموعہ آراء (یعنی سب کا) اتفاق شرط ہے اور

طلبہ کے داخلہ میں صرف مہتمم کی رائے کافی ہے، اور ملازمین کے عزل اور طلبہ کے اخراج میں مجموعہ میں سے ایک رائے بھی کافی ہے۔ (بیاض اشرفی ص:۸۶)

ضروری تنبیہ

نوٹ: یہ مذکورہ دفعات (۵و۶) اس مہتمم کے لیے ہیں جو علم وتقویٰ میں خاص درجہ کا امتیاز رکھتا ہو، اور اگر ایسا مہتمم میسر نہ ہو تو ان دونوں دفعہ پر ممبر (حضرات) نظر ثانی فرما کر مناسب وقت ترمیم کر سکتے ہیں۔

معائنہ حساب وکتاب اور مہتمم سے باز پرس کرنے کا اختیار

(۷) مہتمم سے کسی قسم کی باز پرس کا حق صرف ممبروں کو ہے، خواہ ایک ہی ممبر ہو، پھر اس باز پرس کے بعد اگر مہتمم اس کی اصلاح میں متفق ہو جائیں تو فبہا (ٹھیک ہے) اور اگر مہتمم کو اپنے طرز عمل پر اصرار ہو تو اس ممبر کو صرف یہ حق ہوگا کہ دوسرے ممبروں کو اطلاع کر دے۔ اگر سب متفق ہو جائیں تو مہتمم کو اپنا طرز عمل بدلنا واجب ہوگا۔ اور اگر ممبروں میں اختلاف رہے تو حسب قواعد جس شق کو ترجیح دی جائے مہتمم کو اس کی پابندی لازم ہوگی۔

غیر ممبر کے اختیارات

(۸) غیر ممبر (عامی شخص) کو مہتمم سے مدرسہ کے متعلق ایسے امور کی تحقیق کر لینے کا حق حاصل ہے جس میں مہتمم پر کوئی اعتراض لازم نہ آتا ہو، اور جس امر میں اس کی رائے میں خواہ وہ رائے صحیح ہو یا غلط اس پر کوئی اعتراض لازم آتا ہو، اس میں مہتمم کو حق ہے کہ دفعہ ہذا (اس دفعہ ۸ و مابعد والی دفعہ) کا حوالہ دے کر جواب دینے سے عذر کر دے، اور مدرسہ کے حساب وکتاب کے معائنہ کا یا اس کے متعلق

کوئی سوال کرنے کا غیر ممبر کو مطلقاً حق نہیں، گو اعتراض بھی لازم نہ آئے، البتہ مصالح (فوائد) مدرسہ کے متعلق مشورہ دینے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے خواہ مہتمم کو مشورہ دے یا ممبروں کو۔

اور اگر وہ امر محل مشورہ مہتمم کے حد اختیار سے خارج ہو (یعنی مہتمم کو اس کا اختیار نہ ہو) تو وہ ممبروں کو با قاعدہ اس کی اطلاع دے، آگے اس مشورہ کے قبول وعدم قبول کا فیصلہ یہ مخاطب بالمشورہ (جس کو مشورہ دیا گیا ہے اس) کا کام ہے۔ مشیر (مشورہ دینے والے) کو مشورہ دینے سے زیادہ کوئی حق نہیں۔

(بیاض اشرفی ص:۱۰۰)

غیر ممبر چندہ دہندگان کے اعتراضات واختیارات

غیر ممبر کو اگر مہتمم کے متعلق یا حساب وکتاب کے متعلق یا مدرسہ اور کسی انتظام کے متعلق کوئی ضروری تحقیق یا کسی شبہ کا رفع کرنا ہو، تو اگر وہ کم از کم دس روپیہ ماہوار یا ایک سو بیس روپیہ سالانہ (اس زمانہ کے) چندہ گزار (دینے والا) ہے یا کسی وقف جس کا تعلق مدرسہ سے ہے اس کا واقف ہے، یا کسی ایسے ہی وقف کا من جانب واقف متولی ہے اور یہ واقف یا متولی وقف کی آمدنی مدرسہ میں بھیجتے ہوں، ایسے شخص کو تحقیق ورفع شبہ کا حق اس طرح حاصل ہے کہ اس کے لیے کسی ممبر کو واسطہ بنادے، یعنی اس سے اس کی درخواست کرے آگے ممبر کو اختیار ہے، اگر اس کی رائے میں وہ امر معقول اور باوقعت ہو اس کی درخواست کو منظور کر کے خود یا بذریعہ مہتمم تحقیق کر کے براہ راست اس درخواست کا جواب دے دے، اور اگر اس کی رائے میں وہ امر معقول نہیں تو عذر کر دینے کا اختیار ہے، جس کی وجہ اس ممبر سے نہیں پوچھی جاسکتی۔

اور اگر وہ سائل چندہ گزار نہیں یا دس روپیہ ماہوار سے کم کا چندہ گزار (دینے

والا) ہے اور مدرسہ کے کسی وقف کا واقف یا متولی بھی نہیں تو ایسے شخص کو ایسی تحقیق کا کچھ حق نہیں۔

البتہ ان حالات میں اپنا چندہ بند کر لینے کا اختیار ہے لیکن اگر وہ رقم وقف کی ہے تو اس کے بند کر لینے کے جواز عدم جواز کے متعلق علماء سے استفتاء کر لے۔

(بیاض اشرفی ص:۸۸)

امور مدرسہ سے متعلق اعتراضات

اگر کوئی شخص مدرسہ کے متعلق کوئی اعتراض شائع کرے، اگر وہ صحیح ہو تو اس کے قبول کر لینے کی اطلاع مدرسہ سے شائع کر دی جائے، اور اگر غلط ہو تو اس واقعہ کی حقیقت ظاہر کر کے سادہ جواب شائع کر دیا جائے۔ اگر کوئی اس کو بھی رد کر دے تو اگر پہلے جواب میں کوئی حقیقت مخفی رہ گئی تھی جس سے وہ اعتراض پیدا ہوا تو اس حقیقت کو پھر شائع کیا جائے اور اگر حقیقت ہی کی تکذیب کی گئی ہو پھر جواب نہ دیں کہ اس سلسلہ **لاتقف عند حد** میں بجز اضاعت وقت کے کوئی فائدہ نہیں۔ نیز قیل وقال بعض اوقات نفسانیت کی طرف بھی مفضی (ذریعہ) ہو جاتی ہے، "**ولکن هذا آخر ما اردت، اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ**"۔

کتبہ اشرف علی ۲۱؍شعبان ۱۳۴۶ھ

(بیاض اشرفی ص:۱۰۱)

مہتمم اور اہل شوریٰ کی شرعی حیثیت اور اختیارات

مہتمم اور اہل شوریٰ وکیل ہیں اہل چندہ کے، مہتمم مدرسہ ان معطین (چندہ

دینے والوں) کا وکیل ہوتا ہے۔ اموال میں کسی تصرف کا جواز و عدم جواز معطین اموال (چندہ دینے والوں) کی اذن ورضا پر موقوف ہے۔ پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف وکیل کو جائز ہے۔ اگر بتصریح یا بقرائن اس قانون پر اہل چندہ کو اطلاع اوران کی رضا ثابت ہے تو چندہ سے تنخواہ دینا جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۲/۳۴۸)

مدارس کا روپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطین اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں۔ لہٰذا نہ اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۶/۲۷۳)

مشورہ کی اہمیت

اگرکسی کا شیخ زندہ نہ ہو وہ بھی مشکلات میں اپنی رائے سے فیصلہ نہ کرے، بلکہ اس کو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا چاہئے، غرض چھوٹے بڑوں کا اتباع کریں اور بڑے چھوٹوں سے مشورہ لیں، اس امت کے چھوٹے بڑے سب کام کے ہیں۔ اس رائے کا ماخذ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص:۳۱۱)

مشورہ کا مقصد اور اس کا فائدہ

مشورہ کا حکم محض اس لیے ہے کہ اس کی برکت سے حق واضح ہوجاتا ہے، خواہ مشورہ دینے والوں کی رایوں میں سے کسی ایک کا حق ہونا واضح ہوجائے یا سب رایوں کے سننے سے کوئی صورت ذہن میں آجائے جو حق ہو۔

حق تعالیٰ کا ارشاد وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے

مشورہ کرنے کا حکم ہے۔

اگر بڑا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرے انشاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا چہ جائیکہ چھوٹا اپنے بڑے سے مشورہ کرلے وہ بدرجہ اولیٰ محفوظ ہوگا۔ (انفاس عیسیٰ)

تصدیق وتائید بھی مشورہ ہی ہے

تصدیق وتائید بھی ایک مشورہ ہے اور مشورہ کی صورت میں اختلاف رائے ہونا ممکن ہے (لیکن اس سے ناگواری نہ ہونا چاہئے) چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختلاف رائے سے ناگواری نہ ہوتی تھی۔ (انفاس عیسیٰ ۱/۴۱۷)

اہل شوریٰ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں

دیکھئے قرآن شریف میں مشورہ کا بھی امر ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وشاورھم فی الامر ۔آپ مشورہ کیجئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔لیکن یہ حکم نہیں کہ ان کے مشورہ پر عمل کریں، بلکہ آگے عمل کے متعلق یہ ارشاد ہے ''فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ '' کہ مشورہ کے بعد آپ کا جو ارادہ ہوجائے اللہ پر توکل کرکے اس پر عمل کیجئے، اہل شوریٰ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں۔

یعنی جب خود آپ کا قصد ہوجائے تو آپ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اس کام کو کر ڈالئے یہ نہیں فرمایا فَاِذَا عَزَمُوْا کہ جب وہ عزم کریں یا فَاِذَا عَزَمَ اَکْثَرُھُمْ کہ ان میں سے اکثر عزم کریں۔مطلب (صرف) یہ ہے کہ مشورہ تو ان سے کیجئے اور عزم اپنا ہو کہ مشورہ کے بعد جس بات پر آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے، اہل شوریٰ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں۔ (التبلیغ ۱۸/۱۱۴)

دفعات مجلس شوریٰ و دستور العلم

شریعت کی پابندی

(۱) احکام شرعیہ پر پورے اہتمام سے عمل کرنا، کوئی کام خلاف شرع نہ کیا جائے گا۔ نہ کوئی رائے خلاف شرع قبول کی جائے گی۔

اگر جواز وعدم جواز میں تردد ہو علماء سے استفسار کیا جائے گا، اگر انتخاب مفتی میں اختلاف ہو جائے یا علماء کے فتاوی میں اختلاف ہو جائے تو صدر کے تجویز شدہ مفتی کا فتویٰ معمول بہ ہوگا لیکن جس رکن کو اس میں شرح صدر نہ ہو وہ عمل پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس کو سکوت کی اور اس کام میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی جائے گی، مگر مناقشہ کی اجازت نہ ہوگی، اسی طرح کوئی کام خلاف قانون بھی نہ کیا جائے گا۔

(افادات اشرفیہ ص:۴۰)

صدر کا انتخاب

(۲) طبقہ ارکان میں سے ایک شخص کو اس مجلس کا صدر تجویز کیا جائے جس کا انتخاب ارکان کے اتفاق سے ہوگا۔

اراکین کی تعداد

(۳) ارکان کا عدد بہت زیادہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ ایسا عدد ہو جن کا اجتماع مشورے کے لیے سہل ہو وہ مقامی ہو یا بیرونی ہوں مگر ضرورت کے وقت بسہولت جمع ہو سکتے ہوں۔

جدید رکن کا انتخاب

(۴) جدید رکنیت کے لیے قدیم ارکان کی متفقہ منظوری شرط ہے، جس میں وہ مختار ہیں۔

صدر ورکن کا عزل

(۵) صدر ورکن کا تقرر جیسے اتفاق ارکان سے ہوا تھا اسی طرح ان کا عزل بھی اتفاقِ ارکان سے ہوگا۔

صدر ورکن کا استعفاء

(۶) صدر ورکن کا استعفاء کسی کی منظوری پر موقوف نہیں لیکن ان کا احسان ہوگا اگر دو ہفتہ قبل اطلاع دے دیں۔

شوریٰ کے لیے اجتماع

(۷) مشورہ کے لیے صدر اور تین مشیروں کا اجتماع کافی ہے، اگر صدر کو کچھ عذر ہو وہ وقتی مشورہ کے لیے کسی رکن کو اپنا قائم مقام بنا دے۔

اور اگر صدر سفر میں ہو، خود ارکان کسی کو صدر کا قائم مقام بنالیں۔

(۸) باستثناء وقتی کاموں کے لیے کوئی کام بدون مشورہ نہ کیا جائے۔

اگر اہل شوریٰ میں اختلاف ہو

(۹) اگر اہل شوریٰ میں اختلاف ہو جائے تو جس جانب صدر کی رائے ہو قطع نظر اقلیت یا اکثریت سے اس کو ترجیح ہوگی۔ اور اگر اہل شوریٰ وصدر میں اختلاف ہو جائے تو احتیاط کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی یعنی اگر امر متنازع فیہ ایک

رائے میں نافع محض غیر محتمل الضرر ہو اور دوسری رائے میں نہ نافع ہو نہ مضر تو نافع والی رائے کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو کر لیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائے مضر ہو اور وہ دوسری رائے میں نافع والی رائے کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو کر لیا جائے گا، اور اگر ایک رائے مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع مگر غیر ضروری تو مضر والی کو ترجیح ہوگی، اور اس کام کو ترک کر دیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائے میں مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع اور ضروری اور صرف یہ اختلاف اہم واشد ہے تو صدر کی رائے کو ترجیح ہوگی۔

تصدیق ودستخط: یہ سب دفعات بالکل شریعت کے ایسے موافق ہیں کہ دلائل کی بھی حاجت نہیں۔

کتبہ اشرف علی ۲۴ ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ

(افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ص: ۴۴)

مشورہ میں ترمیم

جو بات مشورہ سے طے کرتا ہوں، اس میں ترمیم بھی بلا اطلاع مشورہ والوں کے نہیں کرتا۔ (حسن العزیز ۱/۷۷۳)

سرپرست اور ممبروں کی رائے کا اختلاف

فرمایا: کئی سال ہوئے مدرسہ دیوبند کی مجلس شوریٰ میں یہ پاس ہوگیا تھا کہ سرپرست جو رائے قائم کرلے گو وہ سب ممبروں کی رائے کے خلاف ہو، ہی نافذ ہوگا، مگر بعد میں شاہ صاحب نے ترمیم فرمائی کہ اختلاف کی صورت میں تو یہی ہو لیکن اتفاق کی صورت میں سرپرست کی رائے کی ضرورت نہیں اس پر ممبروں نے جھگڑا شروع کیا مگر میں نے کہا نہ ترمیم منظور کرلی جائے، مگر مجھ کو متفق ہونے پر مجبور نہ

کیا جائے، بلکہ اپنی رائے کو ظاہر کردوں گا، عمل نہ کرنے والوں کو اختیار ہوگا چنانچہ یہ منظور ہوگیا۔ (الکلام الحسن ص:۵۱)

تجویز و نفاذ کے بعد اختلاف رائے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر سلطان کے مشورہ لینے کے وقت اہل شوریٰ میں اختلاف رائے ہوجائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ سلطان کی رائے سے اختلاف کرنا مذموم تو نہیں؟

فرمایا جو اختلاف حکمت و مصلحت اور تدین و خیر خواہی پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔ یعنی یہ اختلاف اسی وقت تک جائز ہے جب تک مشورہ کا درجہ ہے مگر بعد نفاذ اختلاف کرنا یا (اس رائے کے) خلاف کرنا یہ مذموم ہے۔ نفاذ کے بعد تو اطاعت ہی واجب ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۸۶ جلد۲، ص:۴۲ جدید)

نا اہل کو ممبر بنانا

فرمایا جب اہل دیوبند مجلس شوریٰ میں شریک ہونا چاہتے تھے اور حضرت گنگوہیؒ نے منع فرمایا تھا تو اس پر بہت شور تھا اور فتنہ کا اندیشہ تھا، تو میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو لکھا کہ: حضرت دفع شورش کے لیے کیا حرج ہے اگر ایک دو کو مجلس شوریٰ میں لیا جائے۔ آخر تعداد تو ہمارے حضرات ہی کی زیادہ رہے گی اور کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے، تو جواباً مولانا گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا کہ نا اہل کا ممبر بنانا معصیت ہے جو سبب ہے ناراضی خدا اور رسول کا اس لیے ہم نا اہل کو مدرسہ کا ممبر نہ بنائیں گے چاہے مدرسہ رہے یا نہ رہے، ہم کو رضاء الٰہی مقصود ہے مدرسہ مقصود نہیں۔

(ملحوظات جدید ملفوظات ص:۴۹)

مشورہ اور ممبری کے اہل کون لوگ ہیں

مشورہ اس آدمی سے لینا چاہئے جس میں دو باتیں ہوں اول تو یہ کہ اس پر پورا اطمینان اور اعتبار ہو کہ وہ میرا خیر خواہ ہے۔ دوم یہ کہ جس امر میں مشورہ کیا جائے اس میں وہ صاحبِ بصیرت ہو۔ (اشرف المواعظ ۱۲/۱۳۲)

اہل شوریٰ کا کرایہ ونفقہ

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو شخص کسی مصلحت یا خدمت کے لیے محبوس ہو اور اس احتباس کے سبب وہ اپنی معیشت کا انتظام نہ کرسکتا ہو، تو اس شخص کا نفقہ اس پر واجب ہوگا جس کی مصلحت ومنفعت کے لیے محبوس ہوا۔

چنانچہ اس کی مشہور مثال جو فقہاء نے ذکر کی ہے رزق قاضی ہے، یعنی قاضیٔ مسلمین چونکہ عامۂ مسلمین کی شفقت کے لیے خدمتِ قضاء میں محبوس ومشغول ہے اس لیے اس کا گذارہ جس کو رزق وقوت کہتے ہیں عامۂ مسلمین پر واجب ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ بیت المال میں سے دیا جاتا ہے۔ اسی کی مثال ہے گواہوں کی خوارک، اس کا حاصل بھی یہی ہے کیونکہ وہ ایک خاص وقت تک من لہ الشہادۃ (جس کے لیے گواہی دے رہا ہے) اس کے کام میں مشغول ہے اس لیے اس سے خوراک دلوائی جاتی ہے۔

جب یہ مصلحت عام قوم کی ہے تو ان صاحبوں کے نفقات جو کہ اس مصلحت کی تکمیل میں مشغول ہیں، مجموعہ قوم کے ذمہ (یعنی چندہ سے) واجب ہوں گے۔

(اصلاح انقلاب ۲/۱۹۲)

محض رائے دینے پر اجرت لینا دینا جائز نہیں

شریعت میں رائے پر محنتانہ لینا جائز نہیں یہ رشوت محضہ ہے، اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں کہ شریعت نے جس چیز کو متقوم نہیں قرار دیا اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں، مثلاً آپ کا حق شفعہ تھا، آپ نے سو روپیہ لے کر اس کو چھوڑ دیا تو یہ سو روپیہ واجب الرد ہیں، اور حق شفعہ بھی نہیں رہا کیونکہ شریعت نے شفعہ کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی، حاکم سے سفارش کرانا بھی ایسا ہی فعل ہے، ہاں جس میں کوئی محنت مشقت ہو اس کی قیمت مقرر کی ہے۔ (التبلیغ احکام المال ۱۵/۵۷)

حضرت تھانویؒ کے مدرسہ کا نظام عمل

چندہ: (۱) چندہ نہ کسی سے مانگا جاتا ہے اور نہ تحریک صراحۃً یا کنایۃً کی جاتی ہے نہ کرائی جاتی ہے اور اگر کوئی بطیبِ خاطر (خوشی سے) بھیجتا ہے یا دیتا ہے تو جس مد کی وہ تعیین کرتا ہے تو اس میں خرچ کر دیا جاتا ہے اور تعیین نہ کرے تو جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں صرف کیا جاتا ہے۔

(۲) چندہ کی کوئی باضابطہ رسید نہیں دی جاتی

(۳) آمد و خرچ کی کوئی کیفیت سالانہ یا ماہواری طبع نہیں ہوتی، ہاں جو رقم فوراً خرچ نہ کردی جاوے اس کی یادداشت اپنے اطمینان کے لیے رکھ لی جاتی ہے۔

(۴) کوئی رقم یا جنس و پارچہ (کپڑا) خلاف شرع نہیں لیا جاتا، بالخصوص تقریبات میں جو رقم موافق رسوم کے ہو وہ بالکل واپس کردی جاتی ہیں۔

کتب خانہ: (۱) الحمدللہ بقدر ضرورت یہاں کتب موجود ہیں۔

(۲) جو کتب موجود ہیں وہ دیسی اور پردیسی حاجت مند طلبہ کو پڑھنے کے لیے دی جاتی ہیں۔

(۳) جو کتاب موجود نہیں یا موجود ہے لیکن کسی وجہ سے دینا مناسب نہیں ہے تو وہ نہ دی جائے گی۔ طالب علم خود خریدے۔

طعام طلبہ: (۱) طعام کی ذمہ داری نہیں ہے۔

(۲) اگر کہیں سے آمدنی ہوگئی تو بقدر ضرورت بلا قید مقدار وظیفہ بطور کفاف نادار طلبہ کو دیا جاتا ہے۔

(۳) بشرط آمدنی جو روپیہ طلبہ کو دیا جاتا ہے اس کا اس کو اختیار ہے خواہ خود مدرسہ میں پکائے (چنانچہ کئی طالب علم پکاتے ہیں) یا کہیں پکوائے (چنانچہ بہت سے پکواتے ہیں اور ایک آدمی جا کر لے آتا ہے اور اس کو تقسیم کر دیتا ہے، جس کی تنخواہ بھی طلبہ دیتے ہیں)۔

(۴) اگر کوئی صاحب شہری طالب علم کا کھانا مقرر کریں تو مدرسہ میں کھانا پہنچادیں، طالب علم دروازہ پر کھانا لینے نہ جاوے گا۔

(۵) اگر طلبہ کی کوئی دعوت کرے تو طلبہ داعی کے مکان پر کھانا کھانے نہیں جاتے ہیں بلکہ کھانا مدرسہ میں آجاتا ہے، اگر کوئی یہ شرط قبول نہ کرے تو دعوت قبول نہیں کی جاتی۔

(۶) جو طالب علم مزدوری کے قابل ہیں ان کو مزدوری کرنے کی بھی اجازت ہے۔

(۷) براہ راست کسی مہمان وغیرہ سے کچھ لینے کی کسی طالب علم کو اجازت نہیں، حضرت سرپرست مدظلہ کا اتباع بہت ضروری ہے۔

(۸) ایک جدید معمول یہ مقرر کیا گیا ہے کہ طلبہ مساجد میں اقامت نہ کریں

لباس طلبہ: (۱) لباس کی بھی ذمہ داری نہیں ہے اگر کہیں سے جوڑے بنے بنائے آئے یا کپڑا آیا تو بعد تحقیق اس امر کے کہ دائرہ شریعت میں داخل ہیں لے لئے جاتے ہیں اور ضرورت مند طلبہ کو تقسیم کر دیئے جاتے ہیں، اور اگر کسی وجہ

سے موافق شرع کے نہ نکلے تو واپس کر دیئے جاتے ہیں، خصوصاً حصص میراث کی سخت تحقیق ہوتی ہے اگر کوئی وارث میت کے جوڑے پر رضامند نہ ہو یا ورثہ میں نابالغ ہوں تو بھی واپس کر دیئے جاتے ہیں۔

(۲) گاہ گاہ سخت حاجت کے وقف جب کہ نقد میں گنجائش ہو پارچہ کے لیے نقد بھی دیا جاتا ہے۔

(۳) لحاف توشک دلامی دوہرے روئی دار انگر کھے جو آتے ہیں یا بنوائے جاتے ہیں تو وہ بعینہ مدرسہ میں محفوظ رہتے ہیں، موسم سرما میں طلبہ کو استعمال کے لیے دے دیئے جاتے ہیں، اور موسم سرما گزرنے کے بعد واپس لے کر رکھ لئے جاتے ہیں۔

(۴) کپڑے و رضائی جیسے کہ ضرورت مند طلبہ کو دیئے جاتے ہیں اسی طرح جماعت ذاکرین کو بھی دیئے جاتے ہیں اسی طرح نقد سے خدم کئے جانے میں بھی وہ شریک ہیں۔

داخلہ طلبہ: (۱) داخلہ کے لیے کسی خاص کتاب تک امتحان دینے کی شرط نہیں قواعد بغدادی والے اور مشکوۃ شریف والے برابر ہیں۔

(۲) داخلہ کے لیے نیک چلن سلیم الطبع ہونا شرط ہے۔

(۳) یہ ضروری نہیں کہ جو طالب علم آوے اس کو داخل ہی کر لیا جاوے بلکہ اگر مدرس کے پاس وقت خالی ہو یا کسی بڑے طالب علم کے متعلق سبق کا انتظام ہو جاوے تو داخل کر لیا جاتا ہے ورنہ صاف جواب دے دیا جاتا ہے۔

(۴) داخلہ میں بیرونی طلبہ اور شہری سب برابر ہیں (۵) جو شخص بیرونی کم سن بچوں کو داخل کرنا چاہے وہ ان بچوں کے لیے اگر کوئی نگراں تنخواہ دار یا بلا تنخواہ مقرر کر دے تو داخل کر لیے جاتے ہیں، ورنہ داخل نہیں کئے جاتے۔

امتحان: (۱) ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو گذشتہ ماہ کی خواندگی میں تمام طلبہ

کے قرآن شریف وفارسی وعربی کا امتحان ہوتا ہے۔

(۲) ادنی درجہ کی کامیابی کے نمبر (۱۵) ہیں، اوراعلی درجہ (۲۰) ہیں۔

(۳) جو طالب علم یکے بعد دیگرے تین ماہ نمبر کامیابی حاصل نہ کرے وہ مدرسہ سے علیحدہ کردیا جائے گا۔

(۴) جو طالب علم اکثر غیر حاضر رہتا ہو یا کوئی بدچلنی ثابت ہو وہ بھی خارج کردیا جائے گا۔

(۵) امتحان سالانہ نہیں ہوتا ہے۔

(۶) سالانہ یا شماہی کوئی جلسہ نہیں ہوتا ہے، لیکن طلبۂ قرآن کے لیے ایسا ہوتا ہے کہ جوان میں فارغ ہو جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد اس سے کچھ سن کر تطیب قلب کے لیے اس کو ایک دستار دی جاتی ہے، جو طلبہ درس عربی سے فارغ ہوں گے ان کے لیے بھی انشاء اللہ یہی معمول جاری رہے گا۔

تعطیل رخصت مدرسین ودیگر امور

(۱) تدریس کے لیے کوئی مدرس خاص لزوم کے درجہ میں نہیں بلکہ جو علماء فارغین یہاں بغرض ذکر وشغل مقیم ہیں وہ بھی درس دیتے ہیں، لیکن چونکہ وہ علماء مقیمین التزام سے مقیم نہیں رہتے اور اس صورت میں طلبہ کا خصوصاً مبتدیوں کا زیادہ حرج ہے اس لیے ایک مدرس عربی و فارسی اور ایک مدرس قرآن تو کلاً علی اللہ بھی مقرر ہیں، اور ایک قاری مجوّد کی تجویز ہے۔

(۲) مدرسین کی تنخواہ کی ذمہ داری نہیں اگر خرچ آتا رہے گا تنخواہ ملتی رہے گی ورنہ نہیں۔ غرض طلبہ کی طرح مدرسین بھی متوکل ہیں۔

(۳) کل وقت درس دن بھر میں چھ گھنٹہ معمول ہے اس کی ابتداءً انتہا

حسب معمول اختلاف موسم بدلتی رہتی ہے۔

(۴) جمعہ کو ہمیشہ اور سال بھر میں ۲۰/رمضان سے یکم شوال تک اور ۹/ذی الحجہ سے ۱۳/ذی الحجہ تک تعطیل رہتی ہے۔

(۵) یکم رمضان سے ۲۰/رمضان تک اول وقت یعنی صبح کو مدرس قرآن طلبہ قرآن کا قرآن مجید سنتا ہے اور مدرس عربی کے یہاں اگر مبتدی بچے ہوں تو وہ بھی ۲۰/رمضان تک اول وقت پڑھاتا ہے اور دوسرے وقت دونوں درجوں کی تعطیل رہتی ہے۔

(۶) اگر مدرسین استدعا کریں تو سال بھر میں پندرہ یوم کی رخصت متفرق طور سے دے دی جاتی ہے اور اس سے زائد کے لیے تنخواہ (جو توکل کے طور پر ملتی ہے) وضع کی جاتی ہے۔

(۷) بیماری کی وجہ سے پندرہ یوم کی رخصت متفرقاً یا مجتمعاً دے دی جاتی ہے، اور اس سے زائد کی صورت میں تنخواہ وضع کی جاتی ہے، ان سب معمولات میں ہمیشہ باقتضاء وقت و مصلحت تغیر و تبدل ہوسکتا ہے مگر ہر حالت میں یہ امر ملحوظ رہے گا کہ سادگی و توکل کی شان سے نہ نکلے۔

تربیتِ اخلاق

(۱) اس مدرسہ کا مہتم بالشان جز و اصلاحِ نفس و تہذیب اخلاق ہے۔

(۲) جو طلبہ مدرسہ کے احاطہ میں مقیم ہوں ان پر یہ لازم کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اختلاط نہ کریں اور اس کی سخت نگرانی کی جاتی ہے۔

(۳) آپس میں ایک کو دوسرے کے حجرے میں جانے کی اجازت نہیں ہے، اور سوائے وقت درس کے ایک جگہ بیٹھنے کی، باتیں کرنے کی ممانعت کی جاتی ہے۔

(۴) وضع بالکل سادہ رکھیں خلاف شرع اور زیب وزینت سے قطعاً روکا جاتا ہے۔
(۵) بچے بال نہیں بڑھانے پاتے اکثر سر منڈایا جاتا ہے۔
(٦) بلا اجازت اپنے نگراں یا استاذ کے بازار وغیرہ جانے سے روکے جاتے ہیں۔
(۷) شہر کے لڑکوں سے ارتباط واختلاط کی بالکل اجازت نہیں ہے۔
(۸) بار بار وطن جانے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔

بعض قواعد ضروریہ متعلقہ تحویل

(۱) مدرسہ وخانقاہ کی کسی مد کی رقم سے کسی کو قرض نہ دیا جاوے، نہ طالب علم کو نہ مدرس کو نہ مہتمم کو نہ شیخ کو نہ اور کسی معین وملازم کو تا بدیگرے چہ رسد۔ اور اگر کوئی متولی ایسی غلطی کرے ضمان داخل کرے، گو وہ رقم ایسی ہی ہو جو نہ مدرسہ کے نامزد ہو نہ خانقاہ کے بلکہ اس کا صرف کرنا بالکل موِلّی یا متولی کے اختیار میں دیا گیا ہو کہ جس مصرف خیر میں چاہے صرف کرے، کیونکہ آخر امانت تو وہ بھی ہے۔

(۲) تحویل ہمیشہ اپنے صندوق میں رہنا چاہئے جس میں کم از کو دو مختلف کنجیوں کے قفل لگائے جایا کریں ان میں سے ایک کنجی متولی کے پاس اور دوسری موِلّی یعنی متولی مقرر کرنے والے کے پاس، اور درصورت اس کی موت یا بُعد وغَیبت کے شیوخ حاضرین خانقاہ ہی سے کسی شیخ کے پاس اور درصورت عدم حضور کسی شیخ کے، خود متولی اپنے تدیّن سے کسی ایسے شخص کو تجویز کرلے جو تدین کے ساتھ متولی سے مغلوب نہ ہو، اور جب کوئی رقم تحویل سے لی جائے تو ان دونوں شخصوں کے اجتماع اور مشاہدہ سے لی جاوے، اور دوسرے کنجی برادار کا تبدل موِلّی کے زندہ ہونے پر اس کے مشورہ پر موقوف ہے اور اس کے زندہ نہ ہونے پر مستقلاً متولی کی رائے پر ہے۔

تنبیہ

(۱) اگر صندوق میں بہت ہی قلیل رقم ہو یا کسی وقت نہ ہو تب بھی اس قاعدہ کی پابندی بمصلحت اعتناء بہت ضروری ہے۔

(۲) متولی کو ایک ماہ کے اوسط خرچ سے زیادہ رقم نکال کر اپنے پاس رکھنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) ہر ماہ کے اخیر پر جمع وخرچ وبقایا کو درج کر کے دوسری کنجی بردار حساب کو جانچ کر بقایا موجودہ کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر رجسٹر پر دستخط کیا کرے۔

(۴) ضرورت شدیدہ کے وقت ایک مد سے دوسری مد کے لیے قرض لیا جاسکتا ہے، مگر رقم واجب التملیک اس سے مستثنیٰ ہے۔

ضمیمہ ثالث (تنبیہات وصیت)

باب (۳)

فصل (۱)

اختلافات، فسادات، ہنگامہ، اسٹرائک

ہر اختلاف برا نہیں

فساد کے معنی ہیں حالت کا اعتدال شرعی سے نکل جانا اور افتراق ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کبھی اتفاق سے بھی فساد ہوتا ہے پس ایسا اتفاق بھی مذموم ہے۔

قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کبھی جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے، جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل کا حکم ہے۔

نا اتفاقی اس واسطے مذموم ہے کہ یہ دین کو مضر ہے اور اگر دین کو مفید ہو گو دنیا کو مضر ہو تو وہ مذموم نہیں، چنانچہ ایک نا اتفاقی وہ ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا، کیا اس نا اتفاقی کو کوئی مذموم کہہ سکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں جو کفار تھے ان میں باہم اتفاق و اتحاد کامل تھا مگر کیا اس اتفاق کو کوئی محمود کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کی بنیادیں اکھاڑ کر پھینک دی تھیں کیونکہ یہ خلاف حق پر تھا۔

(ملفوظات، کمالات اشرفیہ ص: ۳۶-۳۷)

اختلاف کے محمود و مذموم ہونے کا معیار

خوب سمجھ لو کہ اتفاق اسی وقت مطلوب و محمود ہے جب کہ دین کو مفید ہو، اور نا اتفاقی جب ہی مذموم ہے جب کہ دین کو مضر ہو۔ اور اگر دین کو مضر اور نا اتفاقی دین کو مفید ہو تو اس وقت نا اتفاقی ہی مطلوب ہوگی۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص:۲۶)

اختلاف کی وجہ سے فریقین اور پوری جماعت سے بدگمان ہونا صحیح نہیں

میں یہ نہیں کہتا کہ اس اختلاف میں مولویوں کی خطا نہیں بلکہ ضرور ہے۔ مگر آپ کی اتنی شکایت ضرور کروں گا کہ اس اختلاف کی وجہ سے سب کو چھوڑ دینا بے ترتیب اور غلط رائے ہے۔ بعض لوگ علماء کو رائے دیتے ہیں کہ سب مولویوں کو متفق ہو جانا چاہئے، نا اتفاقی بُری چیز ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے یا اس کے لیے کوئی قید بھی ہے؟ اگر نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے اور اس کی وجہ سے ہر فریق مجرم ہو جاتا ہے تو عدالت کو چاہئے کہ جب اس کے پاس کوئی دعویٰ پیش کرے تو تحقیق مقدمہ کے قبل ہی مدعی و مدعی علیہ دونوں کو سزا دیا کرے کیونکہ دعویٰ اور انکار سے دونوں میں نا اتفاقی ہونا ثابت ہو گیا اور نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے تو مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں مجرم ہوئے۔ اگر عدالت ایسا کرے تو سب سے پہلے آپ ہی مخالف ہوں گے اور شور غل مچائیں گے کہ یہ کون سا انصاف ہے۔

پس علماء کی باہم نا اتفاقی اور اختلاف سے آپ کا سب کو مجرم بنانا اور ہر فریق سے یہ کہنا کہ دوسرے سے اتفاق کر لو، غلط رائے ہے، بلکہ اوّل آپ کو تحقیق کرنا چاہئے کہ حق پر کون ہے ناحق پر کون ہے، پھر جو ناحق پر ہو، اسے مجرم بنایئے اور اس کو

اہل حق کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور کیجئے۔ ورنہ اہل حق کو دوسروں کے ساتھ مجبور کرنے کے تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ حق کو چھوڑ کر ناحق طریق اختیار کرلیں اور اس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا۔ مولویوں کی شکایت ہم کو بھی ہے مگر صرف ان کی جو ناحق پر ہیں۔ (التبلیغ، اسباب الفقہ ۱۰/۱۳۷)

حق کا تقاضا

فرمایا مقتضائے حق یہی ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اوّل یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون اور ناحق پر کون، جب حق متعین ہوجائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے، چنانچہ نص ہے ''فَقَاتِلُوا الَّتِی تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہ''۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ ص:۲۷)

فیصلہ کرنے اور صلح کرانے کا طریقہ

فرمایا اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جائے اور یقیناً صاحب حق کو دبانا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ پس صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آج کل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے، یہاں تک کہ جس کا حق ہوتا ہے اس کو بھی دبایا جاتا ہے۔ بلکہ صلح کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے، کیونکہ صاحب حق کو دبانا اضرار (یعنی نقصان پہنچانا) ہے اور غیر صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بلکہ اس میں تو اس کو اضرار سے روکنا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ''وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا الآیۃ'' مطلب یہ ہے کہ صحیح بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر اس پر راضی نہ ہو تو سب مل کر غلط بنیاد ڈھادو۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ ص:۸۱، ملفوظ نمبر ۳۷۶)

اگر مدرسہ میں اختلاف ہو جائے تو کیا کریں؟

ارشاد فرمایا کہ جب کسی معاملہ میں لوگ تم سے جھگڑا کریں تو تم رطب و یابس سب اس کے حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جاؤ۔ حضرتؒ نے فرمایا میرا عمر بھر کا یہی معمول ہے، حضرت نے اپنے معمول پر ایک حدیث سے بھی استدلال فرمایا ہے جو جامع صغیر میں رزین سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے کہ **نِعْمَ الرَّجُلُ الفَقِيْهُ اِنِ احْتِيْجَ إِلَيْهِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِيَ أَغْنٰى نَفْسَهٗ**۔

بہت اچھا وہ مرد فقیہ ہے کہ اگر لوگ اس کی ضرورت محسوس کریں تو ان کو نفع پہنچائے اور اگر لوگ اس سے استغناء برتیں تو یہ بھی ان سے استغناء کا معاملہ کرلے۔

اور فرمایا کہ اسی لیے آج کل دار العلوم دیوبند کی سرپرستی سے بھی استغناء دے دیا ہے، مجھے جھگڑوں اور سوال و جواب میں پڑنے کی کہاں فرصت ہے۔

(مجالس حکیم الامت ص: ۱۹۰)

حضرت کا ایک واقعہ، اگر مخالفین مدرسہ خالی کروانا چاہیں

فرمایا اس زمانہ میں یہاں بھی تجویز ہوئی تھی کہ ان سے خانقاہ و مدرسہ خالی کرانا چاہئے اور میں ہر وقت اس پر تیار تھا کہ اگر ایک بچہ نے بھی آکر مجھ سے کہا میں فوراً بلا مزاحمت خانقاہ خالی کردوں گا، احباب کو یہ سوچ تھی کہ پھر یہ مجمع کہاں رہے گا، خدا کی قدرت اسی زمانہ میں یہ عجیب قصہ پیش آیا کہ فلاں جگہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس شخص نے چار ہزار کی رقم کے متعلق وصیت کی کہ یہ رقم تھانہ بھون کے فلاں خانقاہ و مدرسہ کو بھیج دی جائے، چنانچہ اس رقم کی یہاں اطلاع آئی اور وہ رقم اتنی تھی کہ اگر خانقاہ از سر نو تعمیر کراتا تب بھی اس سے ممکن تھا۔ چنانچہ میں نے ایک جگہ تجویز کرلی تھی مگر بفضلہٖ تعالیٰ سب کی گردنیں نیچی رہیں۔ بعد میں ان کے بعض سرغنہ آکر

درخواست کرنے لگے کہ یہاں سے نہ جایئے ورنہ ہماری بڑی رسوائی ہوگی، میں نے اس وقت یہ کہنا مناسب سمجھا کہ میں تو حضرت حاجی صاحب کا بٹھلایا ہوا ہوں کیسے جاسکتا ہوں، ہم نے اس حالت میں بھی عدالتوں میں کسی طور پر بھی جانا پسند نہیں کیا۔

(القول الجلیل ص:٦٦)

اگر مدرسہ میں ہنگامہ اور اسٹرائک کی نوبت آجائے

آج کل مدرسہ دیوبند میں ایک شور برپا ہے سخت شورش ہورہی ہے اور اس شورش کو رفع کرنے میں مہتمم مدرسہ اور اراکین سب کوشاں ہیں، مگر میں نے مہتمم صاحب کو لکھ دیا ہے کہ تم اسی وقت سے ہر نتیجہ کے لیے آمادہ ہوجاؤ، یہ تجویز ذہن میں نہ کرو کہ مدرسہ رہے یا تمہارے ہاتھ میں رہے بلکہ اگر مدرسہ ٹوٹ جائے تو تم بھی اس پر راضی ہوجاؤ۔ اور خدا پر نظر کر کے قوت کے ساتھ اپنے اصول پر قائم رہو، اور یہ قوت بدون تفویض کے پیدا نہیں ہوسکتی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو، کیونکہ تفویض ترک تدبیر کا نام نہیں ہے، تفویض یہ ہے کہ تدبیر کرو، مگر اس پر نظر نہ کرو اور اپنی تجویز سے کوئی شق نتیجہ کی معین نہ کرو کہ یوں ہونا چاہئے میرے اس لکھنے کا یہ اثر ہوا کہ مہتمم صاحب بڑے مضبوط ہوگئے اور لکھتے ہیں کہ تیری وجہ سے ہمیں بہت قوت ہوگئی۔

(بدائع ص:۱۸۶، بدیعہ ص:٦٩)

مولانا گنگوہیؒ کی تحریر ہے جس کو مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہما کے نام پر تحریر فرمایا تھا جب کہ وہ مخالفین کی وجہ سے کچھ پریشان تھے۔ اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ میرے عزیزو! تم کیوں پریشان ہوتے ہو، مدرسہ مقصود نہیں حق تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہے اور اس کے بہت سے طرق ہیں منجملہ ان کے ایک مدرسہ بھی ہے، اگر مدرسہ رہے، کام کیئے جاؤ اور اگر نہ رہے کسی اور جگہ بیٹھ کر کام

کر لینا۔(ملفوظات جدید ملفوظات ص:۴۸)

شورش ہنگامہ ختم کرنے کی ایک عجیب تدبیر

فرمایا میں نے شورش کے زمانہ میں حضرات مدرسہ دیو بند کو لکھا کہ اب تک تو آپ تدبیرات میں رہے اب ترک تدبیر کر کے بھی دیکھ لیا جائے یہ نسخہ بھی بڑا مجرب ہے اور اس ترک تدبیر میں اگر نقصان بھی ہوا تو اتنا نہ ہوگا جتنا تدبیرات میں ہوا ہے، مگر اکثر لوگ تدبیرات ہی میں لگے رہتے ہیں۔(الکلام الحسن ص:۲۳)

مدارس کی تباہی اور فتنہ وفساد کے اسباب

آج کل مدارس میں فتنہ وفساد اور بے برکتی ہو رہی ہے، اس کا سبب، میں چندوں میں قلت احتیاط کو سمجھتا ہوں، اس چندہ کے باب میں آج کل ایسی گڑ بڑی ہو رہی ہے کہ جائز و ناجائز کو بھی بہت کم کر دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بدون طیب خاطر (دلی رضامندی کے بغیر) کسی سے وصول کرنا بالکل ناجائز ہے اور اس سے احتیاط شاذ و نادر کی جاتی ہے۔(الافاضات الیومیہ ۲۶/۸)

عمومی مرض

بعض باتیں ظاہر کرنے کی نہیں ہوتیں مگر اس لیے ظاہر کیے دیتا ہوں کہ شاید اس کو سن کر لوگ اپنی حالت درست کر لیں، اس وقت لوگوں میں یہ مرض بہت شدت سے پھیل رہا ہے کوئی تو خاص اصلی گناہ ہی میں مبتلا ہے اور کوئی اس کے مقدمات یعنی اجنبی لڑکے یا اجنبی عورت پر نظر کرنا، حدیث میں ہے اَللِّسَانُ یَزْنِیْ الخ اس میں ہاتھ لگانا بری نگاہ سے دیکھنا سب داخل ہے یہاں تک کہ جی خوش کرنے کے لیے کسی حسین لڑکے یا لڑکی سے باتیں کرنا یہ بھی زنا اور لواطت میں داخل ہے اور قلب کا زنا سوچنا ہے

جس سے لذت حاصل ہو، جیسے زنا میں تفصیل ہے ایسے ہی لواطت میں بھی، اس بلا میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہو، ورنہ ابتلاء عام ہے۔

جب تھانہ بھون میں طاعون پھیلا تو طاعون کے قبل ایک روز اخیر شب میں بیٹھا ہوا تھا نیند کا سا غلبہ ہوا اور قلب میں یہ بات آئی ''اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰی اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ رِجْزًا مِنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ'' جو کہ قوم لوط پر عذاب کے ذکر میں آئی ہے۔ اس پر میں نے لوگوں کو آگاہ کیا اور میں جانتا ہوں کہ اس زمانہ میں لواطت کا مرض لوگوں میں زیادہ ہے، اس سے توبہ کرو ورنہ عذاب کا اندیشہ ہے۔ میں نے اس کو وعظ میں بیان کیا مگر لوگوں نے توجہ نہ کی آخر کار عذاب آ ہی گیا اور بہت طاعون پھیلا غرض ایک سبب وہ بھی نکلا جو قوم لوط میں تھا۔

(حسن العزیز ۴/۱۶۱، دعوات عبدیت ۹/۱۸، الاتعاض الغیر)

فرمایا کہ طلبہ میں آزادی بہت ہی آ گئی ہے ہر شخص خود مختار ہو گیا کہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے یہی وہ مرض ہے جو دیوبند کے طلبہ میں بڑھ کر ان واقعات کا سبب بن گیا جو آج کل ظاہر ہو رہے ہیں۔ (یعنی ہنگامہ اسٹرائک)۔ (التبلیغ ۱۷/۸)

اختلافات کی جڑ و بنیاد

فرمایا ہمارے حضرت مرشد فرمایا کرتے تھے کہ اختلاف و منافرت کی بنیاد کبر ہے۔ اختلاف ہمیشہ نفسانیت اور ترفع سے ہوا کرتا ہے۔

(مجالس حکیم الامت ص: ۲۷۸، حسن العزیز ۴/۲۴۲)

اتحاد و اتفاق کس طرح باقی رہ سکتا ہے

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے، دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا کیونکہ جب کسی شخص میں تواضع ہوتی ہے تو اس کو یہ مشکل نہیں

معلوم ہوتا کہ اپنے آپ کو دوسرے کا تابع بنادے۔ اور اپنی رائے کو دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اصرار نہ کرے اور متکبر سے یہ کام کبھی نہیں ہوتا۔

(مجالس حکیم الامت ص:۹۸)

اتفاق کی جڑ تواضع ہے جو لوگ متواضع ہوں گے آپس میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا اور بدون تواضع کے کبھی اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا۔ (محاسن الاسلام وصیۃ العرفان، ماخوذ)

مدارس میں انجمن بازی کی خرابی

فرمایا: متعارف انجمن بازی کے خلاف ہوں خصوصاً مدارس دینیہ میں کیونکہ اس سے حریت (آزادی) پیدا ہوتی ہے جو مدارس کے واسطے زہر ہو جاتی ہے۔

ایک مولوی صاحب نے یہ کیا کہ پڑھنے والے لڑکوں کی انجمن بنائی، کسی طالب علم سے قصور ہو جاتا تو طلبہ سے مشورہ لیتے کہ کیا سزا دینا چاہئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن سب طلبہ نے متفق ہو کر کسی بات میں مولوی صاحب کی مخالفت کی آخر مولوی صاحب کو علیحدہ ہونا پڑا، یہ اثر ہے آزادی کا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسی انجمنوں میں تقریر بھی لازم ہے اور تقریر کی فکر میں درسیات کا مطالعہ نہیں کرتے مضمون ہی تلاش کرتے رہ جاتے ہیں تعلیم چوپٹ ہو جاتی ہے، اس لیے میں نے اپنے یہاں انتظام کیا ہے کہ اگر کوئی کافیہ پڑھنے والا ہے تو کافیہ ہی کا کوئی مضمون دے دیا کہ اس کی تقریر کرو، اور اگر مشکوٰۃ پڑھ چکا ہے تو کوئی حدیث دے دی کہ اس کی تقریر کرو اس سے زبان بھی کھل جاتی ہے یعنی بولنے کا عادی بھی ہو جاتا ہے اور پڑھانے کا ڈھنگ بھی آجاتا ہے اور تعلیم کا نقصان بھی نہیں ہوتا۔ (الکلمۃ الحق ص:۱۲۴)

آج کل کے جلسے اور انجمنیں بالکل رسم بلا معنی ہیں، اور صورت بھی ٹھیک نہیں

اور لوگوں نے ان کو محض رسم سمجھ کر اختیار کیا ہے نفع پہنچانا ہرگز مقصود نہیں۔

(تجارت آخرت ص:۳۰)

آپسی اختلافات، گروہ بندیاں اور ان کی مذمت

باوجود اس کے کہ سب مدارس اسلامیہ کی غرض متحد ہے مگر پھر بھی ان میں سے بعض میں باہم تزاحم و تصادم ہوتا ہے کہیں علانیہ کہ ہر مدرسہ کی طرف سے دوسرے مدرسہ کے خلاف تحریراً و تقریراً سعی ہوتی ہے، اشتہارات میں دوسرے کو گھٹایا جاتا ہے اہل چندہ کو دوسری جگہ اعانت کرنے سے منع کیا جاتا ہے اور کہیں خفیہ طور پر کہ عوام کو تو اطلاع نہ ہو مگر کارکن لوگ اور دوسرے اہل فہم بھی سمجھ جاتے ہیں پھر شدہ شدہ عوام پر بھی اس کا ظہور ہو جاتا ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ بس یہ مدارس اسی غرض سے قائم کئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے مال وجاہ حاصل کریں پھر یہ تزاحم یہاں تک ترقی کرتا ہے کہ اہل چندہ سے متجاوز ہو کر طالب علموں تک کو ہر مدرسہ اپنی طرف کھینچتا ہے حتی کہ بعض اوقات طالب علموں کی اطاعت کی جاتی ہے کہ یہ سب دلیل ہے عدم خلوص اور عدم للّٰہیت کی۔ (حقوق العلم ص:۹۱)

مولویوں کو برا بھلا کہنا اور ان کی برائی سننا

''دوسرے مولویوں کو برا بھلا کہنا'' کہ علاوہ اس کے کہ بعض اوقات معصیت بھی ہو جاتی ہے عوام پر برا اثر ہوتا ہے، وہ سب سے بدگمان ہو جاتے ہیں، اگر کسی صاحب کو باطل کے شر سے بچانا ہی ضروری ہو تو تہذیب کے ساتھ اطلاع کر دینا کافی ہے اور جس طرح خود اس میں مشغول ہونا مضر ہے اسی طرح کسی دوسرے مشغول کے ساتھ شریک ہو جانا یعنی کسی دوسرے شکایت کرنے والے سے مولویوں کی شکایت سن لینا بھی ایسا ہی مضر ہے۔ (حقوق العلم ص:۹۶، تجدید تعلیم ص:۱۱۷)

اہل علم وعلماء کو بدنامی وبدگمانی سے بچانے کا اہتمام بہت ضروری ہے

فرمایا دینی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء کی نصرت کرنا چاہئے اگرچہ وہ بدعمل بھی ہوں، اگر عوام کے قلب سے علماء کی وقعت گئی تو دین کا خاتمہ ہوجائے گا، کیونکہ پھر وہ سب ہی علماء سے بدگمان ہوکر کسی بات پر دھیان بھی نہ دیں گے۔

(مجالس حکیم الامت ص:۱۳۱)

فرمایا جب کوئی عام آدمی علماء پر اعتراض کرتا ہے تو اگر وہ اعتراض صحیح بھی ہو جب بھی یہ جی چاہتا ہے کہ علماء کی نصرت کروں، جو بظاہر عصبیت ہے مگر میری نیت درحقیقت یہ ہوتی ہے کہ عوام علماء سے غیر معتقد نہ ہوں ورنہ ان کے دین وایمان کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص:۱۶۶)

فرمایا علماء کی وقعت عوام کے قلب سے ہرگز کم نہ کرنی چاہئے، میں گوشہ نشینوں سے مدرسین کو افضل سمجھتا ہوں جو کام میں کررہا ہوں یعنی تربیت سالکین اگر یہ دوسری جگہ ہوتا تو میں کتابیں پڑھاتا۔ (القول الجلیل ص:۷۹)

علماء کی نصرت وحمایت اوران کو بدنامی سے بچانے کا اہتمام

فرمایا مجھ کو اس کا تحمل ہی نہیں کہ ایک بے علم جاہل کسی عالم پر اعتراض کرے یا اس کی اہانت کرے، ''بگھرا'' ایک قصبہ ہے وہاں ایک جلسہ ہوا تھا، علماء کرام کے احترام کے لیے جلسہ گاہ کو سجایا گیا، بلیوں پر کپڑا منڈھا گیا، پنڈال بنایا گیا بعض علماء دیوبند یہ حال دیکھ کر وہاں سے واپس ہوگئے، اتفاق سے اسی زمانہ میں مدرسہ دیوبند میں لاٹو لفٹنٹ گورنر آئے تھے، وہاں ان کے لیے اسی قسم کا تکلف کیا گیا تھا، اس پر

ایک صاحب نے میرے سامنے اعتراض کیا کہ اپنے لیے مولوی سب کچھ جائز کر لیتے ہیں، اور دوسروں کے لیے ناجائز، میں نے کہا ضیف (مہمان) کا اکرام اس کے مذاق کے موافق کیا جاتا ہے، سو وہاں ضیف (مہمان) تھا ایک دنیادار اس کا احترام یہی تھا اور یہاں ضیف (مہمان) تھے علماء کرام، ان کا یہ احترام نہ تھا، تم کو بالکل فہم نہیں ہے تم دونوں کو ایک ہی بات سمجھتے ہو دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اس جواب کا منشاء زیادہ تر یہ تھا کہ عوام کو علماء پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو، جن صاحب نے اعتراض کیا تھا ان سے یہ میری گفتگو تھی، میں نے یہ بھی کہا کہ میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ جواب میں نے اس نیت سے نہیں دیا ہے کہ یہ اہتمام اچھا ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ متفق ہوں، مگر نیت سے قطع نظر دیکھنا یہ ہے کہ جو وجہ میں نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں کہنے لگے جی ہاں وجہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے کہا اصل منشاء اس جواب کا یہ ہے کہ علماء کا اعتقاد عوام کے قلب سے نہ نکلے کیونکہ اس اعتقاد کا کم ہو جانا بڑی خطرناک بات ہے، اگر عوام کا عقیدہ علماء سے خراب ہو گیا تو پھر عوام کے لیے کوئی راہ نہیں گمراہ ہو جائیں گے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ چاہے عالم بدعمل ہی کیوں نہ ہو مگر فتویٰ جب دے گا صحیح ہی دے گا۔

(الافاضات ۱/۲۲۳)

مدرسہ والوں پر اعتراض اور مدارس کے منتظمین کے لیے اہم ہدایت

فرمایا مختلف وفود جو مدرسہ میں محاسبہ کے لیے آتے ہیں ان کو کچھ جواب نہ دیا جائے، اور نہ مدرسہ کے بارے میں ان سے کچھ گفتگو کی جائے بلکہ صاف یہ کہہ دیں کہ جو کچھ کہنا ہو اہل شوریٰ سے کہیں، پھر وہ ہم سے کہیں اور ہم سے جواب لے کر تم سے کہہ دیں، یہ ہے باقاعدہ جواب۔

میں نے حضرات دیوبند کو فتنہ کے زمانے میں یہ پیام کہلا بھیجے تھے، ایک یہ کہ عام معترضوں سے سوال و جواب کرنا مفید نہیں، جو شخص مدرسہ پر اعتراض کرے ایک دفعہ اس کے سامنے حقیقت ظاہر کر دے پھر جواب نہ دے۔

دوسرے یہ کہ یہ اعلان کر دیا جائے کہ ہم اصول صحیحہ پر مدرسہ چلائیں گے اور چندہ کا حساب ایک دفعہ شائع کر دیں گے اور ہر شخص کو حساب نہ دیں گے اگر ان شرائط کے ساتھ کسی کو ہم پر اعتماد ہو تو چندہ بھیجے ورنہ نہ دے۔ (الکلام الحسن ص:۵۴)

جس شخص کو کسی کام کا اہل مان لیا جائے اس کے افعال پر اعتراض نہ کرنا چاہیے، اگر کسی کے فعل کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو کسی وقت اس سے بطور عرض کے اس سے سوال کیا جا سکتا ہے۔

اعتراض کی اصلاً گنجائش نہیں کیونکہ اس کو جاننے والا تسلیم کیا جا چکا ہے، بعض لوگ مدرسوں میں جاتے ہیں تو طرح طرح کی رائے دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ کورس ایسا ہونا چاہیے، کوئی کہتا ہے کہ خودداری کی تعلیم ہونا چاہیے، تم کیا جانو، جو لوگ اس کے اہل ہیں جن کے ہاتھ میں مدرسہ ہے وہ اس کے نشیب و فراز کو سمجھ سکتے ہیں، آپ نے ان کے ہاتھ میں مدرسہ دے دیا ہے تو ان کی رائے میں دخل نہ دیجئے۔

ہاں اگر ان میں نااہلیت ثابت ہو جائے تو ان کو معزول کر کے کسی دوسرے اہل کے ہاتھ میں مدرسہ دیجئے، اور اس دوسرے کے بارے میں یہی کہوں گا کہ اس کی رائے میں دخل مت دینا، یہ بڑی غلطی ہے کہ ایک شخص کو کسی کام کا اہل مان کر پھر اس کی رائے کو نہ مانا جائے اور اس کے مقابلہ میں رائے زنی کی جائے، غرض جو آدمی جس کام کا ہو اس کو وہ کام کرنے دو۔ (التبلیغ ۲۲/۷)

فصل (۲)

طلبہ اور اسٹرائک

استفتاء (سوال ۵۰۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مذہبی درسگاہوں میں انتظامی امور میں طلبہ کا مدرسین و منتظمین سے مقابلہ میں احتجاجی طور پر اسٹرائک یعنی تعلیمی مقاطعہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اگر مطلقاً اس پر کوئی شرعی حکم اثبات یا نفی کے متعلق ہو تو بدلائل تحریر فرمایا جائے اور اگر اس میں کچھ تفصیل ہو تو ظاہر فرمائی جائے؟

سوال کی وجہ یہ ہے کہ...... مدرسہ میں طلبہ ایک ہفتہ تک اسباق پڑھنے سے ہڑتال کر کے تعلیمی مقاطعہ کر دیا تھا تو کیا ان طلبہ کو اس مقاطعہ کا شرعاً حق تھا یا نہیں اور ان کا یہ فعل شرعاً کیسا تھا؟ بدلائل شرعیہ واضح فرمایا جائے؟

(امداد الفتاوی ۶/۲۰۱)

اسٹرائک کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم

الجواب ھو الموافق للصواب [۱]

اسٹرائک کی حقیقت ایسی جماعت سے قطع تعلقات کرنا ہے جو اسی کے دینی تعلیم میں تعلیماً یا عملاً معین (ومددگار) ہیں، اور تعلیم دین عبادت ہے اور اس کے معین معاون فی العبادت ہیں (اس وجہ سے اس) آیت وحدیث کے مصداق ہیں۔

---

[۱] یہ جواب اصلاً حضرت تھانویؒ کا ہے لیکن اس کے ساتھ حضرت تھانویؒ کی زیرنگرانی مولانا حبیب الرحمٰن کیرانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانی کے قلم سے جو جواب لکھا گیا اس کو بھی حضرت نے اپنے اصل جواب کا جزء قرار دے کر اس کو بھی اس میں شامل فرمالیا۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی.

وفی الحدیث الدنیا ملعونة وما فیها ملعون إلا ذکر اللہ وما والاہ أو عالم أو متعلم۔

تقوی اور نیکی کے کاموں میں تعاون کرو، دنیا اور دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب ملعون ہے سوائے ذکر اللہ کے یا جو اس کے متعلقات وتوابع میں سے ہے اور سوائے عالم اور متعلّم کے۔

اور نیز یہ (اساتذہ) اس کے محسن بھی ہیں، اور عموماً اپنے محسن سے تعلق ومحبت کرنا حدیث ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ'' (یعنی جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا شکریہ ادا نہ کیا) مامور بہ ہے۔

اور حدیث ''من علم عبداً آیة من کتاب اللہ فھو مولاہ لا ینبغی ان یخذلہ ولا یتاثر علیہ ''، یعنی جس نے کسی کو کتاب اللہ کی ایک آیت سکھلا دی تو وہ اس کا آقا ہو گیا، یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اس کو چھوڑ دے یا اس کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دے۔

اس حدیث کے بموجب خصوصیت کے ساتھ اپنے معلم اور اپنے معاون فی الدین (دین کے معاملہ میں جو اس کا مددگار ہو اس) سے عظمت (محبت) کا تعلق رکھنا مامور بہ ہے، (یعنی واجب ہے) اور مامور بہ (واجب) تعلقات کا قطع کرنا آیت ''وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ '' (اور قطع کرتے ہیں وہ لوگ اس رشتہ کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں) کی وجہ سے محل وعید اور فساد میں داخل ہے، اس سے اس رسم کا ممنوع اور مذموم ہونا ثابت ہو گیا۔ یہ تو اس کی ذات کے اعتبار سے اس کا شرعی حکم ہے اور دوسرا حکم عوارض کے اعتبار سے ہے جس کی فہرست طویل ہے۔

(امداد الفتاوی ۲۰۲/۶)

اسٹرائک کی عدم مشروعیت اور عدم جواز کے دلائل

اسٹرائک ایک یورپین کی ایجاد ہے اور مسلمانوں میں نہ کبھی اس کا وجود ہوا اور نہ وہ اس کو جانتے ہیں، اس لیے صراحۃً اس کا حکم قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے ملنا مشکل ہے ہاں اصول شرعیہ سے اس کا حکم معلوم ہوسکتا ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ منتظمین کے خلاف مدارس کے طلبہ کی اسٹرائک کرنا قواعد شرعیہ کی رو سے ناجائز ہے۔

عدم جواز کی پہلی دلیل

اوّلاً اس لیے کہ اسٹرائک کا مقصود منتظمین پر دباؤ ڈالنا، اور ان کو اپنے مطالبات کے ماننے پر مجبور کرنا ہے، اور طلبہ کو کسی حالت میں اس قسم کے دباؤ ڈالنے کا حق نہیں، کیونکہ طلبہ محکوم ہیں اور منتظمین حاکم، اور محکومین پر حاکم کی اطاعت اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ان کو کسی خلاف شرع امر کا حکم نہ دیا جائے۔

پس طلبہ کا منتظمین پر حکومت کرنا قلب موضوع اور شریعت کو بدل دینا ہے لہٰذا اسٹرائک جائز نہیں ہوسکتی۔ (امداد الفتاویٰ ۶/۲۰۳)

عدم جواز کی دوسری دلیل

دوسرے جس وقت طالب علم مدرسہ میں داخل ہوتا ہے اس وقت مدرسہ کے قانون کا التزام کرتا ہے اور جب وہ اسٹرائک کرتا ہے تو مدرسہ کے قانون کو توڑتا ہے، یہ صریح بدعہدی ہے اس لیے اسٹرائک کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ (ایضاً)

تیسری دلیل

چونکہ مدرسہ کا اساسی مقصود تعلیم ہے اور مدرسہ کی عمارتیں انھی طلبہ کے آرام

کے لیے ہیں جو کہ مدرسہ میں تعلیم پائیں، ایسی حالت میں طلبہ کا تعلیم چھوڑ کر مدرسہ کی عمارت پر قبضہ رکھنا ایک غاصبانہ قبضہ ہے، جو کہ جائز نہیں ہوسکتا ہے۔

(ایضاً ص:۲۰۴)

اسٹرائک کے مقاصد و مفاسد

اسٹرائک کی غرض ایسے مطالبات پر جبر کرنا ہے جو ان مقاطعین (اسٹرائک کرنے والوں) کا حق واجب نہیں، اور اس جبر فی التبرع (یعنی تبرعات جو کہ غیر واجب ہوتے ہیں، اس میں جبر کرنے) کی حرمت معلوم ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ مطالبات گو ان مقاطعین (اسٹرائک کرنے والوں) کا حق نہ ہوں مگر حقوق الٰہیہ واجبہ تو ہیں (اہل مدرسہ پر تو ان کی ادائیگی واجب ہے) اور ان کے ترک کرنے پر قطع تعلقات و ہجران (چھوڑ دینا) مشروع ہے۔ سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اسٹرائک کرنے والے ان کے وجوب و عدم وجوب پر ہرگز نظر نہیں کرتے محض اپنی خواہش نفسانی کے خلاف ہونے کی بناء پر شورش (اور ہنگامہ) برپا کرتے ہیں۔

پھر قطع تعلقات ہی پر اکتفاء نہیں کرتے جس کی صورت یہ تھی کہ مدرسہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے بلکہ اہل خیر جماعت کو بدنام کرتے ہیں اور ان پر پھبتیں لگاتے ہیں ان کی غیبتیں کرتے ہیں، جو مطلقاً اہل شر کے ساتھ بھی شرعاً جائز نہیں چہ جائیکہ اہل خیر (اور محسنین) کے ساتھ۔ (امداد الفتاویٰ ۲۰۲/۶)

ظلم در ظلم ضرر در ضرر

ان کے طبقہ میں جو لوگ (یعنی جو طلبہ اسٹرائک میں شریک نہ ہوکر) یکسو رہنا چاہتے ہیں (یہ لوگ) ان پر جبر کرتے ہیں، جس سے ان کا دنیوی اور دینی ضرر ہوتا

ہے جس کی وجہ سے یہ اسٹرائک کرنے والے **یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ** (یعنی اللہ کے راستے سے روکتے ہیں) اور **لاضرار فی الاسلام** (اسلام میں اضرار یعنی نقصان پہنچانا جائز نہیں) کے مصداق بنتے ہیں۔

بلکہ بعض اوقات شخصی ضرر سے گذر کر خود تعلیم گاہ (مدرسہ) کے خطرے میں پڑ جانے کی وجہ سے جمہوری ضرر تک نوبت پہنچ جاتی ہے (جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہے)۔

(آج کل اسٹرائک میں ہوتا یہ ہے کہ) ایک یا کئی سرغنے باقی طلبہ کو اپنے فریب آمیز تقریروں سے قانون شکنی پر آمادہ کرتے ہیں اور جو ان کی فریب آمیز تقریروں سے بھی متاثر نہیں ہوتے ان کو ناجائز دباؤ ڈال کر اپنے اثر میں لاتے ہیں، اور یہ تمام امور شرعاً ناجائز ہیں، اس لیے اسٹرائک بھی جائز نہیں ہوسکتی۔

(امداد الفتاویٰ ۶/۲۰۲-۲۰۴)

ایک بڑا مفسدہ

(یہ اسٹرائک کرنے والے) اپنی اغراض کی تحصیل وتکمیل کے لیے فساق وفجار سے مدد لیتے ہیں جو اس جماعت مقطوعہ کے منکرات مزعومہ (یعنی بزعم طلبہ اہل مدرسہ کے منکرات) سے کہیں زیادہ منکرات حقیقیہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان پر نکیر کی بھی توفیق نہیں ہوتی جس کی وجہ سے آیت: **یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ** ترجمہ: وہ اپنے مقدمے شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں۔

اور............ **کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ.**

ترجمہ: جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے، کی وعید کے محل بنتے ہیں۔

اور اہل باطل کے طریقہ کو اہل حق کے طریقہ پر اعتماداً یا عملاً ترجیح دیتے ہیں

جس کی وجہ وعید ”یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا“ کے مصداق بنتے ہیں۔

وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۶/۲۰۳)

اسٹرائک کے مفاسد اور عدم جواز کے دلائل کا خلاصہ

الغرض اسٹرائک میں چند مفاسد شرعیہ ہیں مثلاً اس کا یورپین بدعت ہونا (۲) شریعت کے حکم کو بدلنا (۳) مدرسہ کے قانون کو توڑ کر بدعہدی کا ارتکاب کرنا (۴) دوسروں کو فریب (دھوکہ) دینا (۵) ان کو عہد شکنی پر آمادہ کرنا (۶) منتظمین پر ناجائز دباؤ کا ڈالنا (۷) ناموافق طلبہ پر جبر کرنا (۸) مدرسہ کے انتظام میں ایسی خرابیاں پیدا کرنا جس کی اصلاح ناممکن ہو کیونکہ طلبہ جب اسٹرائک کے خوگر ہوجائیں گے تو وہ منتظمین کا کوئی ایسا حکم نہ چلنے دیں گے جو ان کی خواہش کے خلاف ہوگا اور اس کا نتیجہ فساد ہونا ظاہر ہے اور کوئی مدرسہ ایسی حالت میں قائم نہیں رہ سکتا، اور اس لیے گویا یہ مدرسہ کو توڑ دینا اور یہ امور ایسے ہیں کہ ان کے ناجائز ہونے میں شبہ نہیں ہوسکتا، اس لیے اسٹرائک ناجائز ہے۔ **وفی مفاسد هذا العمل کثرة لا تحصی، وعلی من تتبع واستقر ألا تخفی۔** (ایضا ۶/۲۰۳)

اسٹرائک کرنے کا نقصان

(اسٹرائک کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اسٹرائک کرنے والے طلبہ) مقطوعین (یعنی اہل مدرسہ) کی ضد وعداوت میں محدود مدت تک یا ہمیشہ کے لیے علوم دینیہ سے محروم ہوجاتے ہیں اور اس آیت کے مشابہ مصداق ہوجاتے ہیں

''بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ'' (بقرہ)

ترجمہ: وہ حالت (بہت ہی) بری ہے جس کو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں اور وہ حالت یہ ہے کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی محض اسی ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہونا نازل فرمائے۔

اسٹرائک کے قائلینِ جواز کے دلائل

فاضل مضمون نگار کا اصلی منشاء یہ ہے کہ ناظم وغیرہ کے مقابلہ میں طلبہ نے جو اسٹرائک کی ہے وہ شرعاً بالکل حق بجانب ہے اور زمانۂ اسٹرائک میں ان طلبہ کا کھانا بند کر دینا یا بورڈنگ سے نکال دینا جائز نہیں۔ اس کے اثبات یا تائید یا تمہید کے لیے اپنے مجموعی طور سے چار واقعات ذکر کئے ہیں۔

دلیل اوّل: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے جرم میں مسطح کا نفقہ بند کر دیا اور قسم کھائی تھی کہ ان کو کبھی کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچائیں گے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو اخلاقی حیثیت سے روک دیا۔

دوسری دلیل: دنیا میں سب سے زیادہ تمدن دیہات کا ہوتا ہے لیکن تمام دیہاتوں میں کوذات (بائیکاٹ) کرنے کا طریقہ جاری ہے جس کی رو سے ایک شخص کا حقہ پانی کھانا پینا بند کر دیا جاتا ہے (گویا یہ بھی اسٹرائک کی ایک سادہ شکل ہے)۔

تیسری دلیل: ابتدائے بعثت میں تمام قریش نے اس مضمون کا ایک عہد نامہ لکھ کر خانۂ کعبہ میں لٹکا دیا تھا کہ قریش میں کوئی شخص بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو اپنی لڑکی نہ دے گا، ان سے لین دین خرید و فروخت نہ کرے گا ان سے ہم کلام نہ ہوگا

وغیرہ وغیرہ۔

چوتھی دلیل: اسلام میں جب کسی شخص نے قومی منافع پر شخصی فوائد کو ترجیح دی تو اس کے خلاف صحابہ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا طرز عمل اختیار فرمایا، غزوہ تبوک میں تن آسانی کی وجہ سے شریک نہ ہونے پر کعب بن مالک، مرارۃ ابن الربیع اور ہلال بن مرۃ پر سخت ناراضی ظاہر کی، اور تمام صحابہ کو ایک مدت تک ان کے ساتھ سلام و کلام اور نشست و برخاست کی ممانعت رہی آخر کار جب خدا کے یہاں سے ان تینوں کی معافی کا پروانہ آ گیا تب اسٹرائک ٹوٹی (صحیح بخاری) یہ خلاصہ ہے ان حضرات کے دلائل کا جو اسٹرائک کو جائز سمجھتے ہیں۔

(امداد الفتاویٰ ۲۰۶/۶)

دلائل کا تجزیہ، نقد و تبصرہ

ان دلائل میں سے پہلی دلیل (یعنی صدیق اکبرؓ کا واقعہ) تو قطع نظر ان سے کہ قرآن مجید نے اس کو جائز اور پسندیدہ قرار دیا یا نہیں اسٹرائک کے اصطلاحی مفہوم جو متنازعہ فیہ (زیر بحث) ہے کوئی تعلق نہیں رکھتا (جیسا کہ ظاہر ہے)۔

باقی دوسری دلیل (یعنی دیہاتیوں کے ذات (یعنی حقہ پانی بند کرنے کے طریق) سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شرعی جواز و عدم پر کہاں تک روشنی پڑ سکتی ہے اور ایک مذہبی مسئلہ کے احتجاج میں دیہاتیوں کے اس طرز عمل کو پیش کرنا کس حد تک درست ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۲۰۶/۶)

اگر جائز ہوسکتا ہے تو طلبہ کے خلاف اساتذہ کا اسٹرائک کرنا جائز ہوسکتا ہے

البتہ تیسری اور چوتھی دلیل (یعنی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں قریش کا عمل اور کعب بن مالک وغیرہ کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمل) ایک خاص حد تک اس قسم کے مباحث ذکر کئے جانے کا مساغ (گنجائش) رکھتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوقات جن وانس، عرب وعجم کے لیے ہادی اور استاذ اور معلم بنا کر بھیجے گئے تھے، چنانچہ آپ نے اپنے منصب کو **انما بعثت معلماً** (مجھ کو معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے) کے الفاظ سے ادا فرمایا ہے۔

اور اس اعتبار سے تمام بنی آدم کو طوعاً وکرہاً آپ کے ساتھ تلمذ کی نسبت اور شاگردی کا تعلق حاصل ہونا چاہئے، پس ہمارے نزدیک فاضل مضمون نگار کی توجیہات کے مقابلہ میں یہ کہنا زیادہ چسپاں ہوگا کہ قریش مکہ نے اپنی جہالت و سفاہت کی وجہ سے جو اسٹرائک آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کی چونکہ وہ شاگرد کی اسٹرائک استاذ کے اور متعلم کی اسٹرائک اپنے حقیقی معلم کے مقابلہ میں تھی، اس لیے وہ بے شک قابل نفرت و ملامت (اور ناجائز) تھی، اور اس کے برخلاف آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جو اسٹرائک (اگر اس کو اسٹرائک کہا جائے تو) چند شاگردوں کی غفلت اور خطا کاری کے مقابلہ پر عمل میں آئی، اور وہ استاذ کی اسٹرائک شاگرد کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے ٹھیک حق بجانب رہی، اس اسٹرائک کے دباؤ کا نتیجہ کعب بن مالک وغیرہ کے حق میں یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ جب

ان سے مسلمانوں کے رشتے ناطے توڑ دیئے گئے اور اخوت وارتباط کے باہمی سلسلہ سب منقطع ہو گئے تو وہ اپنے سادہ دل سے خدا کی طرف متوجہ ہو کر گڑگڑائے اور ہر طرف کے عارضی سہارے کو چھوڑ کر صرف اللہ رب العزت کی جناب کو پکڑا جسکے نتیجہ میں یہ بشارت نازل ہوگئی ''**لقد تاب الله على النبی ...... وعلى الثلاثة الذين خلفوا** ،الآیۃ'' جن لوگوں نے آج کل مسئلہ اسٹرائک پر بحثیں کی ہیں، انہوں نے بار بار استاذ وشاگرد کے تعلقات کو باپ بیٹے کے تعلقات سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ اس اعتبار سے نہایت بلیغ ہے کہ باپ کی مادّی تربیت سے استاذ کی روحانی تربیت کسی طرح کم نہیں، پس جب والدین کے مقابلہ میں اولاد کی اسٹرائک کا یہ حال (اور حکم) ہے ''**وَاِنْ جَاهَدَاکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا**''۔ (لقمان)

اور اگر تیرے والدین تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو اس کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا) سو شاگردوں کو بھی استاذ کے مقابلہ میں (بالخصوص جب کہ استاذ اپنے شاگردوں کے اخلاق کی اصلاح کا کفیل ہوتا ہے) اسٹرائک کا اس سے زیادہ کچھ استحقاق نہیں ہوتا۔

اس بنا پر قریش مکہ اور غزوہ تبوک کے جن دو واقعات سے فاضل مضمون نگار نے اپنا مدعا (جواز اسٹرائک کا) ثابت کرنا چاہا تھا ان سے اس کے برخلاف یہ ثابت ہوا کہ کسی قومی یا مذہبی درسگاہ کے طلبہ کی اسٹرائک جو اپنے اساتذہ اور مصلحین و مربین کے مقابلہ میں ہو سراسر ناجائز ہے اور اگر بالفرض اساتذہ اپنے بعض تلامذہ کے مقابلہ میں تعزیراً اسٹرائک کردیں تو یہ نہ فقط جائز بلکہ مستحسن ہے۔ واللہ اعلم۔

(امداد الفتاویٰ ۶/۲۰۹)

اخراج کے قابل طلبہ

کیسے طلبہ کو مدرسہ میں نہ رکھنا چاہئے

(۱) سخت افسوس یہ ہے کہ بعض عربی پڑھنے والے طلبہ خلاف شرع ڈاڑھی رکھنے اور خلاف شرع لباس پہننے کی بلا میں مبتلا ہیں۔ ان لوگوں پر سب سے زیادہ وبال پڑتا ہے، اوّل تو اس وجہ سے کہ اوروں سے زیادہ واقف پھر دوسروں کو نصیحت کریں مسئلے بتائیں اور خود بے عمل ہوں۔

عالم بے عمل کے حق میں کیا کیا وعیدیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں، پھر ان کو دیکھ کر اور جاہل گمراہ ہوتے ہیں پھر ان کی گمراہی کا وبال انہیں کے برابر ان پر پڑتا ہے۔

مدارس اسلامیہ کے مدرسین و مہتممین پر واجب ہے کہ جو طالب علم ایسی حرکت کرے یا اور کوئی امر خلاف وضع شرعی کرے، اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ مدرسہ سے خارج کردینا چاہئے۔ ایسے شخص کو قوم کا مقتدا بنانا تمام مخلوق کو تباہ کرنا ہے۔

طلبہ کے تمام افعال کی نگہداشت کرو لباس کی بھی دیکھ بھال رکھو، جو لوگ کوٹ پتلون بوٹ وغیرہ پہنتے ہوں ان کو اہل علم کے لباس کی ہدایت کرو، ورنہ مدرسہ سے الگ کرو۔ چاہے مشابہت تامہ ہو یا مشابہت ناقصہ سب کا انتظام کرو، اور ان سے صاف کہہ دو کہ اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالب علموں جیسی صورت بناؤ ورنہ رخصت۔

(مطاہر الاموال ص:۵۴)

۲- جس شخص کے اخلاق خراب ہوں اوّلاً تو اس کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے، بات بات پر اس کو ٹوکا جائے اگر اصلاح کی امید نہ رہے تو مدرسہ سے علیحدہ کردیا جائے۔ (تعظیم العلم:۲۴)

۳- میں ایسے شخص کو مدرسہ میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ (مقالات حکمت)

۴- اسی طرح جس طالب علم کی طبیعت میں کجی معلوم ہو، سلامتی سے محروم اس کو بھی پورا نصاب نہ پڑھایا جائے کیونکہ تکمیل نصاب کے بعد وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو عالم و مقتداء سمجھیں گے اور ایسا شخص مقتدا ہو کر جو کچھ ستم ڈھائے گا ظاہر ہے۔

میری رائے میں ایسے لوگوں کے لیے ایک مختصر نصاب جو ضروری مسائل و احکام کے لیے کافی ہو پڑھا کر کہہ دیا جائے کہ جاؤ دنیا کا کوئی کام سیکھو۔ (تعظیم العلم)

پہلے اکابر علماء جس میں جاہ کا مرض دیکھتے تھے اس کو اپنے حلقہ درس سے نکال دیتے تھے۔ (الکلام الحسن ص:۵۴)

مولوی ہونے یا مقتداء بننے کے لیے کچھ شرطیں ہیں جن میں سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس شخص میں حق پرستی ہو، نفس پرستی نہ ہو کہ اپنی طمع کی وجہ سے مسئلہ کو بدل دے۔ اسی لیے میں اہل مدارس کو رائے دیتا ہوں کہ وہ اپنی ضابطہ پوری اور کارروائی دکھلانے کی غرض سے بدطینت لوگوں کو داخل نہ کریں۔

طلبہ کے قلت و کثرت کی ذرا بھی پرواہ نہ کیا کریں، بلکہ جس شخص کی حالت مقتدائیت کے مناسب نہ دیکھیں اس کو فوراً مدرسہ سے خارج کر دیں، کیونکہ ہم بہت سوں کو مولوی بنانا جائز نہیں سمجھتے، آج جو علماء کا گروہ بدنام ہے یہ ان ہی طمّاعوں کی بدولت ہے۔

جس شخص کو اپنی بات کی پچ کرنے کا مرض ہو وہ ہرگز پڑھانے کے قابل نہیں، اگر اس کے اس مرض کا علاج نہ کیا گیا اور اسی طرح سر آنکھوں پر بٹھالیا گیا تو اس میں ہمیشہ کے لیے یہ عادت پختہ ہو جائے گی کہ جو بات اس کے منہ سے نکلے گی اس کی پچ کیا کرے گا حق ناحق کی ذرا بھی پرواہ نہ کرے گا اس کا دین پر جو اثر پڑے گا وہ ظاہر ہے۔ (تعظیم العلم ص:۴۱)

باب (۴)

فصل (۱) مدارس کے شعبے

مدارس میں خانقاہی نظام یعنی سلوک واخلاق کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ضروری ہے

آج کل خانقاہ بنانے والوں کو چاہئے کہ خانقاہ کے نام سے نہ بنائیں بلکہ مدرسہ ہی کے نام سے بنائیں اوراس میں کام کریں خانقاہ کا کیونکہ ایک تو خانقاہ کے نام سے شہرت زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے بعد میں خانقاہ کے اندر بدعات ہونے لگتی ہیں، کوئی عرس کرتا ہے، کوئی قوالی کرتا ہے، پھر گدی نشینی کا قصہ ہوتا ہے۔ جس میں جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں، اس سے بہتر یہ ہے کہ خانقاہ کا نام نہ کیا جائے بلکہ مدرسہ بناؤ اوراس میں تربیت اخلاق اور تعلیم سلوک کا کام کرو کہ وہی حقیقی مدرسہ بھی ہوگا اور وہی خانقاہ بھی ہوگی۔

پس حقیقی مدرسہ وہ ہے جس میں علم کے ساتھ عمل کی بھی تعلیم اورنگہداشت ہو، پس اے مدرسہ والو! تم اپنے مدرسوں کو سنبھالو اوران کو حقیقی مدرسہ بناؤ یعنی طلبہ کے اعمال کی بھی نگہداشت کرو ورنہ یادرکھو!

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ کے قاعدہ پر آپ سے اس کے متعلق سوال ہوگا کیونکہ آپ طلبہ کے نگہبان ہیں اورآپ کی رعایا ہیں پس یہ جائز

نہیں کہ آپ طلبہ کو سبق پڑھا کر الگ ہو جائیں بلکہ یہ بھی دیکھتے رہو کہ ان میں سے کون علم پر عمل کرتا ہے اور کون عمل نہیں کرتا، جس کو عمل کا اہتمام ہو، اسے پڑھاؤ، ورنہ مدرسہ سے باہر نکال دو جب تو آپ کا مدرسہ واقعی دار العلم ہوگا۔

طلبہ کے تمام افعال کی نگہداشت کرو، لباس کی بھی دیکھ بھال رکھو، جو لوگ کوٹ پتلون بوٹ وغیرہ پہنتے ہوں ان کو اہل علم کے لباس کی ہدایت کرو، ورنہ مدرسہ سے الگ کردو، چاہے مشابہت تامہ ہو یا مشابہت ناقصہ، سب کا انتظام کرو، اور ان سے صاف کہہ دو کہ اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالب علموں کی سی صورت بناؤ ورنہ رخصت کرو۔

مدارس میں مبلغین کا انتظام بہت ضروری ہے

فرمایا میں نے اپنے تعلق کے بعض مدارس کو بار بار لکھا کہ جیسے آپ کے یہاں مدرسین کو تنخواہ ملتی ہے اور یہ تعلیم و تدریس گویا خاص تبلیغ ہے اسی طرح مدرسہ سے تبلیغ عام کا بھی انتظام ہونا چاہئے، اور مدرسہ کی طرف سے تنخواہ دار مبلغ رکھے جائیں اور ان کو اطراف و جوانب میں بھیجا جائے، اور ان کو تاکید کی جائے کہ چندہ نہ مانگیں صرف احکام پہنچائیں مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی، حالانکہ اس سے بہت نفع کی امید تھی بلکہ اس سے چندہ بھی زیادہ وصول ہوتا۔

(مظاہر الاعمال ملحقہ دین و دنیا ص: ۵۶، القول الجلیل ص: ۴۳)

ہر مدرسہ میں کم از کم ایک واعظ ضرور ہونا چاہئے

ہر اسلامی مدرسہ و انجمن کم از کم ایک واعظ بھی مقرر کرے اور یہ سمجھے کہ ضرورت تعلیم کے لیے ایک مدرس کا اضافہ کیا، کیونکہ جس طرح مدرسہ کے معلمین

طلبہ کے مدرس ہیں، واعظین عوام کے مدرس ہیں، اور اہل انجمن یہ سمجھیں کہ یہ تعلیم عوام کے لیے ان کی انجمن کی ایک شاخ ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص: ۱۸۷)

دینی مدارس میں مبلغ اور واعظ رکھنے کے فوائد

علماء کو آج کل مدارس کی طرف بہت توجہ ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ علوم اسلامیہ کے بقاء کی صورت یہی ہے اور اس کے لیے وہ چندہ وغیرہ کرتے ہیں، اور چندہ دینے والے زیادہ تر عوام ہیں تو علماء کو چاہئے کہ عوام کو اپنی طرف مائل کریں اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ تبلیغ کے لیے رکھا جائے جس کا کام صرف یہ ہو کہ احکام کی تبلیغ کرے اور اس کو ہدایا (تحائف) لینے سے قطعاً منع کر دیا جائے۔ اور استحساناً یہ بھی کہہ دیا جائے کہ مدرسہ کے لیے بھی چندہ نہ کرے بلکہ اگر کوئی خود بھی دے تو قبول نہ کرے بلکہ مدرسہ کا پتہ بتلا دے کہ اگر تم کو بھیجنا ہو تو اس پتہ پر بھیج دو، واعظ کو محصل چندہ نہ ہونا چاہئے، محصل چندہ اور لوگ ہوں، واعظ کا کام صرف وعظ کہنا ہو۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے وعظ میں جب چندہ کا ذکر نہ ہوگا تو بے غرض وعظ ہوگا، اس کا مخاطب پر بڑا اثر ہوتا ہے پھر عوام کو مدرسہ سے تعلق ہوگا کہ اس مدرسہ سے ہم کو دین کا نفع پہنچ رہا ہے، اس کی امداد کرنا چاہئے، اور اب تو عوام کو یہ بڑا اعتراض ہے کہ صاحب ہم کو مدرسہ سے کیا نفع، بس عربی پڑھنے والوں ہی کو کچھ نفع ہوگا اور واقعی ایک حد تک یہ اعتراض بھی صحیح ہے اسی لیے جن عوام سے آپ چندہ لینا چاہتے ہیں ان کو بھی نفع پہنچنا چاہئے، جس کی صورت میں نے بتلا دی کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ محض وعظ کے لیے ہونا چاہئے، اگر ہر مدرسہ میں ایک ایک واعظ ہو جائے تو پھر دیکھئے عوام کو مدرسہ سے کیسا تعلق ہوتا ہے اور چندہ کی بھی کیسی کثرت ہوتی ہے۔

یہ چلتے ہوئے نسخے ہیں، اگر شبہ ہوتو تجربہ کر کے اس کے نفع کا مشاہدہ کر لیجئے، میں اہل مدارس سے کہتا ہوں کہ امتحان کے طور پر کچھ عرصہ کے لیے اس پر عمل کر کے دیکھ لو اگر تمہارے مدرسہ کو اس سے نفع نہ ہوتو اس کام کو بند کر دینا ہر وقت اختیار میں ہے۔

(حقوق وفرائض ص:۱۱۶)

بڑے اداروں میں بڑے پیمانہ پر مبلغین کا نظم

فرمایا: میری رائے ہے کہ مدارس اسلامیہ جیسے دیوبند سہارنپور کی طرف سے ہر جگہ مبلغ رہیں، تمام ممالک کے ہر حصہ میں مستقل طور پر ان کا قیام ہو، باضابطہ نظم ہو، اور دیگر ممالک میں مبلغ تیار کر کے بھیجے جائیں۔ (انفاس عیسیٰ ۶۲۰/۲)

تمام مدارس کے لیے ضروری مشورہ

میں تمام اہل مدارس کو رائے دیتا ہوں کہ ہر مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی ہونے چاہئے یہ سنت نبویہ ہے اور پڑھنا پڑھانا اسی مقصود کا مقدمہ ہے، اصل مقصود تبلیغ ہی ہے۔

عرصہ ہوا میں نے دیوبند والوں کو اس کا مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتی رہنا چاہئے، جن کا کام صرف تبلیغ ہو، اور ہر شہر میں اس کی آبادی کے مطابق مبلغ یا ان کی آمد و رفت رہنا چاہئے مگر کوئی خاص انتظام نہیں ہوا۔ (الاضافات الیومیہ ۳۸۹/۶)

واعظ بننے کا اہل

یہ واعظ خواہ متبحر عالم ہو مگر دینیات پر کافی نظر ہو کہ تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت یا غلط مسئلہ بیان نہ کرے۔ (تجدید تعلیم ص:۱۸۸)

واعظ و مبلغین کے لیے ضروری ہدایات

(۱) بلا ضرورت اختلافی مسائل بیان نہ کرے۔ اور اگر ضرورت ہی پڑ جائے تو عنوان نرم و سہل ہو، اگر کسی شخص کا نام لینا پڑے تو اس کی نسبت کوئی سخت کلمہ نہ کہے، بس متانت سے شبہ حل کر دے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

(۲) عام طور پر واعظ کسی کی دعوت قبول نہ کرے، البتہ داعی اگر پہلے سے شناسا (جانا پہچانا) و مخلص ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، یا شناسا نہ ہو مگر قرائن سے مخلص ہونا دل کو لگتا ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ مگر از قسم ہدیہ نقد وغیرہ ہرگز قبول نہ کرے۔

(۳) سیاسی امور یا کسی کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں واعظ دخل نہ دے، اگر اس کی درخواست بھی کی جائے تو صاف انکار کر دے۔

(۴) کسی کو تعویذ گنڈے دینے سے یا بیعت لینے سے واعظ کو قطعاً منع کر دیا جائے اگر چہ وہ اس کا اہل بھی ہو۔

(۵) کسی مدرسہ یا انجمن کے لیے چندہ کی ہرگز ترغیب نہ دے، بلا ترغیب کوئی دے بھی تب بھی انکار کر دے، پھر بھی نہ مانے تو کہہ دے کہ براہ راست مرکز میں بھیج دو میں نہیں لیتا۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۱۸۹)

تحریر و تقریر میں مہارت پیدا کرنے کی ضرورت

اتنی ضرورت اس زمانہ میں ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دیگر عام تعلیم کی خوش تحریری و خوش تقریری کا اہتمام بھی مدارس میں بالالتزام کیا جائے اس طور پر کہ وہ طلبہ کا اختیاری امر نہ رہے بلکہ سب کو اس پر مجبور ہونا پڑے۔ (حقوق العلم ص:۵۲)

تبلیغ کا ایک مقدمہ اور بھی ہے یعنی تقریر کی مشق وہ بھی کیجئے مدرسہ میں اس کا

سامان موجود ہے اس کو غنیمت سمجھئے اور ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے ایسا سامان کہیں نہیں ملے گا۔ (آداب تبلیغ ص:۱۲۱)

ہم نے بعض اہل علم ایسے بھی دیکھے ہیں جن کو تقریر و تحریر نہیں آتی سو ان لوگوں سے بہت کم لوگوں کو نفع پہنچ سکتا ہے۔

اور پھر تحریر کے مقابلہ میں تقریر میں مہارت پیدا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ تحریر سے تو نفع خاص ہوتا ہے یعنی صرف طلبہ اور خواندہ لوگوں کو نفع ہوتا ہے، اور تقریر میں نفع عام ہے جس میں خاص بھی داخل ہیں، اور ان کا افادہ اس پر موقوف ہے کہ قوت بیانیہ بقدر ضرورت حاصل ہو، پس ہمارے طلبہ کو دونوں کی تکمیل اور مشق کی ضرورت ہوئی کہ جب وعظ کہیں تو عوام الناس پوری طرح سمجھ سکیں اور جب درس دیں تو طلبہ خوب سمجھ لیں۔ (تعلیم البیان ص:۱۵)

غیر عالم مولوی اور حفاظ کے لیے صنعت وحرفت کا مستقل شعبہ

ایسے لوگوں کو کوئی دنیا کا کام بھی سکھلایا جائے تاکہ وہ مضطر ہو کر دین کو حرفت نہ بنائیں، اور اس کے لیے سہل صورت یہ ہے کہ امراء چندہ کر کے جابجا صنعت و حرفت کے مدرسے (شعبے) کھلوادیں اور بچپن ہی سے سب کو کوئی نہ کوئی دستکاری ضرور سکھلائی جائے۔ (اصلاح انقلاب ص:۵۰ جدید)

دینی مدارس میں دنیوی تعلیم نہ ہونا ہی مایۂ ناز ہے

مدرسہ دیوبند کی بابت بڑے بڑے انگریزوں کی یہ تحریر ہے کہ اگر اس مدرسہ کی مذہبی تعلیم میں دنیاوی تعلیم شامل ہوگئی تو اس کا مذہبی خالص رنگ باقی نہ رہے گا جو اس مدرسہ کا مایۂ ناز ہے۔

حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نے دستار بندی کے جلسہ میں یہ مضمون فرمایا کہ اکثر لوگوں کو اس مدرسہ کی حالت دیکھ کر خیال ہوگا کہ یہاں علوم معاش کا کچھ انتظام نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدرسہ اس لیے ہے ہی نہیں، نہ ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ اس میں تمام علوم کی تعلیم ہوگی یہ تو صرف ان کے لیے ہے جن کو فکر آخرت نے دیوانہ بنایا ہے۔ (حسن العزیز ۴/۳۰۸)

دینی مدارس میں اعلیٰ معیار کی انگریزی اور معاشی فنون کی تعلیم کیوں نہ ہونا چاہئے

حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض عقلاء اورا سلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہم سے یہ کہتے ہیں کہ مدرسہ کی موجودہ تعلیم سے فارغ التحصیل طلبہ کے معاش کا کوئی انتظام نہیں ہوتا اس لیے اس وقت تو یہ مدارس صرف ان لوگوں کے کام کے ہیں جو آخرت کے دیوانے اور اس پر سب کچھ قربان کرنے والے ہیں، اگر ان مدارس میں کچھ تعلیم انگریزی یا صنعت وحرفت کی بھی جاری کر دی جائے تو یہ تعلیم سب مسلمانوں کے لیے مفید ہو۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہم سے جو کچھ ہوسکتا تھا کہ دین وآخرت کے طلبگاروں کے لیے انتظام کر دیں ہم نے کر دیا، اب جس خدا کے بندے کو توفیق ہو وہ ان کے معاش کا بھی انتظام کر دے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تجربہ شاہد ہے کہ جب نقد اور ادھار جمع ہوں تو ہر شخص نقد کو ترجیح دیتا ہے، ادھار پر راضی نہیں ہوتا۔ اب سمجھ لیجئے کہ علوم دینیہ اور تعلیم آخرت بمنزلہ ادھار کے ہے اور فنون دنیویہ بمنزلہ نقد کے ہے۔ جب دونوں جمع ہوں گے تو

لوگوں کا میلان زیادہ نقد کی طرف ہوگا اور علوم دینیہ و آخرت مؤخر بلکہ غیر مقصود بن کر رہ جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ سبحان اللہ کس قدر متین اور انجام بینی کا جواب ہے یہ محض اس نور ایمان کا اثر ہے جو بزرگوں کی صحبت سے حق تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ڈال دیا تھا۔ (مجالس حکیم الامت ص:۳۱۷)

یہ طریق مفید ثابت نہ ہوگا بلکہ مضر ہوگا، (کہ مدارس دینیہ میں عصری علوم کو بھی داخل نصاب کر دیا جائے کیونکہ) مدرسہ میں انگریزی داخل ہونے سے خلط مبحث ہو جائے گا، اب جو کام مدرسہ میں ہو رہا ہے یہ بھی نہ ہوگا، مدرسہ ایک معجون مرکب ہو جائے گا۔ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مدرسہ کو تو اپنی حالت پر رہنے دیجئے، جو کام ہو رہا ہے ہونے دیجئے، اور انگریزی کے متعلق ایک درسگاہ الگ تیار کر دیجئے، اس کا نظم و نسق ان ہی حضرات کے ہاتھ میں رہے جو عربی کا نظم و نسق فرما رہے ہیں۔ دوسری جگہ پہنچ کر فارغ التحصیل طلبہ کا بھی تعلیم انگریزی پانا مضرت سے خالی نہیں، ان کا یہ رنگ رہ ہی نہیں سکتا یہاں سے الگ ہو کر ان کے جذبات کا محفوظ رہنا مشکل ہے جس کا نتیجہ گمراہی ہوگا۔ (الافاضات الیومیہ ۱۰/۲ جدید)

اہل علم کو کوئی ہنر سیکھنا

ایک مولوی صاحب کی نوکری کا ذکر آیا تو فرمایا اہل علم کو تو علوم شرعیہ کے علاوہ کوئی ہنر بھی سکھانا چاہیئے، میری زیادہ رائے یہ ہے کہ تھوڑی کھیتی کر لیا کریں مگر صرف ضرورت بھر۔ باقی جب اوپر پڑ جاتی ہے سب کچھ کر لیتے ہیں، غدر میں جو بیگمات پلنگ سے کبھی نہ اتری تھیں وہ دس دس بارہ بارہ کوس روزانہ چلی ہیں، مصیبت میں سب کچھ کر لیتے ہیں۔ (کلمۃ الحق ص:۱۷۳)

لوگ عربی کو ذریعہ معاش بنا لیتے ہیں، اس علم کو تو جو کوئی پڑھے تو مقصود اصلاح نفس ہی ہونا چاہیئے، رہی معاش کی بات سو اس کے لیے کچھ اور ہی ہونا چاہیئے، تجارت، زراعت، حرفت وغیرہ اور عربی کو ذریعہ معاش بنانے کے قصد سے پڑھنا ٹھیک نہیں۔ (الاضافات جدید ۱۰/۲)

اہل علم کے لیے صنعت وحرفت کی آسان صورتیں

صنعت وحرفت یعنی دستکاری و پیشہ سے معاش حاصل کرنے میں بہت آسانی وسلامتی ہے، عربی کی تکمیل کرنے والوں کے لیے چند صورتیں معاش کی مناسب ہیں۔

(۱) اسکول میں نوکری کر لینا (۲) مطب کرنا (۳) مفید رسالے یا حواشی تصنیف کر کے یا درسی کتابیں چھپوا کر ان کی تجارت کرنا (۴) کاپی نویسی کرنا (۵) کسی مطبع میں صحیح نوکری کرنا اور سب صورتوں میں اوقات فراغ میں مطالعہ وتدریس کا شغل رکھنا، یا کسی اسلامی مدرسہ میں مدرسی کرنا۔ (تجدید تعلیم ۱۱۱/۴۱)

اہل علم کے لیے مستقل مشغلہ طب مناسب نہیں

فرمایا کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طب کو امور دینیہ کے لیے نہایت مضر فرماتے تھے اس میں راز یہ بھی ہے کہ اساتذہ کے دیندار نہ ہونے سے فاسق ہو جانے کا قوی شبہ ہے، میں نے خود بعض اطباء کے مطب میں دیکھا ہے کہ رنڈیاں آتی ہیں۔

(حسن العزیز ۱۵۹/۲)

اس قول کی تائید ایک خط سے ہوتی ہے جو کہ آج ایک طالب علم کا آیا ہے، یہ طالب علم یہاں پڑھتے تھے مگر ان کے والد کی یہ رائے ہوئی کہ کوئی علم ایسا بھی حاصل

کرنا چاہئے جس سے گذراوقات کی صورت ہوسکے اس لیے وہ یہاں سے چلے گئے، اور مدرسہ طبیہ دہلی میں جا کر طب شروع کردی اب وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنا تعلق مدرسہ طبیہ سے بالکل علیحدہ کردیا ہے، کیونکہ مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا وہ خیال کہ ایسی جگہ تعلیم حاصل کرو جہاں علم دین اور علم طب دونوں حاصل ہوسکیں بالکل غلط ہے، اور علم دین اور علم طب جمع نہیں ہوسکتے، مجھے ہر وقت فسق وفجور میں ابتلاء کا اندیشہ رہتا ہے۔ (حسن العزیز ۸۲/۲)

کام کرنے والے علماء کو مستقلاً معاش میں مشغول ہونے کی خرابی

جو لوگ مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی ترقی کیوں نہیں کرتے، مشینیں اور کارخانے کیوں نہیں چلاتے، وہ خوب سمجھ لیں کہ ایک شخص دو طرف پورا متوجہ نہیں ہوسکتا، اگر ملازمِ سرکار دوسرا کام کرے گا، تو ضرور سرکاری کام میں خلل واقع ہوگا اس لیے اس کو اجازت نہیں کہ ملازمت کی حالت میں دوسرا کام کرے۔

جب یہ (مولوی) لوگ دنیا میں مشغول ہوں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کا کام نہ کرسکیں گے ایک مولوی صاحب جو ایک دینی ملازم تھے مگر لکڑیوں کی تجارت بھی کرتے تھے خود اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ مدرسہ کے وقت میں طلبہ کو پڑھانے بیٹھے ہیں کہ گاہک آ گیا اور اس نے لکڑی کا سودا کرنا چاہا، پس مولوی صاحب کشمکش میں پڑ گئے، اگر اٹھتے ہیں تو مدرسہ کا حرج، اگر نہیں اٹھتے تو خریدار لوٹ جاتا ہے، مجبوراً اس سے کہتے ہیں بھائی ابھی اٹھتا ہوں ذرا ٹھہرو، اس میں تھوڑا جھوٹ بھی تھا، غرض ان کا دل بٹ جاتا ہے، سبق میں کچھ سے کچھ بیان کرجاتے ہیں، پہلے تو طالب علموں کو ہنسی خوشی بتلا رہے تھے، اب دل دوسری طرف مائل ہوگیا طلبہ کچھ پوچھتے ہیں اور پوچھنے کے سبب اٹھنے میں دیر ہوتی ہے تو ان پر جھنجھلاتے ہیں غصہ ہوتے ہیں۔

پس علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا یہی اثر ہوتا ہے کہ وہ دین کا کام پوری طرح نہیں کر سکتے۔(التبلیغ ۶/۲، وعظ خیر المال)

کام کرنے والے علماء کو معاش میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں

اس آیت (لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا ، الآیۃ) سے معلوم ہوا کہ ایسی جماعت کو ذرائع تحصیل معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہئے، لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ اس پر دلالت کر رہا ہے، اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ علماء دنیوی معاش میں اپاہج ہیں اور ثابت ہو گیا کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے۔اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام ہوا نہیں کرتے خصوصاً جبکہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو۔بالید یا باللسان یا بالقلب اور دین کی خدمت ایسا ہی کام ہے اور تدریس علوم دینیہ ذرائع معاش میں داخل نہیں۔
(حقوق العلم ص:۱۵)

جب خدا تعالیٰ فرماتے ہیں لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ کہ ان میں طاقت ہی نہیں کہ دوسرے کام کریں، طاقت سے مراد شرعی طاقت (یعنی یہ) کہ ان کو اجازت نہیں کہ یہ دوسرے کام میں لگیں، اس مسئلہ کو میں ایک مثال دے کر واضح کرتا ہوں۔ ہمارے اطراف میں ایک صاحب نے جو سرکاری ملازم تھے ایک مطبع کر لیا شدہ شدہ حکّام کو اس کی خبر ہوئی تو ان کے نام ایک پروانہ آیا کہ یا تو نوکری سے استعفاء دیدو، ورنہ مطبع بند کر دو۔ آخر اس حکم کی کیا وجہ ہے، وجہ یہی ہے کہ مطبع کرنے کی صورت میں وہ نوکری کا کام پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے تھے۔

(دعوات عبدیت فضائل علم ۷/۴۰)

دنیادار مولوی سے اعتماد اٹھ جاتا ہے

ایک روز میں راستہ میں جارہا تھا ایک بڑھیا اپنے دروازہ میں جھانک رہی تھی مجھ کو دیکھ کر بولی بیٹا، یہاں آنا میں گیا تو بولی ایک مسئلہ بتادو، میں نے مسئلہ بتایا پھر کہنے لگی میں نے ان سے یعنی لکڑیوں والے مولوی صاحب سے بھی پوچھا تھا انہوں نے بھی تمہارے موافق بتلایا مگر مجھ کو یقین نہ ہوا کہ شاید اپنے مطلب کو کہتے ہوں اب تمہارے بتلانے سے یقین ہوا۔ میں نے بڑی بی کو سمجھا دیا کہ علماء پر ایسا گمان جائز نہیں، یہ ہے علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا نتیجہ کہ مسائل میں ان کا اعتبار نہیں رہتا۔ ان کے دنیا میں مشغول ہونے میں خرابی یہ ہے کہ خود تم کو ان کے فتووں کا، ان کے وعظوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ (التبلیغ ص:۶۹)

فصل (۲)

علماء کہاں سے کھائیں

فرمایا اکثر اہل دنیا پوچھا کرتے ہیں کہ فی زمانناعربی پڑھ کر انسان کیا کرے اور کہاں سے کھائے؟ ضابطے کا جواب یہ ہے کہ اہل دنیا سے وصول کرکے ان کے اموال سے لے کر کھائے۔ اس لیے کہ عربی پڑھنے والے دین کی اشاعت اور حفاظت میں مصروف ہیں، لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔

قرآن شریف مسلمانوں کی مشترک جائداد ہے اس لیے اس کی حفاظت بھی سب کو کرنی چاہیے، کچھ افراد ایسے بھی ہونا چاہیئے کہ وہ محض خادم قوم ہوں کیونکہ اگر سب کے سب تحصیلِ معاش ہی میں پڑجائیں تو دین کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا۔ دین کے کام میں اگر کوئی بھی نہ لگے تو یہ کام بند ہوجائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک

جماعت محض خادمانِ دین کی ہو کہ یہ لوگ اس کے سوا اور کوئی کام نہ کریں۔

تو یہ لوگ عوام اہل اسلام کی ضرورتوں میں محبوس ہیں، اور یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ جو شخص کسی کی ضرورتوں میں محبوس ہو اس کا نان ونفقہ اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے چنانچہ اسی بنا پر زوجہ کا نفقہ شوہر پر اور قاضی کا نفقہ بیت المال میں اور شاہد کا نفقہ **من له الشهادة** پر ہوتا ہے۔

پس جب علماء مسلمانوں کے مذہبی کام میں محبوس ہیں، اور ان کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں، روزمرہ کی جزئیات میں ان کو مذہبی حکم بناتے ہیں اور یہ شغل ایسا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا کام نہیں ہوسکتا، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دوسرے کام میں جو لوگ لگے ہیں ان سے یہ کام نہیں ہوتا، تو ان کا نان ونفقہ بھی عام مسلمانوں کے ذمہ واجب ہوگا، تو علماء سے یہ پوچھنا کہ عربی پڑھ کر کیا کیجئے گا اور کہاں سے کھایئے گا اپنی حماقت کا ظاہر کرنا ہے۔ (دعوات عبدیت ۱۴۲/۵، ۱۷۹/۶)

شرعی دلیل

سنئے مولوی آپ کی خدمات میں محبوس ہیں تو بقاعدہ مذکورہ ان کا نفقہ آپ کے ذمہ ہے، اور یہ قاعدہ تمدنی بھی ہے، شرعی بھی اول شرعی پہلو کو ذکر کرتا ہوں۔ خداتعالیٰ فرماتے ہیں ''**لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** الاية'' دیکھو ''**لِلْفُقَرَآءِ**'' میں لام استحقاق کا ہے لفظ ''فقراء'' احتیاج کو بتلا رہا ہے ''احصروا'' احتباس پر دلالت کرتا ہے اور ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر طالب علم کے ساتھ منقول ہے اور **لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْباً** اسباب معاش کی فرصت نہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

یعنی یہ (علماء) لوگ استحقاق رکھتے ہیں اگر نہ دو تو نالش کر کے لے سکتے ہیں،

قوم اگران کی خدمت میں کوتاہی کریں تو قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی، گو دنیا میں نالش نہ ہو سکے لیکن خدا تعالیٰ کے یہاں دیکھئے گا قیامت میں کتنی ڈگریاں آپ پر ہوتی ہیں۔

خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو بلفظ فقراء ذکر فرمایا ہے فقیر آج کل عرف میں ذلیل لفظ ہے مگر یہ ذلت اگر ذلت ہے جیسا کہ تمہارے عرف نے سمجھ لیا ہے تو صرف انہیں لوگوں کو نہیں ساری دنیا کے لیے فرماتے ہیں ''**یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰه**'' (اے لوگو! تم ہی خدا کے محتاج ہو)۔

(دعوات عبدیت فضائل علم ۷/۳۹، اصلاح انقلاب ۲/۱۹۲)

تمدنی دلیل

اب میں تمدنی طور پر اس مسئلے کو بیان کرتا ہوں کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کو جو تنخواہ ملتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام قوم کا ایک ایک پیسہ دو، دو پیسہ جمع کر کے جس کو خزانہ کہا جاتا ہے، خزانہ واقع میں قوم کی چیز ہے، اس خزانہ سے جو تنخواہ دی جاتی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بادشاہ اور پارلیمنٹ ایسے قومی کاموں میں مصروف ہیں کہ وہ دوسرا کوئی کام نہیں کرسکتی اس لیے قوم کے مجموعہ مال سے اس کو نفقہ دیا جاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو قومی کام میں مشغول ہو ان کا حصہ قوم کے اموال میں ہے۔ (دعوات عبدیت ۷/۴۰، فضائل علم دین)

دینی اور دنیاوی تعلیم کا تقابل اور اس کا فرق

انگریزی تعلیم سے دین تو حاصل ہوتا ہی نہیں، دنیا بھی سب کو حاصل نہیں ہوتی، ایک صاحب نے خوب کہا کہ علم دنیا تو جب تک مکمل نہ ہو کسی مصرف کا نہیں،

اور علم دین کا جو درجہ بھی حاصل ہو جائے وہ نافع ہے آخرت کا تو نفع ہے ہی دنیا کا بھی نفع اگر کوئی حاصل کرنا چاہے تو وہ بھی حاصل کر سکتا ہے چنانچہ اگر کسی کو علم دین کچھ بھی حاصل نہ ہو صرف اذان ہی یاد کر لے جو علم دین کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے، تو وہ بھی اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔ دونوں وقت چین سے پکی پکائی روٹی کھا سکتا ہے۔ بخلاف انگریزی کے کہ اس میں انٹر سے کم تو بالکل بیکار ہے اور انٹر بھی آج کل زیادہ کارآمد نہیں، کیونکہ انگریزی پڑھنے والے آج کل اس کثرت سے ہو گئے ہیں کہ ہر محکمہ میں بی، اے اور ایم اے والوں کی درخواستیں پہلے سے رکھی رہتی ہیں، پھر اعلیٰ کے ہوتے ہوئے انٹر والوں کو کون پوچھتا ہے۔ (التبلیغ الہدی والمغفرۃ ۲۲۰/۱۰)

معمولی دینی تعلیم رکھنے والا بھی بھوکا نہیں رہ سکتا

مولوی محمد عمر صاحب تھانویؒ نے دینی اور دنیاوی تعلیم کا خوب فرق بیان کیا کہ دنیا کی تعلیم تو جب تک ایک حد خاص تک نہ ہو بالکل بے سود ہے، بخلاف دینی تعلیم کے کہ اس کا کوئی حصہ بھی بیکار نہیں، اور دین میں تو مفید ہے ہی دنیا کے حق میں بھی وہ مفید ہے حتی کہ اگر کوئی نو مسلم صرف اذان سیکھ لے اور کسی مسجد میں جا کر اذان دینے لگے اور بدھنے (لوٹے) بھر کر رکھ دیا کرے، چٹائیاں بچھا دیا کرے، جھاڑو دے دیا کرے، بس اسے روٹیاں آنے لگیں گی، یہ دینی تعلیم کا بہت ہی ادنیٰ درجہ ہے جس کا دنیاوی فائدہ یہ ہے اور آخرت کا فائدہ الگ رہا۔ (حسن العزیز ۸۰/۲)

مڈل اور بی اے والوں کا حال

مڈل پاس والوں سے تو یہ عورتیں ہی اچھی ہیں کہ دودھ پلانے سے آٹھ روپئے مل جاتے ہیں، ان کو اتنے بھی نہیں ملتے، کانپور میں چنگی میں ایک چپراسی کی

جگہ خالی تھی ۶ ٹڈل والوں نے درخواست دیں اور انٹر والوں نے دیں گورنمنٹ کہاں تک نوکری دے۔ (حسن العزیز ۲؍۲۲۳)

ادنیٰ ملازمت بھی قدردانی کے قابل ہے

غریب آدمی کے لیے معاش کی سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ نوکری کرے جو خاصیت ہندوؤں کے حرام سود میں ہے وہی ملازمت میں ہے کہ اٹھتے بیٹھتے تنخواہ چڑھتی ہی رہتی ہے اگر ملازمت مل جائے تو اس کی بہت ہی قدر کرنی چاہیے۔
(حسن العزیز ۲؍۱۵۹)

علماء وفقہاء کا بہت محنت کا کام ہے

کوئی اہل اللہ کو طفیل خور نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ سرکاری لوگ ہیں، دیکھئے گورنر جنرل کو کثیر التعداد رقم ہر مہینہ ملتی ہے حالانکہ بظاہر اس کو کوئی بڑا کام نہیں کرنا پڑتا، لیکن محض اس لیے کہ اس کا دماغی کام ہے، حضرات اہل اللہ پر جو گذرتی ہے اور جو دماغ سوزی ان کو کرنی پڑتی ہے، اگر آپ پر وہ گذرے تو چند روز میں جنون ہو جائے۔ ان کا جسم گو معطل ہے لیکن ان کی روح (اور ان کی عقل) بہت بڑے کام میں ہے ان کی روح نے اس بارگراں کو اٹھایا ہے جس کے اٹھانے کی پہاڑ بھی تاب نہیں لاسکتا، اور زمین آسمان سے بھی نہیں اٹھ سکا، چنانچہ ارشاد ہے ''لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ''۔

ترجمہ: اور اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَان ‘‘(سورۂ احزاب پ۲۲)

ترجمہ: ہم نے یہ امانت یعنی احکام جو بمنزلہٗ امانت کے ہیں آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا، اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔

تو جس کی روح اتنا بڑا بارگراں اٹھائے ہوئے ہو ان کو اپاہج کیسے کہا جا سکتا ہے۔ (دعوات عبدیت ۸۷/۶)

اپنا حال

میں کوئی چیز نہیں ہوں لیکن یہ حالت ہے کہ جب کبھی کوئی رسالہ لکھتا ہوں تو راتوں کو نیند نہیں آتی۔ پنسل کاغذ پاس لے کر سوتا ہوں اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر جو کچھ یاد آتا ہے اس کو لکھتا ہوں۔ (دعوات عبدیت ۷۹/۶)

عالم دین بھوکا نہیں رہ سکتا

عالم کو اپنی فاقہ مستی پر نازاں ہونا چاہئے، مخلوق کے روپے پر نظر نہ کرنا چاہئے، علم میں خود وہ لذت ہے جس کے سامنے تمام لذتیں ہیچ ہیں، دنیا ہے کیا چیز علم کے سامنے اس کی حقیقت ہی کیا ہے رہا روٹی اور کپڑا سو اس سے بے فکر رہو جس کے پاس علم ہو وہ بھوکا نہیں رہا کرتا، اس سے زیادہ کی تم کو ضرورت نہیں۔ اہل علم کو استغناء کے ساتھ رہنا چاہئے۔ (التبلیغ ۱۶۵/۲۱)

یاد رکھو! (اے قوم) اگر تم نہ بھی کفالت کرو بلکہ تمام لوگ اس جماعت کے مخالف ہو جائیں اور سب اس کو دینا اور مدد کرنا بند کر دیں تب بھی یہ جماعت قائم رہے گی اور مولوی کھاتے ہی رہیں گے، اگر کہئے کہ کیونکر کھاتے رہیں گے اور کہاں سے ان کو

ملے گا تو لیجئے، میں بتلاتا ہوں کہ کہاں سے ان کو ملے گا، قرآن شریف میں ارشاد ہے:

''ھَاَنْتُمْ ھٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمِنْکُمْ مَنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ''۔ (پ۲۶)

حاصل یہ کہ تم کو انفاق فی سبیل اللہ کے لیے بلایا جاتا ہے مگر بعضے بخل کرتے ہیں اور اس بخل سے اپنا ہی نقصان کر رہے ہو، ورنہ خدا تعالیٰ غنی ہے اور تم محتاج ہو، اگر تم بے توجہی کرو گے تو خدا تعالیٰ دوسری قوم کو پیدا کر دیں گے اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ (دعوات عبدیت ۸۴/۶)

تنخواہ ضرور لینا چاہئے

فرمایا ایک مولوی صاحب کو جوش اٹھا کہ نوکری چھوڑ دوں میں نے پوچھا کہ نوکری چھوڑ کر علم دین کی خدمت بھی کرو گے یا نہیں؟ کہنے لگے ''حسبۃ للہ'' (یعنی اللہ واسطے) کروں گا، میں نے کہا کہ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ آپ سے یہ نہیں ہوگا، سوچ کر بولے کہ جی ہاں ہے تو صحیح۔ حضرت نے فرمایا کہ نوکری و تنخواہ کی وجہ سے تو کچھ کام کرتے بھی ہیں، کچھ خیال ہوتا ہے کچھ خیانت وغیرہ سے ڈرتے ہیں، اور نوکری چھوڑنے کے بعد تو کوئی بھی نہیں کرتا شاید ہی کوئی ایسا ہو۔ (حسن العزیز ۲۶۵/۲)

نفس کا دھوکہ

تھوڑے روز ہوئے ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے ان کے نفس نے یہ تجویز کیا تھا کہ نوکری چھوڑ کر اللہ کے واسطے پڑھائیں اس لیے کہ تنخواہ لینے سے خلوص نہیں رہتا میں نے ان سے کہا کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے شیطان نے دیکھا کہ یہ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، ان سے یہ کام کسی تدبیر سے چھڑانا چاہئے، تو اگر

یہ کہتا کہ پڑھانا چھوڑ دو تو اس کی ہرگز نہ چلتی، اس لیے اس کی وہ صورت تجویز کی جو دینداری کے رنگ میں ہے کہ اس میں خلوص نہیں ہے، نوکری چھوڑ کر پڑھاؤ تو سمجھ لو کہ اب تو پابندی تنخواہ سے کام بھی ہو رہا ہے، اور اگر نوکری چھوڑ دو گے (بلا تنخواہ پڑھاؤ گے) تو پابندی تو ہوگی نہیں رفتہ رفتہ پڑھانا ہی چھوٹ جائے اور شیطان کامیاب ہوگا۔ اس لیے نوکری ہرگز مت چھوڑو۔ (ذم ہوی دعوات عبدیت ۳/۳۱)

امیر عالم کو بھی تنخواہ لینا چاہئے

میری رائے تو یہ ہے کہ اگر عالم امیر ہو اور تنخواہ ملنے لگے تب بھی اس کو چاہئے کہ تنخواہ لے کر پڑھائے اگر ایسا ہی امارت کا جوش اٹھے وہ تنخواہ پھر مدرسہ میں دے دے مگر لے لے ضرور، تاکہ پابندی سے کام ہوتا رہے۔

ہمارے فقہاء (کو اللہ جزائے خیر دے) نے لکھا ہے کہ اگر قاضی امیر کبیر ہو تو اس کو بھی تنخواہ لینا چاہئے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی قاضی تنخواہ نہ لے اور دس برس تک وہ قاضی رہا اس کے بعد کوئی غریب قاضی ہو کر آیا تو اب تنخواہ کا اجراء مشکل ہوگا۔ سبحان اللہ فقہاء کا کیا فہم ہے، یہ حضرات حقائق شناس تھے۔

(دعوات عبدیت ذم ہویٰ ۳/۳۱)

مکاتب و مدارس کی تنخواہ لینا کیا ذلت کی بات ہے؟

بادشاہ کو جو خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے وہ بھی محض اس لیے کہ وہ رعایا کے کام میں محبوس ہے کیونکہ بادشاہ وہ ہے جس کو ساری قوم حاکم بناتی ہے اور اس کو بیت المال کے خزانہ سے تنخواہ دیتی ہے۔ اب یہ دیکھو کہ وہ خزانہ کس چیز کا نام ہے، میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں ساری قوم سے جو چندہ جمع کیا جاتا ہے کہ ایک پائی زید کی ایک

پائی عمرو کی، اور ایک پائی بکر کی، جس کو کوٹھری میں جمع کیا جاتا ہے، اس کا نام خزانہ ہے حقیقت اس کی وہی چندہ ہے۔ وہ بھی قومی چندہ ہے اسی سے بادشاہ کو تنخواہ ملتی ہے، صرف خزانہ لفظ سے اس کی عزت بڑھ گئی، لوگ کہتے ہیں کہ یہ خزانہ شاہی ہے مگر حقیقت اس کی وہی قومی چندہ ہے۔ پس یہی حقیقت اس چندہ کی ہے جس سے مولویوں کو تنخواہ یا نذر ملتی ہے، مگر مولویوں کے حق میں چندہ سے تنخواہ ملنے کو لوگ ذلت سمجھتے ہیں اور بادشاہ کے لیے ذلت نہیں سمجھی جاتی ہاں یہ فرق ضروری ہے کہ بادشاہ کو ایک لاکھ ملتی ہے اس لیے ذلت نہیں خیال کی جاتی اور مولوی بیچاروں کو تھوڑی مقدار ملتی ہے اس لیے اس کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور الزام رکھتے ہیں کہ مولوی خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں مگر بغور دیکھئے حقیقت دونوں جگہ ایک ہی ہے اور جب حقیقت ایک ٹھہری تو جس نے چندہ میں سے ایک پیسہ لیا اس کی کم ذلت ہونا چاہئے اور جس نے زیادہ لیا اس کی زیادہ ذلت ہونی چاہئے۔ (التبلیغ ۲/۷۴)

اگر یہ مولوی خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں تو بادشاہ اور وائسرائے اور جج، کلکٹر سب ہی خیرات کھاتے ہیں، اگر یہی بات ہے تو کسی کو بھی تنخواہ نہ لینی چاہئے، کیونکہ سب کو قوم ہی کے چندہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ (التبلیغ ۲/۷۵)

مولویوں کی تنخواہ کا استحقاق کیوں ہے؟

رہی یہ بات کہ بادشاہ کو خزانہ سے تنخواہ ملنے کی استحقاق کی علت کیا ہے؟

سو وہ علت یہ ہے کہ وہ ملک کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے کیونکہ وہ قوم کی خدمت کرتا ہے اس لیے اس کا نفقہ رعایا کے ذمہ ہے اور بادشاہ پر کیا موقوف ہے سب کو قومی چندہ ہی سے تنخواہ ملتی ہے۔ کلکٹر کو بھی ڈپٹی کلکٹر کو بھی، جج کو بھی منصف کو بھی بس یہ مسئلہ عقلی ہوا اور اس قاعدہ کو شریعت نے بھی تسلیم کرلیا ہے جیسے زوجہ کا نفقہ

اس کے شوہر پر۔ اب بتایئے یہ علت علماء کے استحقاق تنخواہ وغیرہ میں بھی مشترک ہے یا نہیں، کیونکہ وہ بھی قوم کی دینی خدمت میں محبوس ہے۔

اس لیے ان کا نفقہ بھی قوم کے ذمہ ہے کیونکہ جب تک وہ معاش سے فارغ نہ ہوں دین کا کام نہیں کر سکتے، اگر ان کی خدمت نہ کی جائے گی تو وہ کھائیں گے کہاں سے؟ (التبلیغ ۵/۲ ۷، وعظ خیر المال)

مولویوں کو تنخواہ ملتی ہے ان پر کسی کا احسان نہیں

ان پر کسی کا احسان نہیں کہ کبھی کوئی احسان کرنے لگے اس لیے کہ اگر وہ تنخواہ وغیرہ لیتے ہیں تو آپ کی دینی خدمت بھی تو کرتے ہیں، آپ کے ذمہ تو ان کا قرض ہے اگر یہاں دنیا میں نہ دیا تو شاید آخرت میں اگلوائیں۔ ایسا نہ ہو تو پڑھنے پڑھانے کا اور تبلیغ کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے اور سارا دین درہم برہم ہو جائے۔

(التبلیغ ۴/۲ ۷)

تنخواہ کتنی ہونا چاہیے؟

(تنخواہ یا مشاہرہ) بحیثیت نفقہ کے دیا جاتا ہے اور نفقہ بقدر کفایت ہوتا ہے، مگر اس میں ہمیشہ جھگڑے پیدا ہوا کرتے عامل کہتا کہ اب کی مہینہ میں میرے پچاس روپیہ خرچ ہوئے۔ دوسرے کہتے بیس ہی ہوئے، جب روزانہ جھگڑا کرتے تو سلسلہ تعلیم چند روز میں درہم برہم ہو جاتا اس عارض کے لیے انتظاماً تعین کی بھی اجازت ہوگی۔ (دعوات عبدیت ۱۳۸/۴، احکام عشرہ اخیرہ)

میں کہتا ہوں کہ اس میں خطا مولویوں کی نہیں بلکہ خطا ان کی ہے جنہوں نے حریص بنایا، لوگوں کو چاہیے کہ اماموں اور مؤذنوں کی معقول تنخواہیں مقرر کیا کریں

اوران کوعزت کے ساتھ رکھا کریں، افسوس کہ عوام نے علماء کوبھی ملاّ نوں میں داخل کرلیااوروہ ان کوبھی پست ہمت، لالچی اورحریص سمجھتے ہیں۔(التبلیغ ۵۸/۱۰)

کم تنخواہ ہونا علم دین کی ناقدری کی علامت ہے

اگر ہمارے اندر دین کی عظمت ووقعت ہوتی تو حاملانِ قرآن کی مشقت کی قیمت بھی بڑی تجویز کرتے لیکن ہم نے دین کی بے وقعتی کر رکھی ہے اس لیے موذنوں اور معلموں اور اماموں کی یہ بے قدری کر رکھی ہے کہ ان کی تنخواہیں بہت قلل مقرر کی جاتی ہیں اور مردوں کے کھانے کپڑے سے ان کی امداد کرتے ہیں، تیجہ اوردسویں کا کھانا مقرر کرتے ہیں۔(التبلیغ ۷۰/۱۰)

ضرورت سے زائد تنخواہ نہ صرف جائز بلکہ بہتر اور پسندیدہ ہے

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کتب دینیہ کی تعلیم پر گذارے کی ضرورت سے زیادہ اجرت لینی جائز ہے یانہیں؟ فرمایا جائز ہے، خصوصاً اس زمانہ میں کیونکہ مباشرت اسباب طبعًا قناعت اوراطمینان کے حصول کا سبب ہے، (یعنی اسباب کے اختیار کرنے سے دلوں کواطمینان ہوتا ہے) اورطبیعتوں کے ضعف کی وجہ سے آج کل یہ قناعت اوراطمینان بڑی نعمت ہے، باقی یہ کہ ضرورت سے زیادہ کیسی اجازت ہوگی، سوضرورت کی دوقسمیں ہیں (۱) حالی (۲) مآلی (یعنی آئندہ پیش آنے والی ضرورت)۔ پس ممکن ہے کہ اب ضرورت نہ ہواورآئندہ چل کر ضرورت ہوجائے اس لیے زائد لینے کی بھی اجازت ہوگی کیونکہ اپنے پاس زائد روپیہ ہونے سے ایک قسم کا استغناء رہتا ہے کہ ہمارے پاس روپیہ ہے بلکہ بعض مصالح کے سبب تو بلاضرورت بھی ایسے ابواب کا قبول کرلینا مستحسن قرار دیا گیا ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے قاضی کے رزق قبول کرنے میں خاص مصلحت بیان کی ہے،

اور اگر اس میں طمع کا شبہ ہو تو اتنی طمع بھی جائز ہے، حضرت سفیان ثوریؒ اس درجہ کے زاہد تھے کہ ان کے پاس ہارون رشید کا خط آیا تو لکڑی سے کھول کر پڑھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس خط کو ظالم کا ہاتھ لگا ہے، مگر باوجود اس کے وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں کچھ مال جمع رکھنا مصلحت ہے، کیونکہ اگر ناداری کی حالت میں ضرورت پڑے گی تو مضطر (پریشان) ہو کر پہلے دین ہی کو تباہ کرے گا۔ اس واسطے تنخواہ ضرور لے اگر کچھ بچ جائے تو اس کو جمع کرتا رہے۔

میں نے جمعرات کی روٹیاں جو مسجد میں آتی تھیں جاری رکھنے کی رائے دی ہے جس کو بعض موذن حاجت نہ ہونے کی وجہ سے رد کر دیتے تھے، میں نے کہا کہ رد نہ کی جائیں ممکن ہے کہ یہ (بے نیازی) اور استغناء کی حالت ہمیشہ نہ رہے اور پھر کسی دوسرے موذن کو ضرورت واقع ہو، اور اگر لوگوں کی عادت نہ رہی تو دوسرا موذن تنگ آ کر مسجد چھوڑ دے گا اور مسجد غیر آباد ہو جائے گی۔ یہی مصلحت مدرسی کی تنخواہ لینے میں بھی ہے کہ سلسلہ جاری رہنے سے اہل اعانت کی رعایت رہے گی، نیز اس سے انکار کرنے میں در پردہ امام شافعیؒ پر اعتراض ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بالکل جائز ہے۔ (الکلام الحسن ص: ۲۳)

زائد تنخواہ کی وجہ سے دوسری جگہ جانا

فرمایا ایک جگہ کی تھوڑی تنخواہ کی ملازمت کو دوسری جگہ محض زیادتی کی وجہ سے چھوڑنا جب کہ اس قلیل تنخواہ میں گذر بھی ہو جاتا ہو خدا تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ جب میں کانپور میں تھا تو ایک جگہ سو روپیہ کی تنخواہ پر مجھے بلایا گیا اس وقت مجھے کانپور میں چالیس روپیہ ملتے تھے میں نے جواب لکھ دیا کہ جو شخص ایک جگہ کام کر رہا ہے اس کا وہاں سے ہٹانا مناسب نہیں ہے جو شخص بیکار (خالی) ہو اس کو بلا کر آپ رکھیں تاکہ

اس کی حاجت رفع ہو، اور اگر میں آپ کے یہاں آ بھی جاؤں تو آپ کو میرے اوپر اعتماد نہ کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص زیادتی کی وجہ آپ کے یہاں آیا ہے اگر اس کو اس سے کہیں زیادہ ملیں گے تو وہ وہاں چلا جائے گا۔ (حسن العزیز ۲/۱۳۶)

تنخواہ کی زیادتی کی وجہ سے کہیں جانے سے سکون نصیب نہیں ہوتا

فرمایا بڑی تنخواہوں نے مولویوں، قاریوں، حافظوں کو مار لیا، پھر فرمایا جتنے لوگ یہاں سے محض ترقی کی وجہ ملازمت چھوڑ کر گئے انہیں اطمینان تو نصیب نہیں ہوا، جب انسان کا گذر کافی طور پر ہو رہا ہو تو ایک جگہ سے محض زیادتی کی وجہ سے تعلق چھوڑ دینا ناشکری ہے، البتہ اگر گذر کے لائق بھی نہ ہو تو وہ اور بات ہے اس وقت مضائقہ نہیں۔ (حسن العزیز ۲/۲۲۴)

جو صاحب امداد العلوم سے تعلق چھوڑ کر دوسری جگہ تنخواہ کی زیادتی دیکھ کر گئے ان کو سکون واطمینان تو نصیب ہوا نہیں، حالانکہ سکون بڑی چیز ہے، سلطنت کی بھی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں ہے۔ (حسن العزیز ۲/۳۶)

طالب دنیا اور طالب آخرت کا فرق اور مخلص وغیر مخلص کی پہچان

میرے نزدیک اجرت اور نفقہ میں فرق کا معیار یہ ہے کہ جو مدرس تنخواہ لے کر پڑھا رہا ہے وہ یہ سوچے کہ کسی جگہ سے زیادہ تنخواہ آجائے مثلاً یہاں پچیس روپئے مل رہے ہیں دوسرے جگہ سے پچاس پر ان کو بلایا جائے اور پچیس روپئے میں ان کا کام بھی چل رہا ہے، مگر کام چلنے کے یہ معنی نہیں کہ دس چھٹانک گھی روزانہ کھا سکتے ہوں اور دو روپئے گز کا کپڑا پہن سکتے ہوں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچیس روپئے میں تالم

(تکلیف وتنگی) نہ ہو گو تنعم بھی نہ ہو۔

نیز دوسری جگہ دین کا نفع بھی یہاں سے زیادہ نہ ہو پھر دیکھنا چاہیے کہ اس کی حالت میں دوسری جگہ دونی تنخواہ پر جاتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جاتا ہے تو واقعی اس کی تنخواہ نفقہ ہے (اور مخلص اور طالب آخرت ہے) اور اگر چلا گیا تو اس کی تنخواہ اجرت ہے، اور یہ طالب دنیا ہے اور یہ کرایہ کا ٹٹو ہے گو گناہ اس میں بھی نہیں کیونکہ متاخرین کا فتویٰ جواز پر ہو چکا ہے، مگر اس کو تعلیم وتدریس میں ثواب کچھ نہیں، کیونکہ اس کا مقصود محض تنخواہ ہے اس حالت میں یہ تعلیم طاعت نہیں۔

البتہ اگر تنخواہ اس درجہ قلیل ہو جس میں تنگی اور کلفت سے گذر ہوتا ہو یا گذر تو ہو جاتا ہے مگر وہاں کوئی دوسری تکلیف ہے جیسے باہمی رقابت ایک دوسرے سے بغض وحسد یا اس کے مثل کوئی اور کلفت ہو تو اس صورت میں دوسری جگہ جانا مذموم نہیں، کیونکہ اس کا مقصود زیادہ تنخواہ نہیں بلکہ رفع تالم (یعنی تکلیف سے بچنا) مقصود ہے۔

یا دوسری جگہ تنخواہ زیادہ ہے اور وہاں دین کا کام بھی اس کے ہاتھ سے زیادہ ہو گا اس صورت میں بھی دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں، جب کہ مقصود یہ ہو کہ وہاں جا کر دین کا کام زیادہ کروں گا، خدا تعالیٰ سے معاملہ ہے اپنی نیت دیکھ کر خود فیصلہ کر لینا چاہیے۔ (التبلیغ ۱۲/۱۰۸)

باب (۵)

فصل (۱) اصلاح مدارس

مدارس کی اصلاح بہت ضروری ہے

مدارس میں متعدد امور ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے اور اصلاح نہ ہونے سے اہل علم کی جماعت معترضین کا ہدف ملامت بھی بنتی ہے۔ اور خود مدارس کی روح یعنی عمل بالدین وہ بھی ضعیف ہو جاتی ہے، اور نیز ان امور کو دیکھ کر دوسروں پر اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ علوم دینیہ سے متوحش اور متنفر ہو جاتے ہیں، اور اس کا سبب اہل علم کی جماعت ہوتی ہے تو گویا درجہ تسبب **یصدون عن سبیل اللہ** کے مصداق داخل ہوتے ہیں (یعنی اللہ کے راستہ سے روکنے کا ذریعہ بنتے ہیں)۔ (حقوق العلم ص: ۸۵)

مدارس کی اصلاح بہت ضروری ہے اگر ان کی اصلاح ہو گئی تو ایک عالم کی اصلاح ہو گئی۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ: ص: ۷۸)

وظیفہ مقرر کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہئے

فرمایا: بہت ثقاہت جتانے والے اکثر دھوکہ باز ہوتے ہیں جو بہت بنتا ہے وہ بہت بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ ایک حافظ صاحب آ کر مدرسہ میں رہے، اور مدرسہ کی طرف سے فوراً ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا، وظیفہ لے کر انہوں نے مدرسہ سے اپنی روانگی

کا ارادہ ظاہر کیا اور چلے گئے۔ پھر فرمایا کہ ایسی خرابیاں اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ آنے والوں کی امداد فوراً آتے ہی شروع کر دی جاتی ہے، سو ایسا نہ ہونا چاہئے بلکہ انتظار و جانچ کے بعد امداد ہونی چاہئے۔ (حسن العزیز ص:۱۹)

مقامی طلبہ کا وظیفہ نہ مقرر کرنے میں مصلحت

میری تو رائے ہے کہ مدرّس بستی کے نہ رکھے جائیں بلکہ باہری رکھے جائیں میں نے ایک مرتبہ طلبہ کے متعلق یہ سمجھا کہ جیسے باہر کے طلبہ کا وظیفہ ہوتا ہے ایسے ہی بستی کے طلبہ کا بھی وظیفہ ہونا چاہئے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا مگر قواعد کی رو سے بعض طلبہ کے وظائف بند کرنے کی ضرورت پیش آئی تو دس آدمی ان کی حامی کھڑے ہو گئے۔ تب میں یہ سمجھا کہ بزرگوں کی باتوں میں دخل دینا ٹھیک نہیں۔ پہلے بزرگوں نے جو باتیں مقرر کی ہیں، وہ سب صحیح ہیں۔ (ملفوظات ص:۱۵۵)

تربیت کی ضرورت

ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ تعلیم کو تو سب کے لیے ضروری سمجھتے ہیں مگر تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے، تعلیم درسی سے تو ہر اعتبار سے اور مطلق تعلیم سے بعض وجوہ سے، تعلیم درسی سے تو اس لیے کہ وہ فرض عین نہیں، بہت صحابہ علوم درسیہ سے خالی تھے، مگر ان پر کبھی اس کو لازم نہیں کیا گیا، اور تربیت یعنی تہذیب نفس ہر شخص پر فرض عین ہے۔

اور مطلق تعلیم سے اس لیے کہ تعلیم سے مقصود تربیت ہی ہوتی ہے کیونکہ تعلیم علم دیتا ہے اور تربیت عمل کراتا ہے اور علم سے مقصود عمل ہی ہے، اور مقصود کا اہم ہونا ظاہر ہے، بہر حال تربیت تعلیم سے اہم ہے اس سے قطع نظر کرنے کی اور اس کو ضروری

نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں۔ (اصلاح انقلاب ۱۲/ ۱۹۷)

صفائی ستھرائی کا اہتمام

نظافت کا انتظام بقدر ضرورت ضروری ہے اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ منتظم مدرسہ خواہ بذریعہ ملازم یا خود طلبہ کو تصریحاً حکم دے کر اپنی نگرانی میں ہفتہ وار ضرور صفائی کرادیا کرے۔ (حقوق العلم ص: ۳۲)

کپڑے اور بدن کی صفائی کی ضرورت

ضرورت اس کی ہے کہ تکلف نہ ہو اور صفائی ہو مثلاً آج کل گرمی کا موسم ہے اس موسم میں علی العموم کپڑوں میں جلدی بدبو آجاتی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ ہفتہ میں دو مرتبہ ضرور غسل کر کے کپڑے بدلے جائیں، اور اگر کسی کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو تو وہ یہ کرے کہ اپنے انہیں کپڑوں کو جن کو پہنے ہوئے ہے دھو کر صاف کرے، کپڑے میں تکلف اور استری کی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ میلا نہ ہو۔ پسینے کی بدبو نہ آتی ہو، کیونکہ بدبو سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے خصوصاً اساتذہ کو، آپ لوگوں نے حدیث میں پڑھا ہے ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ'' (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں) اور پسینے کی بدبو سے اذیت ہوتی ہے، چنانچہ غسل جمعہ کی سنّیت کے قصہ میں آیا ہے ''کَانَ یُؤْذِیْ بَعْضُھُمْ بَعْضًا'' یعنی ایک دوسرے کو پسینہ کی وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اس لیے غسل کا حکم ہوا اور لیجئے فقہاء نے کہا ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ کچی پیاز کھا کر مسجد میں نہ جائے۔

دوسرے کی تکلیف کے علاوہ صفائی نہ رکھنے سے طرح طرح کی بیماریوں کا

بھی اندیشہ ہوتا ہے اور صفائی کو صحت میں بہت زیادہ دخل ہے، کیونکہ صفائی سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور نشاط معین صحت ہے۔ (دعوات عبدیت العمل للعلماء ۱۲/۴۴)

صحن اور کمروں کی صفائی

نظافت مطلوب ہے چنانچہ اس کی اس قدر ترغیب دی ہے کہ یوں ارشاد فرمایا: ''نظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود'' یعنی اپنے فناء دار کو صاف رکھا کرو، اور اس کو میلا کچیلا رکھ کر یہود جیسے نہ بنو، فناء دار اس حصہ زمین کو کہتے ہیں، جو گھر سے باہر دروازہ کے سامنے ہو جب فناء دار تک کی نظافت مطلوب ہے اور اس کا حکم ہے تو خود دار اور حجرہ اور لباس و بدن کے صاف کرنے کا حکم کیوں نہ ہوگا، اب طالب علموں کی یہ حالت ہے کہ چاہے دو بالشت کوڑا ان کے حجرے میں ہو جائے لیکن یہ کبھی صاف نہ کریں گے۔ (دعوات عبدیت ص: ۳۳، جلد ۱۳ ص: ۴۴)

صفائی ستھرائی اور سلیقہ کا نظم

آج کل آموں کی فصل ہے مدرسہ میں جس جگہ دیکھئے چھلکا گٹھلی پھیلا پڑا ہے، میں نے تھانہ بھون میں یہ انتظام کیا ہے کہ ایک جگہ ایک بڑا ٹوکرہ رکھ دیا ہے اور سب سے کہہ دیا ہے کہ اس میں چھلکے وغیرہ ڈالو، لیکن اس کے باوجود کسی کو اس کی توفیق نہیں ہوتی، وجہ یہی ہے کہ مزاج میں صفائی اور نظافت نہیں، علی ہذا، گرمی کی وجہ سے سب لوگ صحن میں سوتے ہیں لیکن ایسے بہت کم ہیں کہ صبح اٹھ کر چارپائی کو کسی ٹھکانے کی جگہ رکھ دیں بلکہ جس جگہ پڑی ہے وہیں دن چڑھے تک پڑی رہے گی۔

(دعوات عبدیت ۱۳/۴۴)

نگراں کا تقرر اور ان کی ذمہ داری

مدارس میں یہ انتظام ہونا ضروری ہے کہ دس دس بیس بیس لڑکوں پر ایک معمر نگراں مقرر ہو جو ان امور کی نگرانی رکھے کہ کسی بڑے طالب علم سے نہ ملنے دے، نگراں سے الگ ہو کر آپس میں باتیں نہ کریں۔ ان کے نام جو خطوط آئیں وہ بھی دیکھ کر دے، لباس سادہ ہو اگرچہ امراء کے بچوں کا قیمتی ہو، نماز و جماعت میں ان کی حاضری کی فکر رکھے۔ تفریح یا کسی ضرورت سے بازار وغیرہ میں جائیں تو ان کے ساتھ رہے، ان باتوں کی خلاف ورزی پر مناسب سزا دے۔

(تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۸۱)

طلبہ کے اعمال واخلاق کی نگرانی کی ضرورت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے، اور ایسے وقت آ کر ملے کہ نماز کا وقت آ گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے جلدی میں کسی وجہ سے پاؤں دھونے میں کچھ سوکھا رہ گیا تو آپ نے دو تین مرتبہ زور سے فرمایا کہ خبردار! عذاب ہے ان ایڑیوں کے لیے جو سوکھی رہ جائیں۔

اس سے شاگرد کے تین حق ثابت ہوئے ایک یہ کہ صرف تعلیم ہی پر اکتفاء نہ کرے بلکہ ان کے اعمال کی بھی نگرانی رکھے، جس کی طرف اب بالکل ہی توجہ نہیں کی جاتی اساتذہ صرف پڑھا دینے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۱۲۶)

طلبہ کو اصول کا پابند بنایا جائے

اکثر عربی مدرسوں میں طلبہ کی خواہش و مذاق اور کثرت تعداد کے مقابلہ میں

اصول وقواعد کی پرواہ کم کی جاتی ہے، اس سے بھی مفاسد پرورش پاتے ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ طلبہ کوقواعد کا پابند بنایا جائے خواہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو جائے، کام کے دو چار نا کارہ سو دوسو سے افضل ہیں۔

(حقوق العلم ص: ۸۹،تجدید تعلیم ص:۱۷۴)

شکایت سننا اور اس پر تنبیہ کرنا

ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص کی نماز اتنی طویل ہوتی ہے کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ بددل ہوکر جماعت چھوڑ دوں۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اتنا برافروختہ (خفا) ہوئے کہ کبھی اتنا برافروختہ ہوتے نہ دیکھا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو متنفر کرتے ہو، جو نماز میں امامت کرے اس کو چاہئے کہ تخفیف سے کام لے۔

اس سے بھی دو امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ اگر کچھ اسباق اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد کئے جائیں اور اس کی شکایت ہوتو شکایت سننا اور تحقیق کے بعد انتظام کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ شکایت کرنے والے کو محض طالب علم سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔

دوسرا یہ کہ اگر کسی شاگرد یا طالب علم سے کوئی نامناسب حرکت ہو اور معلوم ہو کہ غصہ ہوکر کہنے سے زیادہ نفع ہوگا تو غصہ ہی کرنا افضل ہے۔(تجدید تعلیم:۱۲۸)

طلبہ کی وضع قطع کی نگہداشت

بعض مدارس میں طلبہ کے اعمال واوضاع پر اصلاً روک ٹوک نہیں ہے اس سے جو برا اثر عوام پر اور خود ان طلبہ پر واقع ہوتا ہے محتاج بیان نہیں۔(حقوق العلم ص:۸۹)

ایک شخص سیاہ پاجامہ اور سیاہ عمامہ اور سیاہ صدری پہن کر آئے جو کہ ہیئت تزئین کی تھی مولانا نے فرمایا کہ تم لوگ جس غرض کے لیے آئے ہو، یہ وضع اس کے مناسب نہیں بلکہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ اس ہیئت سے تکبر کی شان پیدا ہوتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑے رئیس ہیں، پھر فرمایا کہ صدری پہننے کی کیا غرض ہے سوائے اس کے کہ زینت ہو، کیونکہ اس وقت گرمی کا وقت ہے! فرمایا جاؤ اس وضع کو بدلو۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ''اَلْبَذَاذَةُ مِّنَ الإِيْمَانِ'' سادگی ایمان کی بات ہے، یہ ہیئت اگرچہ نصاً مذموم نہیں لیکن وجدانِ سلیم سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کون سی ہیئت کس نیت سے بنائی ہے۔

لباس فاخرہ اگر اپنی تفریح طبع کے لیے ہو تو جائز ہے اور اس آیت کے تحت داخل ہے، قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ اور اگر تفاخر عند الناس کی غرض سے ہو تو حرام ہے اور اس آیت کے تحت داخل ہے۔ وَزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ۔

(دعوات عبدیت ۵۵/۱۴، ملفوظات)

اساتذہ اور نگراں کو تنبیہ

اے محترم اور بزرگ قوم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ'' تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے جس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

پس اے حضرات اساتذہ! آپ اپنے متعلّمین اور طلبہ کے نگہبان ہیں، اور وہ آپ کی رعیت ہیں، پس ان کی عملی حالت سے اگر آپ بے توجہی برتیں گے تو کیا آپ سے مواخذہ نہ ہوگا؟ اس لیے ہمیں طالب علم کی ہر حالت پر نظر رکھنی چاہیے، بہت زیادہ جاسوسی کی تو ضرورت نہیں مگر اس کی کوئی بات انداز و قرائن یا کسی اور

ذریعہ سے معلوم ہو جائے تو اس پر ضرور تنبیہ کرنی چاہیئے ، بالخصوص اخلاق کی کمزوری کی ضرور اصلاح کرنی چاہیئے ، اور واجبات وفرائض کے علاوہ سنن ومستحبات کا بھی اس کو پابند بنانا چاہیئے ۔ (آداب المتعلمین بحوالہ حکیم الامت تھانویؒ ۳/۱۹۸)

شریر اور عاجز کردینے والے ایک طالبعلم کی اصلاح کا قصہ

فرمایا کانپور میں ایک لڑکا بہت شریر تھا بہت سے استاذ اس کو پڑھاتے پڑھاتے عاجز ہو گئے تھے، ایک میاں جی نے کہا کہ میں اس کو پڑھاؤں گا چنانچہ انہوں نے اس کو پڑھانا شروع کیا اور یہ معمول کرلیا کہ اس لڑکے کے روزانہ دس قمچی (چھڑی) لگا دیتے تھے، جب پہلے دن اس کے دس قمچی لگائی گئیں تو اس نے کہا کہ میں نے کیا خطا کی ہے، میاں جی نے کہا خطا کچھ نہیں تمہیں ضرورت ہے اس کی بس، اسی طرح دس قمچیاں روز لگا کرتی تھیں ۔ (حسن العزیز ۲/۱۹۳)

شرعی اور عربی اصطلاحات کا استعمال

لوگ الفاظ کو معمولی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ الفاظ بڑی چیز ہیں، انہیں سے نکاح ہوتا ہے اور انہیں سے ٹوٹ جاتا ہے، الفاظ ہی سے آدمی مسلمان سمجھا جاتا ہے اور الفاظ ہی سے کافر ہو جاتا ہے۔ شریعت میں الفاظ کا اس درجہ اہتمام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَایَقُوْلَنَّ أَحَدُکُمْ خَبُثَتْ نَفْسِیْ وَلِیَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِیْ یعنی اگر کسی کو متلی ہو تو یوں نہ کہے کہ میری طبیعت بری ہے، بلکہ یوں کہے کہ میری طبیعت مالش کرتی ہے، یا مجھے متلی ہو رہی ہے، کیونکہ مسلمان کی طبیعت بری نہیں ہوسکتی، جس کے پاس ایمان کی دولت ہے وہ کسی حال میں برا نہیں، تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی معمولی باتوں میں بھی رعایت الفاظ کی تاکید فرمائی ہے، تو

الفاظ بہت بڑی چیز ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تعلیم کو ملاحظہ فرمائیے کہ آپ فرماتے ہیں:
لَایَغْلِبَنَّکُمُ الأَعْرَابُ عَلٰی اِسْمِ الْعِشَاءِ الآخِرَۃِ، وَکَانُوْا یُسَمُّوْنَھَا الْعَتَمَۃَ
(اوکما قال) مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عشاء کے وقت کو عتمہ کہا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہلا عرب اس لفظ میں تم پر غلبہ نہ کرنے پائیں کہ تم بھی ان کی طرح عشاء کو عتمہ کہنے لگو۔

اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ شریعت نے جن الفاظ میں اپنی کوئی خاص اصطلاح مقرر کی ہے مسلمانوں کو اسی کا استعمال کرنا چاہئے۔ اس کو چھوڑ کر کفار کی اصطلاح نہ برتنی چاہئے، ظاہر میں تو یہ معمولی بات ہے کہ بول چال میں اپنے اسلامی الفاظ بولے جائیں، مگر اس کو چھوڑنے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو دیکھ کر اس کی قدر معلوم ہوتی ہے، اگر سب مسلمان الفاظ کو معمولی چیز سمجھ کر دوسری زبان کے مہینے استعمال کرنے لگیں تو رمضان اور عید اور حج وغیرہ کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کب آئے تھے اور کب چلے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رعایت الفاظ فرما کر محض الفاظ کو نہیں بلکہ دین کو سنبھالا ہے مگر آج کل لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔

(اسباب الفتنہ التبلیغ ۱۰/۳۰-۳۳)

عربی مہینوں اور اسلامی تاریخ کا استعمال

ایک بات یاد آ گئی، اس پر بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہم لوگوں کو اپنے روزمرہ میں عربی مہینوں کا استعمال کرنا چاہئے، ہاں ضرورت کے موقع پر دوسرے مہینوں کے استعمال کا مضائقہ نہیں (مثلاً منی آرڈر پر دستخط کرنا ہو یا کوئی عدالتی کاغذ وغیرہ وغیرہ) باقی روزمرہ کی بول چال اور باہمی خط وکتابت میں عربی مہینوں ہی کا

استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اس میں دوسرے مہینوں کا استعمال کی کچھ ضرورت نہیں، پھر بلاضرورت اور بلا وجہ اسلامی طریقوں کو چھوڑ کر دوسروں کا طریقہ کیوں لیا جائے۔ مگر آج کل اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور اکثر نوجوانوں نے عربی مہینوں کا استعمال ترک کردیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ رمضان کب آ گیا اور جو کسی کو خبر ہوتی ہے تو وہ بھی انگریزی مہینوں کے ذریعہ سے۔ چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے کہ اب کی بیسویں جولائی کو عید ہوگی۔ حالانکہ عید ایک اسلامی چیز ہے مگر ان حضرات کو اس کا وقت بھی انگریزی مہینوں سے معلوم ہوتا ہے۔

(التبلیغ اسباب الفتنہ ص:۳۱)

شرعی حکم

چونکہ مدار احکام شرعیہ کا حساب قمری پر ہے، اس لیے اس کا محفوظ و منضبط رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے، اور سہل طریق انضباط کا یہ ہے کہ روزمرہ اسی کا استعمال رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ فرض کفایہ عبادت ہے اور عبادت کی حفاظت کا آلہ یقیناً ایک درجہ میں عبادت ہے پس حساب قمری کا استعمال اس درجہ میں مطلوب شرعی ٹھہرا۔

شمسی حساب کا استعمال کرنا شرعاً ناجائز تو نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ وسلف صالحین کی وضع کے خلاف ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

(بیان القرآن ۱/۱۰۸)

باب (۶)

فصل (۱) اصلاح العلماء والطلبہ

علماء کو دین کے تمام شعبوں کا جامع ہونا چاہیے

آپ لوگ مقتداء بننے والے ہیں، اس لیے آپ کے اندر سب شعبے دین کے ہونا چاہئے، عالم وہ ہے جو علوم کے تمام شعبوں کا عالم ہو، حسین وہ ہے جس کی ناک، کان، آنکھ سب ہی حسین ہوں۔ سب چیزیں موزوں یا متناسب ہوں، اگر سب چیزیں اچھی ہوں مگر آنکھوں سے اندھا یا ناک کٹی ہو تو وہ حسین نہیں، اسی طرح دیندار وہ ہے جو دین کے تمام شعبوں کا جامع ہو۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۲۲۷)

علماء وطلبہ سے خاص خطاب

میں علماء وطلبہ سے خاص طور پر خطاب کرتا ہوں کہ آپ حضرات جو علم پر ناز کئے بیٹھے ہیں اور علم کے فضائل اور درجات عالیہ کا مستحق اپنے کو سمجھتے ہیں اور موقع بے موقع عوام کے سامنے **فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ** پڑھ دیا کرتے ہیں، آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ فضائل کون سے علم کے ہیں، مطلق علم کے یا علم مع العمل کے؟ اگر عالم بے عمل کے لیے کتاب وسنت میں وعیدیں نہ ہوتیں تو تمہارا ناز کسی درجہ میں تسلیم کیا جاتا، مگر ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے نفس علم کیسے باعث فخر ہوسکتا ہے۔ (الافاضات ۵۳/۳)

محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہوجاتا بلکہ علم دوسری چیز کا نام ہے

جب طب (ڈاکٹری) کی کتابیں پڑھ لینے سے ہر شخص طبیب نہیں بن جاتا جس کو علاج کا ملکہ (مہارت) حاصل ہو جائے وہی طبیب ہوتا ہے اسی طرح بعض لوگوں کو حدیث وقرآن اور فقہ کی کتابیں پڑھ لینے سے علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی، محض الفاظ یاد ہو جاتے ہیں، علم کی حقیقت حاصل ہونے کے لیے کتابوں کے سوا ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے جس کو اس زمانہ کے ایک شاعر نے خوب کہا ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یعنی صحبت اہل اللہ کی بھی ضرورت ہے اور اس سے آج کل اکثر علماء کورے ہیں، الا ماشاء اللہ، اس طرف توجہ ہی نہیں۔ اسی واسطے حقیقی علم والے بہت تھوڑے ہیں۔ (التواصی بالحق ص:۳۶)

مولوی اسی ناز میں ہیں کہ ہم قال اقول یعنی عربی کتابیں خوب جانتے ہیں مگر اس سے کیا ہوتا ہے مقصود تو کچھ اور ہی ہے۔ عربی داں ہونا کچھ کمال نہیں، خدا داں ہونا چاہیے۔ (انفاس عیسیٰ ۱/۱۱ا۴)

بڑا ناز ہے علم پر کہ ہم عالم ہو گئے، یاد رکھو! بغیر اپنے کو مٹائے ہوئے کچھ بھی نہیں ہوتا، اور مٹانے کے یہ معنی نہیں کہ کتابیں مٹا دو، نہیں تم اپنے کو مٹا دو کہ ہم کچھ نہیں، جب تک یہ بات پیدا نہ ہو سمجھ لو کہ تم برباد ہو، کورے ہو، کچھ نہیں ہو۔

(الافاضات الیومیہ ۳۸۱/۴)

محض عالم ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا

ہم عالم ہو کر اکمل ہو سکتے ہیں لیکن افضل ہونا خدا ہی کو معلوم ہے ایک محض عالم ہے اور ایک جاہل تو یہ عالم اکمل تو ہے مگر افضل ہونا خدا ہی کو معلوم ہے افضل

جاہل ہے یا عالم کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ عالم کے لیے افضل ہونا بھی لازم ہے۔ ممکن ہے کہ اس جاہل کے قلب میں ایسی کوئی چیز ہو کہ وہ علم سے زیادہ خدا کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہو تو اپنے اکملیت کی بنا پر اپنے کو افضل سمجھنا برا ہے۔ یہی علوم ہیں جو کامل کی صحبت میں میسر ہوتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص: ۳۶۸)

فرمایا ایک مرتبہ متعدد علماء کا مجمع تھا اور کبر وتواضع کے متعلق اس پر بحث تھی کہ ایک عالم اپنے کو کمتر کیوں سمجھ لے، یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے، کیونکہ جب علم وفضل پڑھا ہے تو یہ کیسے سمجھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ ایک حافظ اپنے کو غیر حافظ کیسے سمجھ سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت نے نہایت جامع اور مختصر جواب ارشاد فرمایا کہ کسی کمال کے سبب اکمل سمجھنا تو جائز ہے مگر افضل بمعنی مقبول سمجھنا جائز نہیں۔ پس یہ سمجھنا کہ میں عالم ہوں اس میں کوئی حرج نہیں مگر اس پر اپنے کو مقبول عند اللہ سمجھنا یہ بڑا خطرناک ہے، پس یہ سمجھنا کہ ممکن ہے کہ باوجود اس کے جاہل ہونے کے اس میں ایسی کوئی خوبی ہو، جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے اور ہم گو بڑے عالم ہوں مگر ہم میں کوئی ایسی برائی ہو جس سے ہم ان کو پسند نہ آئیں پھر ہم ہیں کس کام کے۔

(ملحوظات جدید ملفوظات ص: ۲۷)

عمل الفاظ کا نام نہیں، حقیقی علم وحقیقی عالم کی شان

قرآن نے علماء بنی اسرائیل کے بارے میں پہلے تو وَلَقَدْ عَلِمُوْا لِمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَه فِي الآخِرَةِ مِن خلاق کہا پھر فرمایا: وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِه اَنْفُسَهُمْ لَو كَانُوْا يَعْلَمُوْن پہلے لَقَدْ عَلِمُوْا (بے شک جان لیا ان لوگوں نے) ان کی اصطلاح کے موافق فرمایا کیونکہ وہ بھی محض جان لینے اور لکھ پڑھ لینے کو علم کہتے تھے پھر لو کانوا یعلمون (کاش کہ یہ لوگ جان لیتے) اپنی اصطلاح کے

مطابق فرمایا جس میں ان سے علم کی نفی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شریعت میں علم الفاظ و معانی کا نام نہیں ہے ورنہ یہ تو علماء بنی اسرائیل کو حاصل تھا، اس سے نفی ان سے کیوں کر ہوسکتی ہے بلکہ علم کے ساتھ جب عمل بھی ہو اس وقت وہ علم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے **ان من العلم لجهلاً** (بے شک بعض علم جہالت ہوتے ہیں) اور ظاہر بات ہے کہ ایک چیز علم و جہل نہیں ہوسکتی اس لیے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ **ان من العلم عند الناس لجهلاً عند الله** کہ بعض علم جس کو عرفاً علم سمجھا جاتا ہے وہ خدا کے نزدیک جہل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں محض دانستن نادانستن (جاننے نہ جاننے) کا نام علم نہیں بلکہ ان کی حقیقت کچھ اور ہے وہ وہی جس کو ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ بعض علم حجۃ اللہ علی العبد ہے۔ جب کہ وہ اس کے مطابق عمل کرے، پس اب دیکھنا چاہئے کہ ہم جو اپنے کو عالم اور فقیہ سمجھتے ہیں ہمارا عمل اس کے موافق کہاں تک ہے، ہماری حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں اور جلسوں میں جو علم کے فضائل ہم بیان کرتے ہیں اس سے مقصود اپنی فضیلت کا ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ ہم اس درجہ کے ہیں، ہماری تعظیم کرنا چاہئے مگر علماء کو اس طرز سے شرم کرنا چاہئے۔ (العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض ص:۷۵)

علم نافع و علم ضار

علم پڑھ کر بھی جس میں خشیت نہ پیدا ہو اس سے وہ جاہل اچھا ہے جس میں خشیت ہو۔

علم کی مثال اس کے نافع اور مضر ہونے میں تلوار کی دھار کی سی ہے اس سے دوست بھی کٹتا ہے اور دشمن بھی کٹتا ہے، اگر تلوار چلانے والا ماہر فن نہ ہو تو کبھی اس

سے اپنے ہی کونقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔اس طرح کہ ہاتھ تو مارا دشمن کو اور وہ خالی گیا اور لوٹ کر اپنے ہی پر پڑ گیا، اسی طرح علم بڑی ہی نازک چیز ہے اس میں امن بھی ہے اور خوف بھی ہے گو غالب امن ہے مگر حسن استعمال کی ضرورت ہے۔ اس کو دیکھ لیجئے کہ جتنے گمراہ فرقے بنے ہیں یہ لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ ہی لوگوں کی بدولت بنے ہیں۔ کسی جاہل کا معتقد ہی کون ہوگا۔

(الافاضات الیومیہ ص:۳۵۲)

آج کل کے علماء کی پرواز

آج کل جس کو بھی ذرا بولنے کا سلیقہ ہو جائے اور دو چار تقریریں کر دے وہی لوگوں کے نزدیک عالم اجل اور فاضل بے بدل بلکہ علامہ زماں ہو جاتا ہے خواہ در حقیقت جاہل اور بددین ہی ہو۔ (الفصل والوصل ص:۴۱۴)

آج کل جہاں کسی نے عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لیں اسے مولوی کہنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ شخص حقیقت میں مولوی نہیں اصل مولوی وہ ہے جو احکام شریعت اچھی طرح سمجھ کر ان کے مطابق ظاہراً و باطناً عامل ہو، جو اللہ والا ہو اور اللہ والا شریعت سے جاہل نہیں ہو سکتا، تو محض عربی کتابیں پڑھ لینے یا عربی بول لینے اور لکھ لینے سے یا چرب زبانی اور ذہانت کی باتیں کر لینے اور عربی کتابوں سے انسان مولوی نہیں ہو سکتا۔ (تعمیم التعلیم ص:۲۷)

آج کل بعض لوگوں کو اس کا خبط ہو گیا ہے کہ وہ عربی میں تقریر کر لینے کو بڑا کمال اور فخر سمجھتے ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ تم کیسے بھی صاحب علم ہو جاؤ حتی کہ ابو العلم ہو کر بھی ایسی عربی نہیں بول سکتے، جیسی ابوجہل بولا کرتا تھا، اگر عربی میں گفتگو کر لینا ہی علم ہے اور یہ کوئی بڑا کمال ہے تو ابوجہل کو تم سب سے بڑا عالم (اور باکمال) ہونا

چاہئے، حالانکہ وہ ابوجہل ہی رہا، عربی بول لینے سے عربی میں تقریر کر لینے سے وہ ابو العلم تو کیا ہوتا ابن العلم بھی نہ ہوا۔ (مطاہر الاموال ص: ٦٦)

اصل چیز عمل ہے

اصل چیز عمل ہے بغیر عمل سب بیکار ہے خواہ علم ظاہر ہو یا علم باطن اصل فضیلت عمل ہی کو ہے، عمل ہی سے دین کی تکمیل ہوتی ہے، دیکھئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کتابی علم کہاں تھا مگر قبولیت اظہر من الشّمس ہے۔ (اس کی وجہ یہی ہے کہ) علم سے زیادہ ان کے پاس عمل تھا۔ (الافاضات الیومیہ ۲۱۱/۳)

عمل کے بغیر یہ تحقیقات ونکات کچھ کام نہ آئیں گے

میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات واسرار سب رکھے رہ جائیں گے اور سالکین سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجید واذواق اور معارف وحقائق بغیر تعلق صادق کے بیکار ہیں۔

حضرات! نوکر کا فیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنا رہے، اور باتیں بنایا کرے بلکہ اس کی خدمت کام آتی ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا ساری عبادتیں اور اسرار ونکات اور ارشادات غائب ہوگئے، ان سے کچھ کام نہ چلا، بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہو جائے تو نور علی نور ہے ورنہ کچھ نفع نہیں اگر مقصود حاصل

نہ ہوا، آج کل غضب یہ ہے کہ علماء وصوفیاء سب غیر مقصود کے در پے ہیں، مقصود سے اکثر غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں۔ (غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح، حقوق الزوجین ص: ۵۲۷)

علم کے بعد عمل واخلاص اور قال کے بعد حال کی ضرورت معرفت

خدا تعالیٰ کو عمل کے ساتھ باطن کی بھی خبر ہے وہ سب کے باطن کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ کس میں اخلاص ہے اور کس میں نہیں محض علم پر ناز نہ کرنا، کیونکہ یہی علم تو شیطان اور بلعم باعور کو بھی حاصل تھا، شیطان بقول مشہور ملائکہ کا معلم (استاذ) بھی تھا اور بلعم باعور اپنی قوم کا واعظ بھی تھا اور دونوں شخص علم کے ساتھ عمل ظاہر کے بھی جامع تھے۔

بڑے عابد اور جفاکش مجاہدہ کرنے والے تھے، مگر ان کے باطن میں اخلاص اور خدا تعالیٰ کی محبت ومعرفت پوری نہ تھی۔ اس لیے یہ علم وعمل سب بیکار ہو گیا۔ پس عمل کے ساتھ ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہوئی، جس کا نام حال باطنی ہے، بغیر حال کے علم وعمل قابل اعتبار نہیں اور یہ حالت کتب بینی سے حاصل نہیں ہوتا، یہ کسی صاحب حال کی جوتیاں سیدھی کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔ غرض علم وعمل اور حال ان تینوں کا حاصل کرنا ضروری ٹھہرا، اور محض علم وعمل حاصل ہو گیا مگر حال نہ ہو تو اس کے بارے میں ارشاد ہے، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْر یعنی خدا تعالیٰ باطن کو بھی دیکھتے ہیں، محض ظاہری عمل کو نہیں دیکھتے۔

محض قیل وقال سے کچھ نہیں ہوتا وراس سے حال حاصل نہیں ہوتا، ہاں اگر اس کے بعد کسی صاحب حال کو لپٹ جائے تو پھر یہ علم رسمی بہت کار آمد ہے، جاہل صوفی سے عالم صوفی افضل ہوتا ہے۔

حال وہ چیز ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل کامل نہیں ہوسکتا بغیر حال کے عمل کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کو آدمی ٹھیلتے ہوں آخر کب تک ٹھیلیں گے اور کیا اسی

طرح منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں؟ بہت مشکل ہے۔ (حقوق وفرائض)

اخلاص کی اہمیت

اخلاص کا لفظ سب سے سنا ہوگا مگر اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کسی کو فکر نہیں ہم لوگ بھی اپنی حالت پر غور کر کے نہیں دیکھتے کہ ہم میں کیا کمی ہے۔ اخلاص اتنی ضروری شئی ہے کہ عبادت تک اس کے بغیر معتبر نہیں۔ جب عبادت کے ساتھ بھی اخلاص کا ہونا ضروری ہے تو اس سے اخلاص کی عظمت شان اور زیادہ معلوم ہوگئی کہ عبادت جیسی چیز بھی بدون اس کے ہیچ ہے۔ (دعوات عبدیت ۲/۵۷، الدین الخالص)

اخلاص کی حقیقت

اخلاص کے معنی لغت میں خالص کرنے کے ہیں، اور شریعت میں اس کے معنی وہی ہیں جو ورودِ شرع سے پہلے تھے خالص گھی وہ ہے جس میں کوئی دوسری چیز نہ ملی ہو، اخلاص عبادت کے معنی بھی نہ ہوئے کہ عبادت کو غیر عبادت سے خالی کیا جائے، یعنی کوئی ایسی غرض اس میں نہ ملی جس کا حاصل کرنا شرعاً مطلوب نہ ہو۔

(التبلیغ ۲/۱۳۲)

اخلاص کی علامت

علامہ شعرانی نے اخلاص کی ایک علامت لکھی ہے وہ یہ کہ جو کام تم کر رہے ہو اگر کوئی دوسرا اس کام کا کرنے والا تم سے اچھا اس بستی میں آجائے اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب نہ ہو جیسے مسجد و مدرسہ کا اہتمام، یا وعظ کہنا، پیری مریدی کرنا، کسی نیک کام کے لیے چندہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو، رنج نہ ہو، بلکہ تم خود لوگوں کو اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ، وہ مجھ سے بہتر ہیں اور سارا کام

خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ۔اور دل میں خدا کا شکر کرو کہ اس نے ایسے آدمی کو بھیج دیا جس نے تمہارا بوجھ بٹوالیا، اگر یہ حالت ہو تب تو واقعی تم مخلص ہو، مگر اب تو اگر کسی عالم کی بستی میں کوئی دوسرا چلا آئے جس کی طرف عوام کا رجوع ہونے لگے، تو جلتے مرتے ہیں اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ اس شخص سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جس سے عوام بدگمان ہو جائیں اور اس کو چھوڑ دیں، سمجھتے ہیں کہ بس تمام لوگوں کو ہماری ہی طرف رجوع کرنا چاہئے، کسی اور کی طرف رُخ بھی نہ کرنا چاہئے، اس حالت میں تم ہرگز مخلص نہیں ہو بلکہ اخلاص سے مفلس ہو۔

(التبلیغ ترجیح الآخرۃ ۲/۲۴۸)

علم دین حاصل کرنے میں تصحیح نیت کی ضرورت

دین کے دو شعبے ہیں ایک علم دوسرا عمل، تو جیسے عمل میں اخلاص ضروری ہے ایسے ہی علم میں بھی ضروری ہے۔اب دیکھئے کہ تحصیل علم میں تمہاری کیا نیت ہوتی ہے ایسے بہت کم ہیں کہ جن کی نیت یہ ہو کہ غیر مرضیات حق (یعنی حق تعالیٰ کی ناراضگیوں) سے بچیں اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، جب علم میں اخلاص نہیں تو عمل میں کہاں سے آئے، اول علم میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے، اول تو اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ پہلے ہی سے علم حاصل کرنے میں نیت خالص ہو اور اگر کسی کی نیت خالص نہ ہو تو اس کو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہئے۔امید ہے کہ کبھی اخلاص حاصل ہو جائے گا۔(الدین الخالص ص:۴۸)

علم بے عمل کی مثال

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جس شخص کو بہت سے علوم حاصل ہوں اور عمل نہ

کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سپاہی ہو اس کے پاس بہت سے ہتھیار ہوں اس کو راہ میں دشمن ملے اور مقابلہ ہوا، لیکن وہ ان اسلحہ کا استعمال نہیں کرتا تو کیا دشمن پر غالب ہوگا؟

یہ علوم بمنزلہ ہتھیار کے ہیں، شیطان کے دفع کرنے کے لیے ہتھیار بھی کیسے لائسنس کے مگر صرف ہتھیاروں کے لگانے سے خوش نہ ہونا چاہئے، جب ان پر عمل ہی نہیں تو کیا فائدہ؟

ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہے ''**فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْم** (وہ لوگ اس علم ہی کی وجہ سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے) اگر کوئی خارش والا خارش کے بہت سے نسخے یاد کر لے تو اس سے کیا نفع جب تک کہ ان کو کوٹ کر پیس کر کام میں نہ لایا جائے۔ (ترک مالا یعنی ملحقہ تصوف ص:۵۵۵)

درس وتدریس میں حسن نیت

اے عزیز علماء! آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے اگر نیت اچھی ہے ''**انما الاعمال بالنیات** '' اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر آپ کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف (یعنی تبلیغ دین) کروں گا تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ ہی کا شعبہ ہے، اور اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر تبلیغ نہیں، دیکھو اگر کوئی شخص نماز کی نیت نہ کرے تو نماز نہیں ہوتی، ایسے ہی روزہ ہے اگر نیت نہ کرے اور دن بھر فاقہ کرے تو روزہ نہیں ہوتا، غضب کی بات ہے کہ ہم رات دن پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر اعمال وطاعات کی نیت نہ کرنے کی وجہ سے ثواب سے محروم ہیں۔

درس وتدریس تبلیغ کا (بہت) بڑا فرد ہے اگر کتابیں مدون نہ ہوتیں تو بڑا خلط مبحث ہوتا دین میں بڑا افساد پھیلتا، اگر کتابیں نہ ہوں تو سلف کی باتیں ہم تک پہنچنے کی

کوئی صورت نہیں، خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنی عنایت ورحمت سے کتابیں مدون کرادیں، مدرسے قائم کرادیئے اس کے سامان مہیا کردیئے، بغیر مدارس قائم کیئے کتابوں کی تعلیم ممکن نہیں لہٰذا یہ بدعت نہیں بلکہ سنت ہے کیونکہ اس درس وتدریس سے مقصود تبلیغ ہی ہے۔ یہ درس وتدریس تبلیغ کا اتنا بڑا افرد ہے مگر ہم تبلیغ کی نیت نہ کرنے سے اس کے ثواب سے محروم ہیں۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت نہ کرنے سے اعمال کا ثواب نہیں ملتا گو عمل متحقق ہوجائے، اور بعض اعمال تو بلا نیت کے ہی نہیں ہوتے کیونکہ اعمال دو قسم کے ہیں بعض اعمال تو ایسے ہیں کہ ان کا تحقق بھی بلانیت کے نہیں ہوتا، اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا تحقق تو ہوجاتا ہے مگر ثواب نہیں ملتا، جیسے پڑھنا پڑھانا کہ اس کا تحقق بلانیت کے بھی ہوجاتا ہے مگر ثواب نہیں ملتا، بخلاف نماز روزہ کے کہ ان کا تحقق ہی بلانیت نہیں ہوتا۔ (دعوت وتبلیغ ص:۱۹، وعظ آداب تبلیغ)

تحصیل علم میں خلوص پیدا کرنے کا طریقہ

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی اپنے مرید کے گھر گئے وہاں ان کے گھر روشن دان دیکھا پوچھا یہ کیوں رکھا ہے؟

اس نے جواب دیا روشنی کے واسطے انہوں نے فرمایا کہ روشنی تو بغیر نیت کے بھی آتی ہے اگر اس کے رکھنے میں یہ نیت کرلیتا کہ اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو تجھے اس کا ثواب ملتا رہتا اور روشنی تو خود آہی جاتی۔

(حقیقت تصوف ص:۶۱۰)

مکلّف بہ (یعنی جس چیز کا مکلّف بنایا گیا ہے) وہ یہ ہے کہ نیت کو خالص کرو علوم میں بھی اعمال میں بھی۔ تحصیل علوم میں لوگوں نے خرابیاں کررکھی ہیں (مثلاً یہ کہ) ہم نے فقہ اس لیے سیکھی تھی کہ فتویٰ لکھیں گے، مفتی کہلائیں گے یا حدیث

پڑھتے ہیں تا کہ وعظ کہیں گے، لوگ ہم کو نذرانے دیں گے، دانت گھسائی دیں گے، یا بعضوں نے مباحثہ کے لیے پڑھا تھا کہ بڑی عزت ہوگی، اس تفصیل کی مجھے اس وقت اس لیے ضرورت ہوئی کہ تحصیل علوم میں لوگوں نے خرابیاں کر رکھی ہیں اور اس وقت مخاطب اہل علم ہیں۔

تو ان کو یہ نیت کرنا چاہئے کہ علم حاصل کر کے ہم احکام الٰہی پر خود کاربند ہوں گے اور لوگوں کو ہدایت کریں گے، اور میں وصیت کرتا ہوں کہ نوکری کی نیت نہ کرو، گو انشاء اللہ تعالیٰ وہ ملے گی ضرور، مگر نیت اس کی مت رکھو اور بعد میں جب مل جائے تو کرلو، اور پڑھانے پر تنخواہ لینا بھی جائز ہے اور یہ جواز حنفیہ کے اصول پر بھی ہے۔

(الدین الخالص: ۵۴)

کسی قسم کی نیت نہ ہونا بھی ایک طرح کا خلوص ہی ہے

میں صاف کہتا ہوں کہ خلو ذہن (یعنی ذہن خالی ہونا اور کسی قسم کی نیت نہ ہونا) یہ بھی اخلاص ہی ہے اگر کوئی نیت حاضر نہ ہو تو اس کے سوچنے میں دیر کرنے کی ضرورت نہیں بے فکر ہو کر کام کرلو تم ریاکار نہ ہو گے، بلکہ مخلص ہو گے۔

(ارضاء الحق ص: ۱۲۲)

تحصیل علم میں فساد نیت ہو تب بھی اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے

میں یہ نہیں کہتا کہ نیت خالص نہ ہو تو تحصیل علم ہی چھوڑ دو، نہیں پڑھنا تو بہر حال ضروری ہے کیونکہ اگر تحصیل (علم حاصل کرنے) کے وقت اخلاص نہیں ہے تا ہم امید ہے کہ علم حاصل کر لینے سے پھر کبھی پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر علم بھی حاصل نہ کیا تو یہ امید بھی نہ رہے گی، اسی طرح اگر عمل میں اخلاص نہ ہو پھر بھی عمل نہ چھوڑو کہ

کبھی عمل کرتے کرتے اس کی برکت سے بھی اخلاص پیدا ہوجاتا ہے، کیونکہ ان دونوں میں تجاذب (کشش اور جاذبیت) بھی ہے کبھی عمل سے بھی نیت درست ہوجاتی ہے جیسا کہ علم سے بھی اکثر یہ بات ہوجاتی ہے تو اگر نیت خالص نہ ہو تب بھی چھوڑ نہ دے کیونکہ آئندہ حاصل ہوجانے کی امید تو ہے، بزرگوں کا قول ہے **تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی العلم الا ان یکون للہ** (ہم نے علم غیر اللہ کے لیے پڑھا تھا مگر وہ مانا ہی نہیں لہٰذا وہ اللہ ہی کا ہوکر رہا)۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً قرآن میں کوئی آیت وعید کی پڑھی جس میں علم سے دنیا کمانے کی مذمت تھی (مثلاً یہ حدیث پاک **من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ**، یعنی جس نے علم دین جس سے اللہ کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے اس کو دنیا حاصل کرنے کے لیے کیا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا، جب یہ حدیث سنی تو قلب میں کھٹکا پیدا ہوا کہ میں بھی تو اسی مرض میں مبتلا ہوں تو اپنے کو ملامت کرتا ہے اور روتا ہے، پس اس طرح عالم باعمل ہوگیا۔ یہ ہے **ابی العلم الا ان یکون للہ** الخ، کے کہ علم خدا کا کرکے رہتا ہے اور علم سے کبھی نہ کبھی اخلاص ہو ہی جاتا ہے، اس لیے اول تو اس کی کوشش کرنی چاہئے، کہ پہلے ہی سے تحصیل علم میں نیت خالص ہو اگر کسی کی نیت ابھی خالص نہ ہو تو اس کو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہئے، امید ہے کہ کبھی اخلاص پیدا ہوجائے گا، اسی لیے اہل اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کام کرتا ہے گو ریا ہی سے ہو اس شخص سے اچھا ہے جو کام کرتا ہی نہیں، کیونکہ کبھی نہ کبھی ریا بھی جاتی رہے گی، اور عمل رہ جائے گا۔

(الدین الخالص ملحقہ دین ودنیا ص: ۴۷-۴۸)

علم دین حاصل کرنے میں امام غزالی جیسی نیت ہونی چاہئے

ایک روز بادشاہ اس مدرسہ نظامیہ کے دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور مخفی طور سے طلبہ کے خیالات کی آزمائش کی کہ دیکھیں علم دین پڑھنے سے ان کی کیا غرضیں ہیں، چنانچہ ایک طالب علم سے پوچھا کہ آپ کس لیے پڑھتے ہیں اس نے کہا کہ میں اس لیے پڑھتا ہوں کہ میرا باپ قاضی ہے میں اگر عالم بن جاؤں گا تو میں بھی قاضی ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد دوسرے سے پوچھا اس نے کہا میرا باپ مفتی ہے میں مفتی بننے کے لیے پڑھتا ہوں، غرض جس سے پوچھا اس نے کوئی غرض دنیا ہی کی بتلائی، بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ افسوس ہے کہ علم دین دنیا کے لیے پڑھا جارہا ہے، اور ہزاروں روپیہ مفت میں برباد ہو رہا ہے۔

ایک گوشہ میں امام غزالی بھی خستگی کی حالت میں بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے، اس وقت تک یہ طالب علم تھے نہ کوئی جانتا تھا نہ شہرت تھی، ان سے دریافت کیا کہ تم کیوں پڑھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے دلائل عقلیہ ونقلیہ سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک مالک حقیقی ہے جو آسمان وزمین کا مالک ہے اور مالک کی اطاعت ضروری ہوتی ہے کہ اس کی مرضیات پر عمل کرے اور نامرضیات سے بچے سو میں اس لیے پڑھتا ہوں کہ اس کی مرضیات ونامرضیات کی اطلاع حاصل ہو، بادشاہ سن کر خوش ہوئے اور ظاہر کیا کہ میں بادشاہ ہوں اور کہا کہ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس مدرسہ کو توڑ دوں گا مگر تمہاری وجہ سے یہ مدرسہ رہ گیا۔

پس تحصیل علم اس غرض سے ہونی چاہئے جو امام غزالیؒ نے ظاہر کی اور جس کی غرض تحصیل دنیا اور باعث حب دنیا ہوگا اس کے علم سے کچھ نفع نہ ہوگا۔

(دعوات عبدیت ۲/۳، ذم ہویٰ)

بغیر خلوص کے بھی علم دین فائدہ سے خالی نہیں

(مذکورہ تقریر سے) ان لوگوں کا جواب سمجھ میں آ گیا ہوگا جو کہتے ہیں کہ اگر انگریزی سیکھنا برا ہے تو آج کل کے طالب علموں کو عربی سیکھنا بھی اچھا نہیں کیونکہ اسی میں ان کی کون سی نیت اچھی ہوتی ہے، دونوں سے مقصود دنیا ہے بس دونوں برے ہوئے۔ یہ سب تلبیسات ہیں، دونوں ہرگز برابر نہیں کیونکہ علوم محمودہ حدیث و قرآن جب عربی پڑھنے والے کی زبان سے ادا ہوں گے، کان بھی سنے گا، اس میں غور وفکر بھی کرے گا تو اس کے ساتھ ایک ہادی تو موجود ہے، کبھی تو اثر پڑے گا، اور اصلاح ہوجائے گی مگر انگریزی میں کوئی امید بھی اصلاح کی نہیں، بڑا کھلا فرق ہے۔

اوّل تو اس کی کی کوشش کرنا چاہئے کہ پہلے ہی سے تحصیل علم میں نیت خالص ہو اور اگر کسی کی نیت ابھی خالص نہ ہو تو اس کو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہئے، امید ہے کہ کبھی اخلاص حاصل ہوجائے گا، اسی لیے اہل اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کام کرتا ہے گو ریا ہی سے ہو اس شخص سے اچھا ہے جو کام کرتا ہی نہ ہو کیونکہ کبھی نہ کبھی ریا بھی جاتی رہے گی اور عمل رہ جائے گا مثلاً ایک شخص بے چبائے کھانا کھاتا ہے تو اس سے یہ نہ کہا جائے گا کہ کھاتے کیوں ہو ہاں یہ ضرور کہا جائے گا کہ اچھی طرح چبا کر کیوں نہیں کھاتے۔ (دعوات عبدیت ۱۹/۷۷)

علماء کی فضیلت عمل کی وجہ سے ہے

آپ حضرات علم کی دولت کی وجہ سے حضرات انبیاء کے وارث ہیں، چنانچہ ارشاد ہے اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ، اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کو ذی علم نے بڑی خوشی سے تسلیم کرلیا ہے، اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرات انبیاء علیهم

السلام میں کمال علمی کے ساتھ کوئی دوسرا کمال عملی بھی تھا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اثبات میں دیا جائے گا کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام میں بھی کمال عملی نہ مانا جائے تو پھر کس کے اندر مانا جائے گا، کیونکہ وہ حضرات تو افضل المخلوقات ہیں، پس یہ کہنا ضروری ہوگا کہ انبیاء میں اس درجہ کمال عملی تھا کہ کسی دوسرے میں ہونا ممکن نہیں۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی تو اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وراثت کی وجہ صرف کمال علمی ہے، یا کمال عملی بھی اس میں داخل ہے، ہم جو غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف کمال علمی وجہ وراثت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو عالم بے عمل ہیں، ہم ان میں کوئی شان مقبولیت نہیں پاتے حالانکہ وارث نبی ہونے کے لیے مقبول ہونا ضروری ہے، مثلاً ابلیس کہ وہ بہت بڑا عالم ہے، اور دلیل اس کے عالم ہونے کی یہ ہے کہ وہ علماء کے اغواء کی تدبیر کرتا ہے اور بسا اوقات اس میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کسی شخص کے خیالات کو وہی بدل سکتا ہے، جو کہ خود بھی کم از کم اس کے برابر ماہر تو ہو جس کے خیالات بدلنے کی کوشش ہے، قانون داں کو وہی شخص دھوکہ دے سکتا ہے، جو کہ خود بھی قانون جانتا ہو۔ تو شیطان کا علماء کے اغواء میں کامیاب ہونا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ بھی بہت بڑا عالم ہے لیکن اس کا جو انجام ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

علماء بنی اسرائیل کی نسبت اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ ارشاد ہے مگر ان کی بدانجامی کا ذکر خود قرآن پاک میں مذکور ہے اور جگہ جگہ ان لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے حتی کہ کسی فرقے کی اتنی مذمت قرآن پاک میں نہیں جتنی بنی اسرائیل کی ہے، پس معلوم ہوا کہ صرف کمال علمی وراثت کی وجہ نہیں بلکہ عمل کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ بدون عمل کے قبولیت نہیں ہوتی، اور غیر مقبول وارث انبیاء نہیں ہو سکتا۔ اس کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں نہایت واضح فرما دیا ہے، فرماتے

ہیں:اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَاراً وَّلَا دِرْهَمًا وَلٰکِنْ وَرَّثُوْ الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ ۔اس حدیث میں علم کو حظ وافر فرمایا ہے اور علم حظ وافر اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب مقرون بالعمل ہو، نری صفت علم کو حظّ وافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا وبال جان ہونا خود حدیث میں مذکور ہے۔ارشاد ہے ”اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ لَجَهْلاً“ اسی طرح کلام مجید میں ارشاد ہے ”وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهٗ فِیْ الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ “تو حدیث میں ایسے علم کو جہل فرمانا اور آیت میں عَلِمُوْا کے بعد لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ فرمانا،صاف بتلاتا ہے کہ یہ علم کسی درجہ میں بھی قابل اعتبار نہیں۔پس اچھی طرح واضح ہوگیا کہ علم بلا عمل حظ وافر نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو علم عقاب (یعنی اللہ کے عذاب) سے نہ بچاسکے وہ حظ وافر کیا ہوگا،حظّ وافر وہی علم ہوگا جو کہ مقرون بالعمل ہو،مطلق علم وراثت کی وجہ نہیں ہوگا۔

(دعوات عبدیت ۱۳/۹-۱۰)

زیادہ افسوس علماء کی جماعت پر ہے

اوّل تو مسلمانوں میں نفس عمل ہی کی کمی ہے اور اگر کچھ عمل بھی کیا جاتا ہے تو وصف میں بالکل ناقص،اور زیادہ افسوس علماء کی جماعت پر ہے اس لیے کہ جانتے ہیں پھر کوتاہی کرتے ہیں، ذرا اپنے قلب کو ٹٹول کر دیکھیں، ہم کو غور کرنا چاہئے کہ آیا ہم میں عملی شان پائی جاتی ہے یا نہیں، اگر نہیں پائی جاتی تو وراثت کا دعویٰ ہم کو چھوڑ دینا چاہئے۔(دعوات عبدیت ۱۳/۱۵)

فصل (۲)

علماء کی بدعملی کا عذاب

حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کو دیکھا جائے گا کہ اس کی آنتیں باہر نکلی پڑی ہیں، اور وہ ان کے گرد گھوم رہا ہے، لوگ اس سے اس سزا کا سبب پوچھیں گے، کہے گا کہ میں اپنے علم پر عمل نہ کرتا تھا، ایک علم بندے کے لیے حجت ہے اور ایک علم خدا کی حجت ہے بندے پر، تو ایسا علم کیا مایہ ناز ہو سکتا ہے۔

(دعوات عبدیت ۱۱/۱۳)

تم نے یہ حدیث نہیں سنی: "**ویل لمن لا یعلم، وویل لمن یعلم ولا یعمل سبع من الویل**"۔ (رواۃ سعد بن منصور فی سننہ کذافی العزیزی ۴۱۷/۳)

یعنی جاہل کے لیے ایک ہلاکت ہے اور عالم کے لیے سات گونہ ہلاکت ہے، آخر اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے کیا کوئی دوسری مخلوق پیدا ہوگی کیا یہ تعلیمات ہمارے واسطے نہیں ہیں۔ (التبلیغ ۱۳۶/۱۲)

بے عمل عالم پوری جماعت کی بدنامی کا سبب بنتا ہے

علماء کی جماعت میں اگرچہ سب ایسے نہیں ہیں لیکن ان کے لیے کسی ایک کا ایسا ہونا بھی موجب شکایت ہے کیونکہ تباہی ان ہی تک مقصور (منحصر) نہیں رہتی بلکہ اس ایک کو دیکھ کر دوسرے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ علماء کی جماعت میں اگر ایک شخص بھی لاابالی (بدعمل بے پرواہ) ہوتا ہے تو اس کا اثر سب پر پہنچتا ہے، اور یہ اثر دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کو دیکھ کر دوسرے عوام بدعملی پر جرأت کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ سب علماء سے بدگمان ہوجاتے ہیں، اوراس طرح سے علماء پراعتراض کی نوبت آتی ہے اور پھراعتراض سے بدزبانی تک نوبت آجاتی ہے، اس میں اگرچہ اکثر عوام غلط ہیں، کیونکہ ''لَاتَــزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْــرَی ''لیکن زیادہ تراس کا سبب ہم ہیں اور وہ اعتراضات مخالفین کے نہیں ہوئے کہ ان کو حسد یا بغض پر محمول کرلیا جائے، یا یہ کہا جائے کہ اعتراضات تو انبیاء پر بھی ہوئے ہیں، پھر ہم کو اعتراضات کی کیا پرواہ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام پراعتراضات کفار کی طرف سے ہوئے تھے اور علماء پر ان کے موافقین جو ان کا دم بھرتے ہیں اعتراض کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا عیب ہے کہ اپنے لوگ بھی اعتراض کرنے پر مجبور ہوں ہماری حالت بے حد محل تأسف ہے۔

اس سے عوام الناس پر بہت برا اثر پڑتا ہے یعنی ان کو یہ کہنے کی گنجائش ملتی ہے کہ علماء ایسے ہوتے ہیں، اگر خلوص سے تقویٰ نہ اختیار کیا جائے تو اسی مصلحت سے اختیار کرلیا جائے کہ اس سے عوام بگڑیں گے ورنہ ایسے لوگ یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق کہے جاسکتے ہیں کیونکہ روکنا جس طرح مباشرة ہوتا ہے کہ ہاتھ سے روکے تو اس طرح تسبب (یعنی علم سے روکنے کا سبب اور ذریعہ بننا) بھی ایک قسم کا روکنا ہے اس کو بھی صَدِّ عن سبیل اللہ کہا جائے گا، کیونکہ معصیت کا سبب بھی معصیت ہوتا ہے اور اسی معصیت کے ساتھ اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔

(دعوات عبدیت ۱۱۵/۳ و ۱۸)

بے عمل عالم بھی ادب وقدر کے قابل ہے

یہ مطلب نہیں ہے کہ عام لوگ علماء بے عمل کی تحقیر واہانت کیا کریں نعوذ باللہ، ہرگز نہیں، بلکہ ان کو مثل بدپرہیز طبیب کے سمجھیں کہ طبیب اگر پرہیز نہ کرے گا تو

اپنے آپ مرے گا، مگر مریض کو تو اس کے بتلانے کے موافق ہی عمل کرنا چاہئے، اگر مریض نے اس کی تدبیر کے موافق عمل کرلیا تو اس کو ضرور شفاء ہو جائے گی، طبیب ہر حالت میں قابل تعظیم ہی ہے۔

نیز عالم بے عمل اس وکیل سرکاری کے مانند ہے جو خود قانون کی خلاف ورزی کا نتیجہ بدخود دیکھے گا مگر وہ چونکہ قانون سے واقف ہے اس لیے مقدمات میں اس کی رائے لینے سے فائدہ ہی ہوگا پس عوام کو تو ان سے پوچھ کر ہی عمل کرنا چاہئے۔

البتہ جو عالم غلط مسائل بتاتا ہو اور نفسانی غرض سے جس نے پوچھا اس کے موافق فتویٰ دیتا ہو تو اس سے پرہیز کرے وہ خائن طبیب اور جھوٹا وکیل اور رہزن ہے، اور عالم بے عمل اگر صحیح بتلاتا ہو تو اس کی زبان کو سن لیا کرے اور اس پر عمل کیا کرے، مگر اس کی صحبت اختیار نہ کرے، صحبت کسی عالم باعمل کامل متبع سنت کی اختیار کرے تاکہ آخرت کی طرف رغبت اور عمل کا شوق پیدا ہو۔

(آداب المتعلّمین والمتعلّمین بحوالہ حکیم الامت حضرت تھانوی ص:۱۱۱)

فصل (۳)

نوافل و مستحبات کی طرف سے اہل علم کی بے رغبتی

اکثر طالب علمی میں یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے کہ مستحبات کی قدر نہیں رہتی جب تک میں نے مُنیۃ المصلیٰ نہیں پڑھی تھی تو نفلیں پڑھا کرتا تھا جب مُنیۃ پڑھ لی اور اس میں مستحب کی تعریف پڑھی تو نفس کے کید میں آکر یہ خیال ہوا کہ اگر امر مستحب نہ کریں گے تو کچھ مواخذہ تو ہو ہی گا نہیں اس لیے بہت سے مستحبات ترک ہونے لگے، نفس میں عجیب عجیب کید ہیں، نفس شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کو بھی

نفس ہی نے تو خرابی میں ڈالا تھا۔

طالب علموں کی تو یہ حالت ہے کہ جہاں کسی عمل کے استحباب کا حکم معلوم ہوا بس فضائل کو چھوڑ دیا۔ جہلاء تو مستحبات کو کر بھی لیتے ہیں مگر لکھے پڑھے بالکل نہیں کرتے الا ماشاء اللہ، یہ نفس کا بڑا کید ہے جس نے اہل علم کو بہت سی برکات سے محروم کر رکھا ہے۔ اس سے بچنا چاہئے اور مستحبات وفضائل کی بھی بے قدری نہ کرنا چاہئے۔ (التبلیغ ۱۷/۸)

نوافل کی اہمیت

لوگ نفل کو ایک زائد چیز سمجھتے ہیں خاص کر اہل علم اس غلطی میں زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ طالب علموں کو شروع سے نفل کا حکم یہ بتایا جاتا ہے کہ جس کے کرنے میں ثواب ہو اور نہ کرنے میں کچھ گناہ نہ ہو، وہ سمجھتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تو یہ عمل نہ کرنے میں کیا بات ہے۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا مگر غضب یہ کہ اس کا ترجمہ دوسرے لفظوں میں یوں کر لیا کہ نفل کوئی مہتم بالشان نہیں چلئے چھٹی ہوئی گویا شریعت میں نوافل کا بیان ہی فضول ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ نفل بیکار اور فضول چیز نہیں ہے بلکہ متمّم فرائض ہونے کی وجہ سے (یعنی اس وجہ سے کہ اس کے ذریعہ فرائض کی تکمیل ہوتی ہے) ایک مہتم بالشان چیز ہے۔ نیز خاص محبت کی ایک بڑی علامت ہے، میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں، فرض کرو ایک ملازم ہے جس کو کھانا پکانے کے واسطے رکھا گیا ہے اور وہ ایسا قانونی ہے کہ کھانا پکا کر چل دیتا ہے اور ایک دوسرا ملازم ہے کہ اسی کام کے لیے وہ بھی رکھا گیا ہے مگر اس کی حالت یہ ہے کہ جب کھانا پکا چکتا ہے تو آقا کو پنکھا جھلنے لگتا ہے اور بھی خدمت کر دیتا ہے ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

ضرور فرق ہے اس دوسرے آدمی کی قدر آقا کے دل میں یقیناً زیادہ ہوگی۔ بلکہ اس کی ان زائد خدمتوں کی قدر بعض دفعہ اصل کام سے بھی زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ منصبی کام کا تو ضابطہ ہے کہ خانہ پری ہے اور نوکر سے زبردستی اور ٹھوک بجا کر لیا جاتا ہے اور یہ زائد خدمات محبت اور خلوص کی دلیل ہے، محبت اور خلوص کا نتیجہ دوسرے کی طرف سے بھی محبت اور خلوص ہی ہوتا ہے تو اس دوسرے شخص سے آقا کو خاص محبت ہوگی، اور بلفظ دیگر یہ دوسرا نوکر محبوب ہوگا اور پہلا آدمی نوکر اور مزدور ہوگا۔ یہ حقیقت ہے نفل کی۔

پس اسی طرح جو شخص احکام شرعی میں سے صرف فرائض کو ادا کرے پانچ وقت کے فرض ہی پڑھے اور زکوٰۃ بقدر واجب ہی دیا کرے، کوئی نفل اور خیرات نہ کرے تو وہ ضابطہ کا نوکر ہے اس سے ٹھوک بجا کر کام لیا جائے گا اور ذرا سا بھی قصور ہوگا تو گرفت سے نہ چھوڑا جائے گا اور کسی طرح یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کو حق تعالیٰ سے محبت ہے۔

صاحبو! محبت کی علامت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آدمی نفل طاعات کی کثرت کرے پس نفل بھی ایک ضروری چیز ہوئی، اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نوافل کس درجہ کی چیز ہے۔ (التبلیغ وعظ امید رحمت ۱۱۴/۱)

طلبہ علم اور تہجد کا اہتمام

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ ہے کہ ایک طالب علم آپ کا مہمان ہوا، رات کو سوتے وقت آپ نے اس کے پاس لوٹے میں پانی بھر کر رکھ دیا، صبح کو جب آپ وہاں تشریف لائے تو دیکھا لوٹے میں اسی طرح پانی رکھا ہے تب آپ نے اس مہمان طالب علم سے فرمایا کہ میں نے لوٹے میں پانی بھر کر اس لیے رکھ دیا کہ تم تہجد کے لیے اٹھو گے تم کو وضو کے لیے پانی تلاش کرنے کی دقت نہ ہو مگر میں نے

دیکھا کہ پانی اسی طرح رکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم تہجد کے پابند نہیں۔

بہت افسوس کی بات ہے، طالب علموں کو اس کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے اگر طلبہ اور علماء ہی پابند نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا۔ (بزم جمشید ص: ۳۸)

طلبہ سے گذارش

(طلبہ) اگر چاشت، اشراق کے وقت کم از کم دو رکعتیں پڑھ لیا کریں اور رات کو اٹھ کر تہجد کی دو رکعتیں پڑھ کر مطالعہ کتب میں مشغول ہو جایا کریں اور حدیث پڑھنے والے بجائے فضول باتوں کے چلتے پھرتے زبان سے درود شریف پڑھتے رہا کریں تو بتایئے ان کی تعلیم میں کون سا حرج واقع ہوتا ہے، اگر خیال کیا جائے تو انشاء اللہ ایسی صورتیں خود بخود ذہن میں آنے لگیں گی جن سے طلبہ میں نورِ عبادت و حلاوتِ ذکر بھی پیدا ہو جائے اور تعلیم میں بھی کوئی کمی کسی قسم کی نہ آنے پائے۔

سمجھنے کی بات ہے کہ فہم سلیم اور نور ذکاوت عمل اور تقویٰ سے جس قدر پیدا ہوتا ہے اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تو اس کا اہتمام تعلیم کے لیے مفید ہوگا یا مضر؟ میں نہیں خیال کرسکتا کہ اس کو مضر کیوں سمجھا جاتا ہے۔

البتہ باقاعدہ سلوک سے اور صوفیاء کے خاندانی ذکر سے ضرور منع کیا جائے، اس سے حالات و کیفیات کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو تعلیم ناقص رہ جاتی ہے، مگر جو اذکار احادیث میں وارد ہیں اختصار کے ساتھ ان کی پابندی کرنا اور بلاناغہ تلاوت قرآن کرتے رہنا وغیرہ یہ تو کسی طرح خارج نہیں ہوسکتے۔ (آداب المتعلّمین بحوالہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ ص: ۱۰۹)

نوافل و مستحبّات کا حکم

سنن و مستحبات کے متعلق یہ اعتقاد جما ہوا ہے کہ ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں گناہ نہیں، اس لیے ان کے ناغہ ہونے کو سہل سمجھتے ہیں حالانکہ نصوص میں

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن زائدہ اور مستحبات کا یہ حکم قبل شروع کے ہے اور شروع کرنے کے بعد ان کا حکم بدل جاتا ہے، چنانچہ ایک حکم تو عین وقت اشتغال کے ساتھ مختص ہے وہ یہ کہ شروع کرنے کے بعد مستحب کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

اور ایک حکم عام ہے جو وقت اشتغال کے ساتھ مختص نہیں وہ یہ ہے کہ جس مستحب کو معمول بنالیا جائے اور کچھ عرصہ تک اس پر مواظبت (پابندی) کرلی جائے اب اس کا ناغہ کرنا اور مواظبت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے اس کی دلیل بخاری کی ایک حدیث ہے، جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "**یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یقوم من اللیل ثم ترکہ**" یعنی اے عبداللہ! تم فلاں شخص کی طرح نہ ہونا جو رات کو نماز کے لیے اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی اس حالت پر ناگواری اور کراہت ظاہر فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ مستحب کو معمول بنا کر ترک کردینا مذموم ومکروہ ہے اسی لیے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ فرائض وواجبات کے علاوہ نوافل وغیرہ کا اتنا ہی پابند ہو جس کو نباہ سکے ورنہ شروع ہی نہ کرے اس سے بڑی بے برکتی ہوتی ہے۔ انسان کی عادت ہے کہ جب ایک کام کا پابند ہو پھر اس میں فتور ہونے لگے تو اس کا خلل ممتد (دراز) ہوجاتا ہے، چنانچہ اس عمل پر تو پھر عمر بھر پابندی نصیب نہیں ہوتی اور اس سے گذر کر دوسرے اعمال میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، آج تو تہجد میں فتور ہے کچھ دنوں میں صبح کی نماز کی بھی پابندی نہ رہے گی، نماز قضاء ہونے لگے گی اور یہ سارا فساد ایک مستحب کی پابندی چھوڑنے سے ہوا۔

(التبلیغ ۱۶/۱۷۹)

فصل (۴)

تقویٰ کی ضرورت

تقویٰ سے کیا چیز حاصل ہوتی ہے

بس اس سے زیادہ پتہ اس حقیقت کا نہیں بتلاسکتا **فھماً اوتیہ الرجل فی القرآن** (یعنی تقویٰ سے تفقہ فی الدین اور قرآن کا فہم نصیب ہوتا ہے) مگر یہ فہم کیا چیز ہے اور کس درجہ کی ہوتی ہے اس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں اس کے سمجھنے کا طریقہ یہی ہے کہ تقویٰ اختیار کر کے دیکھ لو، الفاظ سے کمالات حقیقیہ کی تعبیر نہیں ہوسکتی، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امور ذوقیہ کی حقیقت بیان سے سمجھ میں نہیں آسکتی، دیکھو اگر کسی نے آم نہ کھایا ہو اور تم اس سے آم کی تعریف کرو کہ ایسا لذیذ ایسا میٹھا ہوتا ہے تو وہ کہے گا کہ گُڑ جیسا؟ تم کہو گے نہیں، وہ کہے گا شکر جیسا انگور اور انار جیسا؟ تم کہو گے نہیں پھر وہ اصرار کرے گا کہ بتلاؤ کیسا ہوتا ہے تم بھی کہو گے کہ بھائی ہم کو اس کے بیان پر قدرت نہیں ایک دفعہ کھا کر دیکھ لو، خود معلوم ہو جائے گا اس وقت اس شخص کو تعجب ہوگا اور اس بات کا یقین نہ کرے گا کہ بیان پر قدرت نہیں۔ مگر جب کھالے گا تو اب وہ بھی بیان پر قادر نہ ہوگا، یہ بات کمالات حقیقیہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ محسوسات میں بھی جس چیز کا ذوق سے تعلق ہے وہ الفاظ سے بیان نہیں ہوسکتی۔ (التبلیغ ۱۳۴/۲)

اہلِ علم اور طلبہ کو تقویٰ کی ضرورت

عربی پڑھنے والے بھی سب عالم نہیں ہوئے کیونکہ زبان اور چیز ہے اور علم اور چیز ہے۔ میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر علم دین بھی ہو اور عمل نہ ہو تو وہ بھی محقق عالم نہیں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علماء یہود کے بارے میں فرماتے ہیں: ''لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْن'' چونکہ وہ عمل نہ کرتے تھے اس لیے باوجود اس کے کہ اس کے قبل ان کی نسبت وَلَقَدْ عَلِمُوْا (یعنی ضرور یہ جانتے ہیں) کا حکم ہے پھر بھی لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْن میں ان کے علم کی نفی کی اور ان کے علم کو کالعدم سمجھا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ علم مطلوب وہی ہے جس کے ساتھ عمل ہو، پس اہل علم ناز نہ کریں کہ ہم نے کتابیں پڑھ لی ہیں ہم مولوی ہیں۔

یاد رکھو، علم کی حقیقت کہ احکام کو صحیح صحیح سمجھ جائیں، میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ بغیر تقویٰ کے نصیب نہیں ہوتا، اگر دو آدمی ہم عمر ہوں اور ایک ہی استاذ سے انہوں نے پڑھا ہو اور فہم و حافظے میں بھی برابر ہوں لیکن فرق یہ ہو کہ ایک متقی ہو اور ایک نہ ہو تو متقی کے علم میں جو برکت اور نور ہو گا اور جیسا فہم اس کا صحیح ہو گا اور جیسے حقائق حقہ اس کے ذہن میں آئیں گے وہ بات غیر متقی میں ہرگز نہ ہو گی اگرچہ اصطلاحی عالم ہے اور کتابیں بھی پڑھا سکتا ہے مگر خالی اس سے کیا ہوتا ہے۔

اگر تقویٰ ہو گا تو علوم حقہ قلب پر وارد ہوں گے، اب بھی جس طالب علم کا جی چاہے تجربہ کر لے اور تقویٰ کو اختیار کر کے دیکھ لے کہ کیسے کیسے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ اگر خلوص سے تقویٰ اختیار کیا جائے تو اس کی برکت کی تو حد نہیں، اگر خلوص نہ ہو تو امتحان کے لیے کر کے دیکھ لو، اس کی برکت بھی کچھ نہ کچھ دیکھ لو گے، طلبہ کو خصوصیت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ (دعوات عبدیت ۱۵/۱۲۶، الغاء المجازفۃ)

عمل وتقویٰ کے بارے میں طلبہ کی کوتاہی

تقویٰ علم کی زیادتی کا سبب ہے طلبہ کو اس کا بالکل اہتمام نہیں اس میں وہ بے حد کوتاہیاں کرتے ہیں ان کوتاہیوں کی تفصیل میں کہاں تک کروں اور کس کس بات کو بتاؤں ذرا کوئی شخص دو ہفتہ کسی محقق کے پاس رہے اور اس سے اپنی اصلاح کی درخواست کرے اور وہ محقق بھی ایسا ہو جو بے تکلف روک ٹوک کرتا ہو تب ان کو اپنی کوتاہیوں کی حقیقت معلوم ہو۔

طلبہ میں جو تقویٰ کی کمی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے خوف نہیں ہے اب تو یہ حالت ہے کہ جس کام کو کرنا چاہتے ہیں اس کو گھیر گھار کر جائز کر لیتے ہیں گو دل میں جانتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ (التبلیغ ۱۲؍۱۳۴، کوثر العلوم)

بعض طلبہ کہتے ہیں کہ ہم تو ابھی بچے ہیں، یاد رکھو! یہی عمر ہے تمہاری پختگی کی جس بات کی اب عادت ہو جائے گی وہ کبھی نہ چھوٹے گی، اسی واسطے تو ارشاد ہے ''**مُرُوا صِبْيَانَكم اذ بلغوا سبعاً**'' یعنی اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات برس کو پہنچ جائیں حالانکہ نماز فرض ہوتی ہے بلوغ کے بعد اور بالغ ہوتا ہے اکثر پندرہ برس کی عمر میں، اور حکم سات برس کی عمر سے پڑھوانے کا ہے تو وجہ اس کی یہی ہے کہ عادت پڑے گی۔ (دعوات عبدیت ۱۵؍۱۲۷، الخازفتہ)

طلبہ کی غلطی اور نفس وشیطان کا دھوکہ

بعض طلبہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی تو ہمارا تحصیلِ علم کا زمانہ ہے اس میں عمل کی کوئی ضرورت نہیں یہ سراسر شیطانی دھوکہ ہے، نصوص نے وجوب احکام میں طلبہ و علماء میں کہیں فرق نہیں کیا البتہ اعمال زائدہ جیسے طویل اوراد یا مجاہدات وریاضات

کہ ان میں مشغول ہونے سے طالب علم کے لیے مطالعہ اور تکرار سبق افضل ہے۔

(تجدید تعلیم ص: ۴۸)

طلبہ سے چند صاف باتیں

میں نہایت ادب سے تھوڑا سا خطاب طالب علموں سے کرتا ہوں کہ آپ کی ضرورت محض علم وعمل کی وجہ سے ہوئی ورنہ آپ کوئی چیز نہیں۔ اور یادرکھو جتنا لطیف کھانا ہوتا ہے اس میں زیادہ اور جلدی بدبو ہوجاتی ہے پس جس طرح بحالت درستی نافع الوجود ہیں اسی طرح نادرستی میں مضر اور فساد کا سبب بھی ہوں گے، اس لیے آپ کو اپنی اصلاح کرانا ضروری ہے اور آپ کی اصلاح کے دو طریق ہیں ایک تو یہ زمانۂ تحصیل میں استاذ دیندار ڈھونڈیئے، بددین استاذ ہرگز اختیار نہ کرو، یہی طالب علمی کا وقت ہے تخم پاشی کا، پھر اس کے بعد کچھ دنوں پڑھ کر کسی اہل اللہ کی چندے (کچھ دن) صحبت اختیار کرو، تب تم خادم دین بن سکو گے، پھر لوگ تمہارے قدم دھوئیں گے۔

(دعوات عبدیت ۸۵/۱۱، ضرورۃ العلماء)

آج کل طلبہ نے خیال کر رکھا ہے کہ درسیات سے فارغ ہوکر پھر عمل کا اہتمام کریں گے یہ بالکل شیطانی وسوسہ ہے جس کی وجہ سے عمر بھر بھی عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ یادرکھو ہر چیز کا پہلی بار جو اثر ہوتا ہے وہ پھر نہیں ہوا کرتا۔ جب علم حاصل کرنے کے وقت کسی کام کا ثواب یا گناہ معلوم ہوتا ہے اس وقت دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے، اگر اس اثر سے اس وقت کام لیا گیا اور عمل کا اہتمام کرلیا گیا تب تو اثر آئندہ باقی رہتا ہے ورنہ پھر قلب سے زائل ہوجاتا ہے، اور دوبارہ آسانی سے پیدا نہیں ہوتا، جب پڑھنے کے زمانہ میں تم احادیث وقرآن کی ورق گردانی کرتے چلے گئے اور ترغیب وترہیب کا اس وقت تمہارے دل پر اثر نہ ہوا تو آئندہ کیا امید کی

جاسکتی ہے کہ تم اس سے متاثر ہو گے۔ جب پہلے ہی تم نے یہ خیال کر کے آنکھیں بند کرلیں کہ یہ وقت ان پر عمل کرنے کا نہیں تو عزیز من یہ امید مت کرنا کہ درسیات سے فارغ ہو کر پھر اس کا کچھ بھی اثر تمہارے دل پر ہوگا جب تمہارے نفس نے پہلے ہی بار اسے ٹال دیا پھر کیا اثر قبول کرے گا۔ (آداب المتعلمین بحوالہ حکیم الامت ص: ۱۰۷)

صاحب ہدایہ کا تقویٰ

ان حضرات کے خلوص کی یہ کیفیت تھی کہ صاحب ہدایہ کی تصنیف (جب تک) تمام نہیں ہوئی روزہ برابر رکھتے تھے اور طرفہ یہ کہ کسی کو روزہ رکھنے کی خبر نہیں ہوتی، خدا جانے کتنے سال میں ہدایہ لکھا ہوگا، برابر روزہ رکھنا اور کسی کو خبر نہ ہونا کس قدر اخلاص کی بات ہے، مردانہ مکان میں بیٹھ کر لکھتے تھے، لونڈی مکان سے کھانا لاتی تھی اور رکھ کر چلی جاتی، جب کوئی مسافر ناآشنا سامنے سے گذرتا اس کو وہ کھانا دے دیتے، لیکن چونکہ اپنے مخصوصین سے پردہ نہیں ہوتا اس لیے تحدیث بالنعمة کے طور پر کبھی خاص (لوگوں) سے یہ سب قصہ ذکر فرمایا ہوگا اس لیے ہم تک منقول ہوا، اس خلوص کی برکت سے جن کو نور فہم عطا ہوا ہے ان کی تحقیق ہے کہ تنخواہ لینے میں مصلحتیں ہیں (لینا چاہئے)۔　(دعوات عبدیت ۳۲/۳، ذم ہویٰ)

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ سے یہ مراد نہیں کہ ذکر و شغل اور مراقبات کیا کرو، یہ تو تقویٰ کی زینت ہیں، اللہ نے تقویٰ کی حقیقت بھی بیان فرمائی ہے ''اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ، وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ'' اس جگہ حق تعالیٰ نے عقائد اور عبادات بدنیہ و مالیہ کے اصول بیان فرمائے ہیں، پس حاصل یہ ہوا کہ متقی وہ

لوگ ہیں جو دین میں کامل ہوں ان کے عقائد بھی صحیح ہوں اور عبادات بدنیہ و مالیہ میں بھی کوتاہی نہ کرتے ہوں۔

شرعاً تقویٰ کی حقیقت کمال فی الدین ہے جس پر دوسری آیت دال ہے وہ یہ ہے کہ ''لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلآئِکَۃِ وَالْکِتَابِ وَالنَّبِیّٖنَ'' یہاں تک تو عقائد کا ذکر ہے تو بِرّ کامل کا ایک جز تو تصحیح عقائد ہے۔ آگے فرماتے ہیں: ''وَآتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ'' اس میں عبادات بدنیہ و مالیہ کا ذکر ہے اور ''وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عَاھَدُوْا وَالصَّابِرِیْنَ فِی الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَأْس ''اس میں اصول اخلاق کا ذکر ہے۔ غرض اعمال ظاہرہ اور طاعات مالیہ و بدنیہ اور اعمال قلبیہ وغیرہ سب اس آیت میں موجود ہیں ان سب کو بیان ہو کر ارشاد ہوتا ہے ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ'' اس سے صاف معلوم ہوا کہ متقی وہ ہے جو ان سب اوصاف سے متصف ہو، پس ثابت ہوا کہ تقویٰ کی حقیقت کمال فی الدین ہے، اور تصحیح عقائد و ادائے طاعات بدنیہ و مالیہ و اصلاح معاملات و معاشرات اس کے اجزاء ہیں۔ (التبلیغ ۲۲/۱۳۴، کوثر العلوم)

اصل تقویٰ

تقویٰ کے لیے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے، اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مامورات کو بھی بجالائے، کیونکہ ترک مامور یہ (یعنی احکام پر عمل نہ کرنا) بھی معصیت ہے، اس کا ترک بھی تقویٰ کے لیے ضروری ہے۔

میں تقویٰ کے لیے آپ کو ایک گر بتلاتا ہوں اس کو یاد رکھئے وہ یہ کہ گو نوافل

اور ذکر و شغل زیادہ نہ ہو مگر ورع یعنی ترک معاصی ومناہی کا (یعنی گناہ سے بچنے کا) زیادہ اہتمام کرو، حدیث میں ہے **لاتعدل بالرعة (لیس الورع کالکف)** گناہوں سے رُکے رہنا سب سے بڑا تقویٰ ہے۔ (التبلیغ ص:۱۳۲، ۱۴۱)

طلبہ کو اس کا بالکل اہتمام نہیں اور اس میں وہ بے حد کوتاہیاں کرتے ہیں ان کوتاہیوں کی تفصیل میں کہاں تک کروں اور کس کس بات کو بتاؤں، طلبہ میں جو تقویٰ کی کمی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے خوف نہیں۔ (التبلیغ ۲۲/۱۳۴)

فصل (۵)

اہل علم کو سادگی کی ضرورت

میرے خیال میں جہاں تک غور کیا جائے گا ہم میں سادگی کا پتہ بھی نہیں ملے گا، نہایت افسوس اس امر کا ہے کہ اس وقت خود اکثر اہل علم میں عورتوں کی سی زینت آ گئی ہے، صاحبو! یہ ہمارے لیے دین کے اعتبار سے بھی اور دنیا کے اعتبار سے بھی سخت (قسم کا عیب اور) نقص ہے، اس سے بجائے عزت بڑھنے کے اور ذلت بڑھتی ہے۔

ہمارے لیے کمال یہی ہے کہ نہ لباس میں کوئی شان وشوکت ہو نہ دوسرے سامان میں مگر اس وقت یہ حالت ہے کہ اکثر طالب علموں کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ طالب علم ہیں یا کسی نواب کے لڑکے۔ اور یہ کوئی دیندار ہیں یا دنیا دار۔ یا تو آدمی کسی جماعت میں داخل نہ ہو اور اگر داخل ہو تو پھر وضع قطع سب اسی کی سی ہونا چاہئے، علم کی یہی زینت ہے کہ اہل علم کی وضع پر رہے، میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا بھی خیال نہیں تو کم از کم اس کا خیال تو ضرور کیجئے کہ آپ کس کے وارث ہونے کے مدعی ہیں، اور ان مورث کی کیا حالت تھی، واللہ ہماری حالت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے

کہ ابھی دین کا ہم پر کامل اثر نہیں ہوا، دین نے ہمارے قلب میں پوری جگہ نہیں کی۔

(دعوات عبدیت ۲۱/۳)

سلف صالحین اور اکابرین کی حالت

ہمارے سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ انہوں نے بعضے مباح امور کو بھی جب کہ وہ مفضی بہ تکلف یا فساق کا شیوہ ہو گئے تھے (یعنی فاسقوں اور اہل تکلف کی عادت بن گئے تھے، ان کو بھی) ترک کر دیا تھا، چنانچہ اسی بنا پر باریک کپڑا پہننا چھوڑ دیا تھا اور اسی بناء پر حدیث شریف میں ہے **من رق ثوبہ رق دینہ** (جس نے اپنے کپڑے کو باریک بنایا اس کا دین بھی باریک کمزور ہو گیا)۔

دوسری بنا کے متعلق واقعہ ہے کہ کسی صحابی یا تابعی نے ایک مرتبہ کسی خلیفہ کو باریک لباس پہنے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ **انظروا الی امیرنا ھذا یلبس بثیاب الفساق** (ہمارے اس امیر کو دیکھو تو فاسقوں کا لباس پہنے ہے)۔

چونکہ سلف صالحین میں سادگی بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی اس لیے اس وقت صلحاء باریک کپڑے نہ پہنتے تھے بلکہ فساق ہی پہنتے تھے۔ اس لیے امیر کو فساق کا لباس پہنے دیکھ کر یہ اعتراض کیا۔

پس اس وقت بھی جو امور اہل باطل یا اہل کبر کی وضع ہیں گو فی نفسہ مباح ہی ہوں ان کو ترک کرنا چاہئے، جیسے انگریزی بوٹ جوتے پھندنے دار ٹوپی وغیرہ کیونکہ اس قسم کے امور اول تو **من تشبہ** میں داخل ہیں، دوسرے اگر ان کو تشبہ سے قطع نظر کر کے مباح مطلق بھی مان لیا جائے تب بھی چونکہ ثقہ لوگوں کی وضع نہیں ہے، اس لیے بھی وہ قابل ترک ہوں گے۔ ہماری وضع ایسی ہونا چاہئے کہ لوگوں کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو ناکارہ سمجھا جاتا ہے جو کہ ہمارے

لیے مایۂ فخر ہے۔ (دعوات عبدیت ۱۳/۳۳)

حضرت مولانا گنگوہیؒ بالکل سادے رہتے تھے مگر لوگوں کو ہمت بھی نہ ہوتی تھی کہ سامنے بات کرسکیں۔ (مزید المجید ص:۲۶)

تصنع وتکلّف سے احتراز

بعض اہل عمل اپنے کوخوب بناؤ سنگھار سے رکھتے ہیں جوشان علم کے خلاف ہے اور ضروری خدمات علم سے بے فکری کی علامت ہے، کیونکہ اس فکر کے ساتھ لباس وطعام وغیرہ کے تکلفات کی طرف التفات نہیں ہوتا۔

اسی طرح مجلس میں صدر یا ممتاز جگہ پر بیٹھنے کا شوق چلنے میں تقدم کی فکر، مجمع میں امام ہونے کا خیال یہ سب ریا وکبر کے شعبے ہیں۔تواضع و بے تکلفی اور سادگی ہی میں علم دین کی شان ہے۔حدیث میں ہے **البذاذة من الایمان** اس سے مساکین کو بعد وتوحش نہیں ہوتا (یعنی دوری اور وحشت نہیں ہوتی) اور یہی لوگ دین کے زیادہ قبول کرنے والے ہیں، البتہ سادگی کے ساتھ طہارت ونظافت ضروری ہے۔

(حقوق العلم ص:۹۶۰، تجدید تعلیم ص:۱۱۶)

تصنع وتکلف کی مضرت

قطع نظر اس کے کہ یہ بذاذت (سادگی) کے بالکل خلاف ہے ایک بڑی مضرت یہ ہے کہ جب ہر وقت یہی شغل رہے گا تو بقاعدہ **النفس لا تتوجه الی شیئین فی آن واحد** (کہ نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں رہ سکتا) یہ ضروری ہے کہ علم کی طرف توجہ نہ رہے گی اور علم سے بالکل بے بہرہ رہے گا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ ہر وقت اپنے بناؤ سنگار میں رہتے ہیں نہ ان میں کوئی استعداد ہوتی ہے نہ مناسبت، اور یہ یقینی ہے کہ جو شخص امور عظام (اہم

کاموں) میں مشغول ہوتا ہے اس کی نظر امور صغار (معمولی کاموں) پر نہیں رہا کرتی حتی کہ یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ غسل کب کیا تھا اور کپڑے کب بدلے تھے۔ اور یہی سبب ہے کہ شریعت مطہرہ نے یہ قانون مقرر کر دیا کہ ایک ہفتہ میں ایک مرتبہ ضرور غسل کرلیا کرو، ورنہ یہ تو خود امر طبعی تھا مگر کام کرنے والوں کو اس طرف التفات نہیں رہتا، اس لیے قانون کی ضرورت پڑی ایک طرف تو بذاذت (یعنی سادگی) کا حکم ہے کہ تکلف اور زینت نہ آجائے اور چونکہ بعض لوگوں سے اس پر ایسا عمل کرنے کا خیال تھا کہ وہ اپنے تن بدن کی خبر نہ رکھنے کی وجہ سے حد نظافت سے بھی خارج ہوجاتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ہفتے میں ایک مرتبہ ضرور غسل کرلیا کرو تا کہ نظافت بھی فوت نہ ہوئے۔ (دعوات عبدیت ۱۳۵/۳، وعظ العمل للعلماء)

کام کا آدمی ہمیشہ سادہ دیکھا جاتا ہے

حسی اعتبار سے لیجئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ حساً بھی یہی حالت ہوتی ہے کہ جو آدمی کسی بڑے کام میں مشغول ہوتا ہے اس کو چھوٹے کاموں کی طرف توجہ نہیں ہوتی، مثلاً شادی کے موقع پر جن لوگوں کے سپرد شادی کا انتظام ہوتا ہے ان کو نہ اپنے کپڑوں کی خبر ہوتی ہے نہ بدن کی اور وہ اس کو کچھ عار نہیں سمجھتے بلکہ اپنی کارگذاری پر ناز کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ انہماک فی الامور العظام (یعنی بڑے کاموں میں منہمک ہونے کے لیے) بذاذۃ (سادگی) لازم ہے۔

جو طالب علم اپنے شغل میں لگا ہوگا اس کو کبھی اس کی فکر نہ ہوگی کہ میرے پاس بوٹ بھی ہے یا نہیں، اور رومال بھی ہے یا نہیں۔

بڑے لوگوں کی سوانح عمری دیکھنے سے بھی اگر چہ وہ دنیا ہی کے بڑے ہوں صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ انہوں نے زندگی نہایت بے تکلف بسر کی۔ پس جو شخص ہر

وقت مانگ پٹی میں مشغول رہے اس کی نسبت سمجھ لینا چاہئے، **لیس من الکمال فی شیء** اس کے اندر کچھ کمال نہیں۔

(کام کا آدمی) تو قومی انجن کا ڈرائیور ہے، ڈرائیور کو غسل اور صابن ملنے کی اور کوئلوں کے جھاڑنے کی فرصت کہاں۔ اگر فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے متنعم اس پر اعتراض کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم (بمبئی، کلکتہ) اسی کی بدولت پہنچے ہیں، اور وہاں سے ڈگریاں حاصل کر کے فسٹ وسیکنڈ میں سفر کررہے ہیں (اگر وہ یہ اعتراض کریں) تو نادانی کے سوا کیا ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۳۵)

عزت اچھے کپڑوں اور تصنع وتکلف میں نہیں

ان لوگوں کو یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ہم جو تکلف اور فیشن کے پیچھے پڑے ہیں، آخر ان کی غرض کیا ہے ظاہر ہے کہ اپنی قدر بڑھانا اور لوگوں کی نظروں میں عزیز بننا، یہی اس کی غرض ہوتی ہے۔ سو علماء کی جماعت میں تو اس سے کچھ قدر نہیں ہوتی ہے، اس جماعت کی نظر میں قدر بڑھانے کی تو صورت یہ ہے کہ علم میں کمال حاصل ہو، اگرچہ پاجامہ نصف ساق تک ہی ہو، اور اگرچہ کرتا بالکل بھی نہ ہو۔

کانپور میں جس زمانہ میں میرا قیام تھا ایک مرتبہ میں مدرسہ میں پڑھا رہا تھا کہ ایک شخص آکر بیٹھے ان کے بدن پر صرف لنگی اور ایک چادر تھی، اس ہیئت کو دیکھ کر کسی نے ان کی طرف التفات نہیں کیا جب انہوں نے گفتگو شروع کی تو معلوم ہوا کہ بہت بڑے فاضل ہیں، پھر ان کی اس قدر وقعت ہوئی کہ ہر طالب علم ان پر جھکا جاتا تھا۔

پہلے طالب علموں کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ وہ بالکل الول جلول رہتے تھے کہ نہ کرتا کی خبر، نہ پاجامہ کی پھر دیکھ لیجئے کہ ان میں سے جواب موجود ہیں وہ اپنے وقت کے مقتدا ہیں، اور جو شخص کرتے پاجامے کی زیب میں مشغول رہے گا اس کو یہ بات

کہاں میسر ہوگی ۔(دعوات عبدیت ۱۳/۳۶)

عوام کے حالات وخیالات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظروں میں بھی اہل علم کی وقعت وضع اور لباس سے نہیں، یہ ظاہری زیب وزینت ان لوگوں کے لیے ہے جو کمال سے عاری ہوں ۔(دعوات عبدیت ۱۳/۳۷)

عزت وذلت کا معیار

حقیقت یہ ہے کہ عزت کا مدار استغناء اور تذلل کا مدار احتیاج پر ہے لباس ووضع کو اس میں دخل نہیں ۔اگر کپڑے پرانے ہیں اور ہفت اقلیم کا بھی دست نگر نہیں تو وہ معزز ہے اور اگر لباس ووضع نوابوں کا سا ہے، ہزاروں روپیہ تنخواہ ہے، ہزاروں روپیہ جائداد کی آمدنی ہے، سامان امیرانہ ہے مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ اور مل جائے فلاں معاملہ میں کچھ اور ہاتھ آجائے تو ایسا شخص بالکل ذلیل ہے۔

(اے اہل علم!) آپ لوگوں کی وقعت علم سے اور تقویٰ وطہارت سے ہے نہ کہ لباس سے ۔قدر بڑھانے کی صورت یہ ہے کہ علم میں کمال حاصل ہو۔

اہل علم کی وضع ولباس اکثر سادہ ہی ہوتا ہے کبھی پیوند لگا ہوا کبھی بند یا بٹن کھلا ہوا دیکھا جاتا ہے اس سے ان پر تذلل کا شبہ کیا جاتا ہے حالانکہ یہ تواضع (اور سادگی) ہے۔

(تجدید تعلیم ص:۳۴، دعوات عبدیت ص:۳۷)

تصنع وتکلّف کرنے والوں کی حالت

ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ ان کی حالت یہ تھی کہ جب کوئی ان کو گھر پر جا کر آواز دیتا تو کم از کم نصف گھنٹہ میں باہر آتے اس کی وجہ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ جس وقت پکارنے کی آواز گھر میں پہنچتی ہے تو وہ آئینہ اور کنگھا طلب کرتے ہیں اور

نہایت تکلف سے بالوں کو درست کر کے مانگ نکال کر ڈاڑھی میں کنگھا کر کے ایک ایک بال کو موزوں بنا کر دولہا بن کر باہر تشریف لاتے تھے، اسے جنون وخبط نہ کہئے تو کیا کہئے۔

اسی طرح اکثر متکلفین کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس ایک دو جوڑا محض اس کام کے لیے رہتا ہے کہ جب باہر نکلیں تو اس کو زیب تن کر کے نکلیں، اور جب واپس آئیں تو پھر وہی لنگوٹی یا سڑے ہوئے کپڑے، ان کا لباس گویا ہاتھی کے دانت ہیں کہ کھانے کے اور، دکھانے کے اور۔

ان لوگوں کو شیطان نے دھوکہ دیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ (مسلم شریف) جب خدا تعالیٰ کو جمال پسند ہے تو ہم کو بھی جمیل بن کر رہنا چاہئے۔ لیکن میں ان سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ تزئین محض جمال کی وجہ سے ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ محض جلوت میں یہ تکلف کا لباس پہنا جاتا ہے، کیا خدا تعالیٰ کو خلوت میں جمال پسند نہیں؟ صاحبو! یہ سب نفس کی توجیہات اور نکات بعد الوقوع ہیں اور خود آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اصل مقصود کیا ہے۔ چنانچہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ نہایت کم قیمت کپڑا پہنیں گے لیکن وضع ایسی اختیار کریں گے کہ دوسرے کو نہایت قیمتی معلوم ہو اور یہ بڑے لوگوں میں شمار ہوں۔

اسی طرح بعض امراء کو دیکھا ہے کہ نہایت قیمتی کپڑا پہنتے ہیں لیکن اس کی وضع ایسی سادہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل معمولی ہوتا ہے۔

اگر خدا تعالیٰ نے وسعت دی ہو قیمتی کپڑا پہنو لیکن اس کی وضع بالکل سادہ رکھو اس میں بناوٹ اور تزئین ہرگز نہ ہو مگر یہ اسی سے ہو سکے گا جو کسی بڑے کام میں مشغول ہوگا۔ (دعوات عبدیت ۳۶/۳)

تکلف اور سادگی کا مطلب

بعض لوگ شاید بذاذات (سادگی) کے یہ معنی سمجھ جائیں کہ نہ صفائی ہو اور نہ نظافت ہو بالکل میلی کچیلی حالت میں رہے حالانکہ میلے پن سے بذاذت کو کوئی تعلق نہیں۔ ہماری جماعت جو کہ علماء وطلبہ کی جماعت ہے اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ یہ نظافت (صفائی ستھرائی) کی طرف متوجہ ہوں۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے ان لوگوں کو اس کا ذرا خیال نہیں ہوتا، بعض لوگ تکلف کے خوگر (عادی) ہیں، لیکن صفائی ان میں بالکل نہیں ہوتی حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ تکلف نہ ہو اور صفائی ہو۔

(دعوات عبدیت ۱۳/۴۳)

(ہمارا حال یہ ہے کہ) نظافت اختیار کریں گے تو اس درجہ کہ نواب معلوم ہوں اور بذاذۃ (سادگی) پر اتریں گے تو اس حد تک کہ کپڑے بھی سڑے ہوئے، بدن بھی سڑا ہوا، وہ تعدیل کی شان جو شریعت نے سکھلائی ہے اس کا کہیں پتہ نہیں حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ نظافت (صفائی) اور بذاذۃ (سادگی) دونوں ہاتھ سے نہ جانے دے۔

کپڑے میں ایک مادّہ ہوتا ہے اور ایک صورت ہیئت سو تکلف میں اکثر زیادہ دخل ہیئت کو ہوتا ہے، یعنی اگر کسی قیمتی کپڑے کی سادہ ہیئت بنالی جائے تو وہی معمولی اور سادہ معلوم ہونے لگتا ہے اور اگر کسی معمولی کپڑے کی عمدہ ہیئت بنائی جائے تو وہی قیمتی اور بھڑک دار معلوم ہونے لگتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے وسعت دی ہو قیمتی کپڑا پہنو لیکن اس کی وضع بالکل سادہ رکھو، اس میں بناوٹ اور تزئین ہرگز نہ ہونے دو۔

امتیازی ہیئت سے احتیاط

ہمارے مشائخ کا طرز یہ ہے کہ وہ امتیاز سے بچتے ہیں، امتیازی شان نہ بنانا

چاہئے اسی لیے ہمارے بزرگ نہ عبا پہنتے ہیں نہ چوغہ، نہ صدری کہ اس سے آدمی خواہ مخواہ دوسرے سے ممتاز معلوم ہوتا ہے۔صدری میں آج کل ہماری جماعت میں اختلاف ہے بعض لوگ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں اور میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا، ہم نے اپنے اکابر کو صدری پہننے کا عادی نہیں دیکھا۔ یہ رواج عموم ولزوم کے ساتھ آج کل ہی نکلا ہے اور اس کو بھی لوگوں نے علماء کا خاص امتیازی شعار بنالیا ہے جس سے ہمارے اکابر بچتے تھے۔ چنانچہ اگر کسی وقت (گوشہ نشینی) سے امتیاز ہونے لگے تو ہمارے اکابر عزلت بھی اختیار نہ کرتے تھے بلکہ اختلاط کے ساتھ زبان کی حفاظت کرتے تھے۔ (تقلیل الاختلاط ص:۳۲۶، برکات رمضان)

شرعی وضع قطع کی ضرورت

علماء اور طلبہ سے اہم خطاب

آپ لوگ اہل علم ہیں، جاہل وعوام نہیں ہیں **اَلْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْإِشَارَةُ** اگر ہم لوگ فکر صحیح سے کام لیں تو دیکھیں گے کہ ہم لوگوں کے دل میں ضرور تفاخر ہے الا ماشاء اللہ کوئی فرد ایسا ہوگا جو اس وباء عام میں مبتلا نہ ہو، رفتار میں تفاخر، نشست و برخاست میں تفاخر، معاشرت و معاملہ میں تفاخر، خوراک پوشاک میں تفاخر، محض تفاخر وریا کے لیے قیمتی گراں لباس پہنا جاتا ہے، روٹی تو کھائیں مسجدوں کی، خرچ کریں زکوٰۃ وغیرہ کا مال، مگر لباس قیمتی ہی ہوگا، گو قرض لے کر ہو مگر شان میں فرق نہ آئے یہ تو اچھا خاصا لباس زور (جھوٹا لباس) ہے، ہر کپڑے میں یکتائی سوجھتی ہے، رضائی کے لیے چھینٹ لیں گے وہ جو محلّہ بھر میں بھی کسی کے پاس نہ ہو، بلکہ شہر بھر میں کسی کے پاس نہ ہو، اور گو ہو چھینٹ لیکن مخمل نما ہو، پھر مشورے ہوتے ہیں کہ اس

کی گوٹ کیسی خوبصورت رہے گی، مغزی کیسی خوشنما معلوم ہوگی، استر کیسا ہونا چاہئے، جیسا کرتا ہے ویسی ہی ٹوپی ہے، یہ تو وہ لوگ ہیں جو اپنی شان کے موافق شرعی لباس پہنتے ہیں، وضع علماء کی اختیار کرتے ہیں مگر اس میں تفاخر ہوتا ہے اور بعض طلبہ مزید برآں نئے فیشن پر مٹے ہوئے ہیں، ٹوپی دیکھئے تو ترکی، پاجامہ، پتلون، اچکن، شیروانی، جوتا ہمیشہ گرگابی، کالرنکٹائی لگی ہوئی ہے جو کہ فی الحقیقت ناک کٹائی ہے نام ہی بڑا خوبصورت ہے مگر لوگ ان پر مرے ہوئے ہیں، بعض دفعہ لباس قیمتی نہیں ہوتا لیکن اس کو اس طرز سے تراشا جاتا ہے اور ایسے طور پر سلوایا جاتا ہے جس سے بہت قیمتی معلوم ہو، دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ طالب علم نہیں کوئی نواب صاحب ہیں، یا کوئی امیر زادے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ میلے کچیلے رہو، اپنے لباس و بدن کو پاک و صاف نہ رکھو، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اپنی حیثیت سے نہ بڑھو، جتنی چادر ہے اتنے ہی پیر پھیلاؤ، اپنی وسعت کا خیال رکھو، علمی وشرعی وضع کو نہ چھوڑو، کتنی شرم کی بات ہے کہ تم عالم ہوکر جاہلوں کا اتباع کرو، ان کی تقلید کرو، چاہئے تو یہ تھا کہ جاہل تمہاری تقلید کرتے نہ کہ وہ الٹا امام و مقتداء بن جائیں، یوں تاویلیں تو جیہیں کر کے نہ مانو تو اس کا تو کچھ علاج نہیں، ذرا تم غور تو کرو کہ تم نے یہ طریقہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم نے اس کو اہل باطل سے سیکھا ہے، اس لباس میں کفار کو اپنا پیشوا بنایا ہے اس سے مقصد بجز تفاخر وریا وغیرہ کے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے علاوہ ازیں جس وضع کو تم نے دوسروں سے لیا ہے وہ تمہارے تحمل سے بھی باہر ہے اور عقلاً وشرعاً انسان کو وہ کام کرنا چاہئے جس کی برداشت و تحمّل کر سکے، تجمّل بقدر تحمّل (یعنی زینت کا اہتمام اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق) ہونا چاہئے، میں تم کو ایک معیار و قاعدہ بتاتا ہوں اس سے اس وضع کے جواز و عدم جواز کا اندازہ کرلیا کرو کہ قیمتی وخوش وضع لباس پہننے کے بعد تمہارے قلب میں کچھ تغیر و تبدل ہوتا ہے؟ کچھ عجب وفخر معلوم ہوتا ہے یا

نہیں؟ اگر تمہاری حالت ویسی ہی ہے جیسے پہلے تھی بے شک قیمتی وخوش وضع لباس میں کچھ حرج نہیں ہے بشرطیکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو اور اگر کچھ خودداری وعجب کی بو آئے تو حرام ہے، باقی وہ وضع ہر حال میں حرام رہے گی جو کفار سے اخذ کی گئی ہے کیونکہ اس میں منشا حرمت صرف تفاخر نہیں بلکہ تشبہ بھی علت ہے، پس صرف تفاخر کی نفی سے حرمت کا انتفاء نہ ہوگا جب کہ دوسری علت باقی رہے، نیز ہر وقت لباس کی فکر ویسے بھی تو مضر ہے جو شخص ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔

حضرات! آپ کا کمال آپ کا جمال تو صرف علم وعمل ہے اس کا خیال رکھئے اس میں مشغول ہو جایئے، اس لباس سے زینت حاصل کیجئے، وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ آپ کو علم وعمل کے ہوتے ہوئے کسی دوسری شئی کی ایسی احتیاج نہیں ہے، جس کے لیے تشویش اور ذلت میں مبتلا ہوں، اس کا حصول تمام اشیاء سے مستغنی و بے نیاز بنا دیتا ہے، (اس کے بعد) کسی امر کی ضرورت نہیں رہتی بس ان زنانے پن کی زینت کو چھوڑ دینا چاہئے سادگی سے بود باش کرنا چاہئے۔

سادگی ایمان کی علامت ہے

حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَان یعنی سادگی سے رہنا ایمان کی علامت ہے، آپ لوگ مقتدا ہیں نائب رسول ہیں، آپ اگر اس فیشن کے لباس و وضع کو اختیار کریں گے تو عوام کا کیا حال ہوگا، وہ تو اچھے خاصے انگریز ہی ہو جائیں گے۔

عوام اس سے غفلت میں پڑ جائیں گے اور ان کو آپ پر حق احتجاج حاصل ہوگا اور اس سب کا وبال آپ لوگوں کی گردن پر ہوگا دیکھ لیجئے احادیث میں قصہ آتا ہے کہ کوئی خلیفہ باریک کپڑے پہن کر خطبہ جمعہ کو آئے، ایک صحابی نے فوراً اعتراض

کیا کہ اُنظُرُوا إلىٰ أمِيرِنَا هٰذَا يَلبَسُ لِبَاسَ الفُسَّاقِ دیکھئے خلیفۃ المسلمین کو، محض باریک کپڑے پہننے پر جو اس وقت اوباش کا شعار تھا، مجمع عام میں کیسا لتاڑا گیا، حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کا طریقۂ زینت یا فیشن اہل کفر یا اہل غفلت سے ماخوذ ہوگا تو آپ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔ طلبہ کے لیے یہ لباس ہرگز شایان شان نہیں، اس سے علم کی ناشکری و بے قدری ہوتی ہے، خصوصاً طالب علمی کی حالت میں تو بالکل فقراء و مساکین کی طرح سادہ لباس سادہ مزاج رہنا چاہئے، میں قیمتی لباس سے منع نہیں کرتا خدا تعالیٰ نے جس کو دیا ہے وہ پہنے، میں ترفع وتفاخر سے روکتا ہوں، باقی جن لوگوں میں یہ تفاخر و بڑائی کا مادہ نہ ہو وہ کیسا ہی بڑھیا لباس پہنیں جب بھی ان کی طالب علمی شان میں ضرر رساں نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بڑھیا لباس میں بھی ایسے الول جلول رہتے ہیں کہ صورت سے آثار طالب علمی صاف نظر آتے ہیں، اور جو لوگ زینت ووضع کی فکر میں رہتے ہیں، ان کی صورت پر طالب علمی کی شان نہیں ہوتی بلکہ افسوس سے کہا جاتا ہے کہ آج کل اس طرز ووضع کو اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ کہیں لوگ طالب علم نہ سمجھ لیں گویا یہ چاہتے ہیں کہ عوام ہم کو زمرۂ طلبہ سے علیحدہ سمجھیں، یا ایک شاندار وممتاز طالب علم تصور کریں، اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ جہلاء اور عوام کی نظروں میں ذلیل نہ ہوں، صاحبو! ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ یہ کیسی عزت ہے جس کی عزت ہونے پر اہل جاہل کی نظر سے استدلال کیا جاتا ہے، اس جہالت کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے عزت تو وہ ہے جس کو اہل نظر عزت کہیں، اہل علم کو چاہئے کہ اپنے سلف صالحین اہل علم کا اتباع کریں ان کی پیروی کریں، اسی میں فلاح دارین تصور کریں، یہ آپ کے بچپن کا زمانہ ہے، ابھی جس طرح چاہو نفس کو سدھار سکتے ہو، پھر اصلاح مشکل ہوگی۔

اپنی وضع قدیم کو نہ چھوڑو، غرباء ومساکین واہل اللہ کے طرز پر رہو اگر تم جہلاء کی نظروں میں اس سے ذلیل بھی ہو تو اس پر فخر کرو یہی ذلت عزت ہے اول تو ذلیل ہوتے نہیں عوام میں بھی اسی عالم کی وقعت ہوتی ہے جو سلف کے طرز پر ہو۔

نہ معلوم کس وجہ سے آپ لوگ اپنی وضع بدلتے ہیں ہر طرز ہر طریقہ میں کیوں ردّ وبدل کرلیا ہے خوب دھڑلّے سے انگریزی لباس پہنتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ابھی لندن سے آئے ہیں، اور طرہ یہ ہے کہ انگریزی کا ایک حرف بھی نہ جانتے ہوں گے مگر لباس سے صاحب بہادر بلکہ سانپ بہادر ہی معلوم ہوں گے، میرے خیال میں یہ تو عوام میں بھی ذلت ہی ہے، سلف صالحین کا لباس خواص میں تو بالاتفاق وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے لیکن عوام میں بھی اسی کو عزت کی نظروں میں دیکھا جاتا ہے اور بصورت تسلیم اگر عوام اس ثقہ لباس میں آپ کو ذلیل سمجھتے ہیں تو اس نئے لباس میں عوام وخواص دونوں آپ کو ذلیل سمجھتے ہیں دونوں طرف سے طعن و تشنیع ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ سانپ بنے پھرتے ہیں اور نام کو انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں جانتے، اس سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ تکبر لباس میں تو تھا ہی، دل میں بھی تکبر گھسا ہوا ہے چنانچہ کبھی اپنی خطا کے مقر نہیں ہوتے، قصور کا اعتراف نہیں کرتے تاویل کو تیار ہو جاتے ہیں، ہر بات میں تاویل ''یعنی'' ٹھنسا ہوا ہے حالانکہ ہر کلامیکہ محتاج یعنی باشد لایعنی ''است'' ہر امر میں ''لانّ'' موجود ہے، چکن میں بھی ''لانّ'' جوتے میں بھی ''لانّ'' کرتہ میں بھی ''لانّ'' ٹوپی میں بھی ''لانّ'' لباس کیا ہوا ''لانّ'' کا مجموعہ ہو گیا جو نہ اوڑھنے کا نہ بچھانے کا۔

طلب کی شان

اے صاحبو! ان تکلّفات باردہ کو چھوڑو تم لوگ طالب علم ہو تو طلب کی شان کو

نبھاؤ، طلب کے ساتھ توجہ دو چیزوں کی طرف نہیں ہوا کرتی ہے، لِاَنّ النَّفْسَ لَا تَتَوَجَّهُ اِلَی الشَّیْئَیْنِ فِیْ آنٍ وَاحِدٍ ورنہ اسی لباس وِباس میں پھنسے رہ جاؤ گے اور مقصود اصل سے ہاتھ دھو بیٹھو گے، اس نئی وضع قطع میں کیا رکھا ہے، کون سی سلطنت مل جاتی ہے، سلف صالحین کی وضع اختیار کرو، یہی کمال ہے یہی جمال ہے، یہی عزت ہے یہی حرمت ہے، گراں قیمت لباس پہننا شرعاً کمال ہے ہی نہیں، دیکھئے تواریخ میں جہاں سلاطین کے حالات لکھے ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں تو یہ کسی جگہ نہیں لکھتے کہ فلاں بادشاہ بہت خوش لباس تھا بہت قیمتی کپڑا پہنا کرتا تھا، بلکہ جو بادشاہ موٹے اور کم قیمت کپڑے استعمال کرتا تھا اس کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے اور خاص مدح میں سے شمار ہوتا ہے جہاں اس کے کارنامے وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں (اس کی) سادگی کا بھی احترام کیا جاتا ہے اور یہ اس کے اوّل نمبر کے محاسن میں سے سمجھا جاتا ہے۔

حضرات! آپ کو یہ تعلیم دی گئی ہے ''دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ'' کہ امور مشکوکہ مشتبہ سے احتراز کر کے امور یقینیہ کو اختیار کرو، جن میں کسی مفسدہ کا شبہ بھی نہ ہو، فرماتے ہیں لَایَکْمُلُ وَرَعُ الْمُوْمِنِ حَتّٰی یَدَعَ مَالَا بَأسَ بِهٖ حَذرًا مِّمَا بِهٖ بَأسٌ اَوْ کَمَا قَالَ یعنی انسان محرّمات سے جب ہی اجتناب کر سکتا ہے جب مشتبہات سے بھی اجتناب کرے۔

تقویٰ کی ضرورت

یہی ہے ورع کامل اور یہی ہے اول درجہ کا تقویٰ اس کو اختیار کیجئے اگر آپ لباس میں تاویلیں اور توجیہیں کر کے اس کو جائز بھی کر لیں تب بھی اس کے مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں، پھر تم امر مشتبہ کو کیوں اختیار کرتے ہو؟ صاحبو! آپ اپنے

سلف صالحین کے کارنامے دیکھئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دفعہ ایک کرتہ پہنا جو آپ کو اچھا معلوم ہوا، نفس کو اس سے حظ (مزہ) آنے لگا، آپ نے قینچی لے کر اس کی تھوڑی تھوڑی آستینیں کاٹ ڈالیں تاکہ بدزیب ہو جائے اور نفس کو مزہ نہ آئے، اگر اور بھی کوئی خرابی نہ ہو تو اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ یہ نئی وضع قطع محض حظِّ نفس کے لیے اختیار کرتے ہیں اور آپ کے اسلاف حظِّ نفس سے بھی پرہیز کرتے تھے۔

میں آپ لوگوں کو ایک ضابطہ کلیہ بتاتا ہوں اس کو یاد رکھ لو، اور اپنے ہر طرز کو اس معیار پر جانچ لیا کرو، یاد رکھو! جس وقت تم اپنی نگاہ میں بھلے معلوم ہو اس وقت سمجھ لو کہ تم حق تعالیٰ کی نظر میں برے ہو، کسی کمال سے کسی جمال سے کسی علمی تقریر تحریر سے جب تم کو اپنے اندر حسن ظاہر ہو، اس وقت حق تعالیٰ کے نزدیک تمہارے اندر برائی یہی پندار اور خود بینی ہے۔

احادیث میں ''اعجاب کل ذی رائی برایه'' (یعنی) خودرائی کی سخت مذمت وارد ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عجب کو مذموم فرمایا ہے، اس کا راز یہی ہے کہ عجب وخود بینی مقدمہ ہے کبر کا کیونکہ انسان عجب سے اوّل تو اپنے نفس کو جمیل وحسین دیکھتا ہے بعد میں اوروں کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے، یہی کبر ہے، اور مقدمات شئے کے لیے بھی شیٔ ہی کا حکم ہوا کرتا ہے، لہٰذا عجب مستقل نصوص کے علاوہ خود اس دلیل سے بھی حرام ہے، اب اس لباس کو پہننے والے سوچ لیں کہ یہ لباس پہن کر ان کو عجب ہوتا ہے یا نہیں، اب اختیار ہے تاویلیں کرتے رہیں، ہمارا کام بتانا تھا، بتادیا ''بر رسولاں بلاغ باشد وبس'' وہ خود جانتے ہیں اہل علم ہیں، بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ یہ تو لباس میں فخر تھا۔

ہمارا کمال یہی ہے کہ نہ لباس میں کوئی شان وشوکت ہو نہ دوسرے سامان میں، مگر اس وقت یہ حالت ہے کہ اکثر طالب علموں کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ

طالب علم ہے یا کسی نواب کے لڑکے اور یا کوئی دیندار ہیں یا دنیادار، یا تو آدمی کسی جماعت میں داخل نہ ہو، اور اگر داخل ہو تو پھر وضع قطع سب اس کی سی ہونا چاہیے، علم کی یہی زینت ہے کہ اہل علم کی وضع پر رہے۔

(وعظ دستور سہارنپور ملحقہ حقیقت تصوف وتقویٰ ص:۱۴۶۹)

اہل علم اور طلبہ کی وضع قطع کیسی ہونی چاہیے

اہل علم میں مشغول ہو کر وضع بھی علمی ہی رکھے، مولوی کی وضع تو ایسی ہو کہ لوگ دیکھ کر مجہول سمجھیں ترکی ٹوپی ظاہراً اب عام ہو گئی ہے جو مقتدا نہ ہو اس کو مضائقہ نہیں مگر مولوی کو اب بھی نہ چاہیے۔ (کلمۃ الحق ص:۱۷۳)

ہم جیسے طلبہ کو زیادہ فاخرہ لباس نہیں پہننا چاہیے اور نہ شان وشوکت سے رہنا چاہیے، غریبوں کی طرف رہنا مناسب ہے اس لیے کہ ان کو سابقہ زیادہ تر غرباء ہی سے پڑتا ہے اور ایسی صورت میں رہنے سے ان پر ایک قسم کا رعب اور ہیبت ہو گی اور استفادہ نہ کر سکیں گے۔ اس لیے میں اس کا بھی خیال رکھتا ہوں۔

ہاں یہ بھی نہ ہونا چاہیے کہ بالکل زدہ (یعنی خستہ پراگندہ) حالت میں رہیں کہ جس کو دیکھ کر کوئی سوالی خیال کرے، اگر خدا دے تو اوسط درجہ میں اہل علم کو رہنا چاہیے، **خیر الامور اوسطھا** کا عامل بن کر رہنا چاہیے۔

(الاضافات الیومیہ ۱/۲۲۴)

جس کو اپنے سے بڑا سمجھے اس کے سامنے اس کے کپڑوں سے زیادہ قیمتی کپڑے پہننا بے ادبی ہے بلکہ اس کے سامنے ہر چیز کو گھٹا ہوا رکھنا چاہیے۔ (القول الجلیل)

جن لوگوں کو انتظامی امور سے تعلق ہے وہ ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ شوکت بھی ہو کیونکہ بدون اس کے انتظام کامل نہیں ہو سکتا۔ (مزید المجید ص:۲۶)

طلبہ کا یونیفارم

میں نے حضرات دیوبند کو کہلا بھیجا تھا کہ طلبہ کا ایک خاص طرز معین ہونا چاہیے مثلاً لباس معین وضع کا ہو جیسا کہ اپنے بزرگوں کا تھا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلبہ اس کو آج کل اپنی تحقیر خیال کرتے ہیں مگر ایسے امور (اور ایسی باتوں) کی طرف التفات ہی کیوں کیا جائے۔ (الکلام الحسن ص:۵۳)

اہل علم اور طلبہ کو چند نصیحتیں

(۱) اے طلبۂ مدرسہ! تمہارا فخر یہی ہے کہ جس جماعت میں تمہارا شمار ہے تم اس کی اصطلاح اور وضع اور طرز کو اختیار کرو۔

(۲) لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے عزت کا طلب کرنا انسان کا کام نہیں یہ تو نہایت بھدّا پن ہے۔

(۳) اگر مخلوق سے عزت نہ ہو تو کیا پرواہ ہے خالق کے یہاں تو ضرور عزت ہوگی۔

(۴) تم کو ایسی تواضع اور پستی اختیار کرنا چاہیے کہ تمام دنیا پستی و تواضع میں تمہارے شاگرد ہو جائے تمہاری عزت اسی میں ہے۔

(۵) تم اپنے کو مٹا دو، گمنام کر دو، تو پھر تمہاری محبوبیت کی یہ شان ہوگی کہ تم چپ ہو گے اور تمام مخلوق میں تمہارا آوازہ (شہرہ) ہوگا۔ (انفاس عیسیٰ ۱/۳۷۳)

فصل (٦)

تواضع اور خشوع کی تعلیم

خشوع قلب کا عمل ہے ہم لوگوں میں بہت کم پایا جاتا ہے حالانکہ یہ ساری طاعت کا رأس (یعنی سادگی) ہے مگر ہم لوگ اس کی ذرا فکر اور اہتمام نہیں کرتے۔

خشوع کی صفت اس کے آثار و تدابیر اختیار کرنا اہل علم کے لیے زیادہ خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے کہ یہ ان کے لیے زینت اور زیور ہے ہماری اس فقدانِ خشوع کی حالت کی شکایت صاف لفظوں میں قرآں شریف میں بھی فرماتے ہیں: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ (پ۲۷،حدید) معلوم ہوا کہ خشوع نہایت ضروری عمل ہے اور اس کا مقابل قساوت ہے چنانچہ ارشاد ہے ''فَوَیْلٌ لِلْقَاسِیَةِ قُلُوْبُھُمْ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ''۔آگے ارشاد فرماتے ہیں: ''ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ''،اس آیت میں قساوت کا مقابل لین (نرمی) کو فرمایا ہے۔اور لین (نرمی) وہی خشوع ہے،تو معلوم ہوا کہ خشوع کا مقابل قساوت ہے اور قساوت کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے **ان ابعد شیء من اللہ القلب القاسی** (اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور رہنے والا ایسا قلب ہے جس میں قساوت یعنی خشوع کی صفت نہ ہو) اس سے زیادہ اور اس کے ضروری اور واجب ہونے کے لیے کیا چاہئے۔پس ہر طالب علم کو لازم ہے کہ وہ قلب میں خشوع پیدا کرے۔(دعوات عبدیت ۱۳/۲۸)

خشوع کی حقیقت

خشوع، قلب کا عمل ہے جب قلب میں خشوع کی صفت ہوگی تو جوارح پر اس کا اثر ضرور پڑے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا حضور نے فرمایا اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو یہ ایسا ہرگز نہ کرتا۔

اب دیکھ لیجئے ہمارے قلب میں خشوع ہے یا نہیں اور ہم اَنْ تَخْشَعُ قُلُوْبُھُمْ کے مضمون میں داخل ہیں یا نہیں، اور ہمارے قلوب میں ترفع اور شیخی تو نہیں پائی جاتی، پس اگر ہمارے قلوب میں خشوع ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کے آثار نہیں پائے جاتے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم کو اپنا کام خود کرنے سے یا کسی مسلمان کا کام کرنے سے عار آتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی مخدوم نہیں پھر دیکھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت تھی۔ (دعوات عبدیت ۱۳/۲۱)

تواضع وخشوع وانکساری کے آثار

اس کے ظاہری آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے، بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے، غیظ وغضب میں مغلوب نہ ہو، انتقام کی فکر میں نہ رہے، ارشاد خداوندی ہے: ’’وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ ‘‘یعنی اپنی رفتار میں میانہ روی پیدا کرو اور آواز کو پست کرو۔

پس معلوم ہوا کہ جب قلب میں خشوع ہوتا ہے تو رفتار میں بھی خشوع کا اثر ہوتا ہے اور آواز میں بھی اس کا اثر ہوتا ہے، اور جیسے خشوع کے لیے یہ آثار لازم ہیں اسی تجربہ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ان آثار کے لیے بھی خشوع لازم ہے بلکہ ظاہری

ہیئت کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔

دیکھئے اگر کوئی شخص غمگین صورت بنا کر بیٹھ جائے تو قلب میں اضمحلال (پژمردگی) کا اثر محسوس ہوگا، یا اگر کوئی شخص متکبرانہ وضع بنالے تو دل میں بھی ایک تجبر اور تکبر کی شان پائی جاتی ہے تو جیسے باطن ظاہر میں مؤثر ہے کہ باطن کے موافق آثار ظاہر میں پائے جاتے ہیں اس طرح ظاہر بھی باطن میں مؤثر ہے۔

(دعوات عبدیت ۱۳/ ۳۸)

تواضع وخشوع پیدا کرنے کا طریقہ

جن لوگوں کو اس وقت تک خشوع کی صفت حاصل نہیں، ان کو چاہئے کہ وہ متواضعین کے افعال اختیار کریں ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے قلب میں تواضع کی صفت پیدا ہوگی، کوئی تو وجہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے متکبرین کے افعال سے ممانعت فرمائی ہے، اور قرآن شریف میں ''وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ'' ارشاد ہوا، ذرا اپنے اسلاف کے حالات کو دیکھئے ان کی کیا شان تھی، ہم کو لازم ہے کہ ہم وہی وضع اختیار کریں، جو ان کو مرغوب ہو اور جس کو وہ اختیار کر چکے، کیا عجب ہے کہ ہم اس تشبہ ظاہری کی بدولت اپنے باطن کو درست کر سکیں۔

اہل اللہ کے ساتھ ظاہر کا تشابہ (مشابہت) وہ چیز ہے کہ اس کی بدولت کفار پر فضل ہوگیا ہے، سِیَر کی روایت ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے ساحرین کو جمع کیا تو وہ لوگ ایسے لباس میں آئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس تھا، آخر مقابلہ ہوتے ہی تمام ساحرین مسلمان ہوگئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خداوندی میں عرض کیا کہ یا الٰہی یہ سامان فرعون کے

اسلام کے لیے ہوا تھا کیا سبب ہے کہ اس پر فضل نہ ہوا اور ساحرین کو ایمان کی توفیق ہوگئی؟ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ یہ لوگ تمہاری سی صورت بنا کر آئے تھے ہماری رحمت نے پسند نہ کیا کہ ہمارے محبوب کے ہم وضع لوگ دوزخ میں جائیں اس لیے ان کو توفیق ہوگئی اور فرعون کو اتنی بھی مناسبت نہ تھی اس لیے اس کو یہ دولت نصیب نہ ہوسکی۔ اس حکایت سے احتجاج مقصود نہیں کہ اس کے ثبوت میں کلام کرنے لگو صرف تائید منظور ہے۔

اگر ہم میں خشوع کی صفت موجود ہے تب تو ہم کو اس کے مناسب وضع اختیار کرنا لازم ہے اور اگر یہ صفت موجود نہیں تو خود اس کی تحصیل کے لیے ایسا کرنا یعنی اس کے آثار کا اختیار کرنا ضروری ہے، اور یہ کہ اہل خشوع کی صحبت اختیار کی جائے۔ (دعوات عبدیت ۳۹/۸۳)

تواضع کی حقیقت

تواضع یہ ہے کہ حقیقت میں وہ اپنے کو لاشئ (حقیر اور معمولی) سمجھے اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے۔ اور اپنے کو رفعت (عزت و بلندی) کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔

تواضع کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی اپنے سے نفی کرے بلکہ یہ معنی ہیں کہ ان کو اپنا کمال نہ سمجھے محض فضل و رحمتِ حق سمجھے۔

(انفاس عیسیٰ ص:۲۷۲-۲۷۳)

تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرۂ بے مقدار، اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا کہے اور حقیر و ذلیل کرے تو ہم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہے پھر کیوں برا مانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج و اثر نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ

ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عقلاً برابر ہو جائے، کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔ (انفاس عیسیٰ ص:۱۷۲)

متواضع سے کبھی کوئی تکبر کی بات نکل جائے تو یہ مضر نہیں ہاں اس کے افعال میں زیادہ غلبہ تواضع کا ہونا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ ص:۲۷۲)

محققین کا قول ہے کہ تم یہ سمجھ کر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا یہی حق ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے اور اپنے کو لاشئی محض سمجھے اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت (عزت بلندی) عطا کر دیں گے، لیکن تم رفعت کی نیت سے تواضع اختیار نہ کرو، تواضع میں خاصیت ہے کہ وہ قلوب کو کشش کرتی ہے گو کسی نیت سے ہو، مگر اس صورت میں حقیقی رفعت یعنی قرب و رضاء حق حاصل نہ ہوگی۔ (انفاس عیسیٰ ص:۲۷۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خشوع اور تواضع کی حالت

دیکھ لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت تھی فرماتے ہیں: **اِنّی آکل کما یاکل العبد** کہ میں کھانا اس طرح کھاتا ہوں جیسے کوئی غلام کھاتا ہے، جس میں تجبّر اور تکبر کا نام نہیں ہوتا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑو بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آگے نہ چلتے تھے بلکہ کچھ صحابہ آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے، اور کچھ پیچھے ہوتے تھے اور یہ کسی کا آگے اور پیچھے چلنا کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہیں ہوتا تھا جیسا کہ آج کل بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ باقاعدہ کچھ لوگ ان کی عزت بڑھانے کو ان کے آگے اور کچھ ان کے پیچھے ہوتے ہیں سو یہ نہ تھا بلکہ جس طرح بے تکلف احباب ملے جلے چلتے ہیں کہ کبھی کوئی آگے ہو گیا کبھی کوئی پیچھے، اس طرح چلتے تھے۔

لباس کی یہ شان تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا پہنتے تھے۔

آرام کرنے کی یہ حالت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر آرام کرتے تھے۔

معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے بازار سے ضرورت کی چیزیں جا کر خرید لاتے تھے۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی باہر کا ایلچی ڈر گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے ڈرو مت میں ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں، جو کہ سوکھا گوشت کھاتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات کو دیکھئے اور پھر اپنے کو تولو، تو معلوم ہوگا ع

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

صاحبو! جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول متبوع ہے اس طرح آپ کا فعل بھی متبوع (قابل اتباع) ہے جب تک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو، ارشاد ہے ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' یہ افعال بھی اتباع ہی کے لیے ہیں کہ ہماری بھی وضع وہی ہو، چال ڈھال وہی ہو، معاشرت وہی ہو۔

(دعوات عبدیت ۱۳/۳۰)

فصل (۷)

علم وعمل پر غرور سے اجتناب کی ضرورت

اگر کسی کو اپنے علم پر ناز ہو، تو سن لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تو کسی کو علم عطا نہیں ہوا حق تعالیٰ آپ سے ارشاد فرماتے ہیں ''وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ ''یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دئے ہیں دفعۃً سلب کرلیں: ''ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا ''یعنی پھر کوئی آپ کا کارساز بھی نہیں ہوسکتا، دیکھئے کتنا ہولناک خطاب ہے آپ ڈر ہی تو گئے ہوں گے۔ اور تعجب نہیں کہ یأس کی نوبت آ جاتی اس لیے حق تعالیٰ نے یہ جزء بڑھا دیا ''اِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّکَ'' بس رحمتِ خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے، اور کوئی ساتھ نہیں دے سکتا، ان الفاظ کے جوڑنے سے پتہ چلتا ہے اس حالت کا جو اس آیت کے اترنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گذری کہ اتنے لفظ پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا ''اِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّکَ'' کیونکہ اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ رحمت دستگیری کرسکتی ہے مگر اس کا وقوع ہوگا یا نہیں، اس لفظ سے اس کا اطمینان نہیں ہوتا اس واسطے ایک جملہ اور بڑھا دیا ''اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا'' یعنی چونکہ خدا تعالیٰ کا فضل آپ کے شامل حال ہے اس لیے بالفعل رحمت آپ کی دستگیر ہے، آپ کسی طرح کا اضطراب نہ کریں، بس اس لفظ سے یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اطمینان ہوگیا کہ ایسا واقع نہ ہوگا کہ علوم سلب کرلئے جائیں صرف اظہار قدرت اور تصحیح عقیدہ کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ گفتگو ہے تو دوسروں کا کیا کہنا ہم کو ذرا ہوش سنبھالنے کی ضرورت ہے، کسی کو علم پر ناز ہے تو حماقت ہے، عمل پر ناز ہے تو

حماقت ہے، عرفان پر ناز ہے تو حماقت ہے، ان میں کوئی جزء بھی اس درجہ میں مکتسب نہیں جس پر ناز کیا جائے، جس کو جو چیز حاصل ہے وہ سب عطاء الٰہی ہے۔ اس کو اپنی چیز سمجھنا اور تزکیہ نفس کرنا کبر ہے۔

اور کبر وہ عیب ہے جو گندگی در گندگی ہے، یہ مرض ام الامراض ہے، اکثر شدید امراض باطنی کی جڑ یہی ہے اور اکثر عیوب کا سلسلہ کبر ہی پر منتہی ہوتا ہے مثلاً غصہ ایک بڑا مرض ہے مگر پیدا ہوتا تکبر ہی سے، بعض وقت تو اس کا ظہور خود غصہ والے منھ سے ہونے لگتا ہے، مثلاً بعض بد دماغ آدمی غصہ کے وقت اپنی زبان سے کہنے لگتے ہیں کہ تو نہیں جانتا کہ ہم کون ہیں؟

اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ کبر کس درجہ بری چیز ہے مگر ہم لوگوں میں بہت کم قلوب اس سے پاک ہوں گے۔ (التبلیغ ۱۸/۵)

فرمایا کہ سعید بن المسیب تابعی ایک روز کہہ رہے تھے کہ میری تکبیر تحریمہ اتنے برس سے قضاء نہیں ہوئی یہ کہہ کر اٹھے تھے کہ مسجد میں جا کر دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ کر نکل رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے فوراً دعویٰ کا جواب دیا۔ (حسن العزیز ۲/۲۱۴)

فرمایا محسوسات کا ادراک بھی خدا تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے (جب چاہے سلب کر لے) ایک رات کو ابر بہت تھا میں گھر کا راستہ بھول گیا دس بارہ منٹ حیران رہا کبھی کہیں چلا جاؤں، کبھی کہیں چلا جاؤں حالانکہ گھر اتنا قریب ہے کہ آدمی آنکھیں بند کر کے بھی جا سکتا ہے۔ (حسن العزیز ۱/۱۶۷)

کام کرنا مخلص اور مقبول ہونے کی دلیل نہیں

فرمایا اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ جس سے کام لیا جائے وہ عند اللہ مقبول ہی ہو، دیکھو چمار سے بیگاری لی جاتی ہے

(اس سے کام لیا جاتا ہے) مگر اس سے چمار کا کوئی درجہ نہیں بڑھ جاتا وہ اپنی جگہ چمار ہی رہتا ہے، ہمارا حال بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کچھ خدمت ہم سے لے لیتے ہیں مگر اپنا حال ہم خود جانتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں درجہ تو اللہ کے نزدیک صرف عالم باعمل کا ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص:۲۸۶)

آج کل کے طلبہ کی بدحالی و بدشوقی

اب تو طالب علم ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے خواہ مخواہ غصہ آ ہی جائے اور سچ یہ ہے کہ طالب علم ہی کم رہ گئے، چنانچہ بعض طالب علم استاذ کی تقریر بہت بے پرواہی سے سنتے ہیں اور جب مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو استاذ سے جھگڑتے ہیں، اس کو غصہ کیسے نہ آئے گا۔ میں ایک واقعہ لکھنؤ کا بتلاتا ہوں، لکھنؤ میں ایک جگہ صدرہ (کتاب کا نام ہے اس کا سبق) ہو رہا تھا کسی مقام میں نسخے کی غلطی کا احتمال ہوا، طالب علموں کے سب نسخوں میں دیکھا گیا ایک طالب علم ان میں سے ایسا تھا کہ ان سے پوچھا کہ تمہاری کتاب میں کیا ہے تو وہ ڈھونڈھنے لگے استاذ جو برہم ہوئے تو کہنے لگے کہ ابھی نظر سے نکل گیا ہے، بتلاتا ہوں جب زیادہ دیر ہوئی تو استاذ نے کتاب ان سے لے کر خود دیکھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ کتاب ''شمس بازغہ'' (کتاب کا نام) ہے۔ پوچھا کہ تم روزانہ اس نسخے میں پڑھتے ہو کہنے لگے جی ہاں سوان بزرگ کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ یہ کون سی کتاب ہے، کچھ حد ہے اس بے پرواہی کی۔

اسی طرح ایک طالب علم، فارغین کی نسبت کہتے تھے کہ یہ لوگ بڑے بے وقوف ہیں، جو فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں کیونکہ پھر روٹی موقوف ہو جاتی ہے ہم تو کئی سال سے نور الانوار پڑھ رہے ہیں اور ابھی اس کے حل کرنے کا قصد ہے۔

(دعوات عبدیت ۱۸۵/۱۹، الدین الخالص)

فراغت کے بعد طلبہ کا حال

درسیات سے فارغ ہونے کے بعد (طلبہ کی) حالت یہ ہوتی ہے کہ جس کی استعداد خراب ہے وہ تو پڑھنا پڑھانا ہی چھوڑ دیتے ہیں، پھر بعض تو ذکر و شغل میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور بعض وعظ گوئی اختیار کر لیتے ہیں، کیونکہ ان میں حظِّ نفس ہے، ایک میں حظِّ نفسانی، وعظ میں تو حظ نفسانی بواسطہ جسمانی کے ہے اور ایک میں حظِّ جسمانی کے ہے، وعظ میں تو حظ نفسانی بواسطہ جسمانی ہے کہ لوگ واعظ کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں جسمانی اور مالی خدمت کرتے ہیں عمدہ عمدہ غذائیں کھانے کو ملتی ہیں اور قیمتی سواری ملتی ہے۔

جو طلبہ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں ان میں دو قسم کے لوگ ہیں بعض تو غیر مخلص ہیں، جو جاہ وغیرہ کے طالب ہیں اور بعض مخلص ہیں مگر مخلصین بھی حظوظ میں مبتلا ہیں، جو طلبہ غیر مخلص ہیں ان کا تو پوچھنا کیا، یہ ان کا ذکر تھا جو خوش استعداد نہیں کہ زیادہ تر اپنی بد استعدادی ہی کی وجہ سے ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں اور زیادت فی العلم سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں، اور جو خوش (ذی) استعداد ہیں، ان کی انتہاء یہ ہے کہ وہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور اسی کو ضروری سمجھتے ہیں، ان کی زیادت اسی میں منحصر ہے کہ درسیات ہی ساری عمر پڑھاتے ہیں۔ پھر ان میں بھی بعض کا مقصود تو تنخواہ ہے اور بعض کا مقصود یہ ہے کہ تعلیم علم کا ثواب بھی ملے گا گو اس کے ساتھ تنخواہ بھی ملتی رہے گی، بعض کو تو محض تنخواہ ہی مقصود و مطلوب ہوتی ہے، اور بعض کا مقصود طلبہ میں شہرت ہے کہ تعلیم و تدریس میں نام ہو جائے، اور عالم متبحر اور لائق مدرس مشہور ہو جائیں۔ اور گو بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کا مقصود علمی ترقی اور زیادت فی العلم ہے مگر ایسا شخص دس جماعتوں میں ایک ہی نکلے گا۔

(التبلیغ وعظ کوثر العلوم ۱۲/۸۲-۹۹، علم و عمل ص: ۲۳۷-۲۴۸)

اصلاح نفس کا طریقہ اور فراغت کے بعد کا ضروری دستور العمل

کتب درسیہ کی فراغت کے بعد آپ کے ذمہ واجب العمل ہے کہ اگر ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال ختم کیے تو باطن کی درستی میں فی سال ایک ماہ ہی خرچ کر دیجئے یعنی کم سے کم دس مہینہ ہی کسی کامل کی خدمت میں صرف کیجئے، اور اس کے ارشاد کے مطابق عمل کیجئے، خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اس کی برکت سے دولت خشوع عطا فرماتے ہیں، اور علم کا اثر قلب کے اندر پیوست ہو جاتا ہے، لیکن اس پر اسی وقت عمل کرنا مناسب ہے کہ جب تک کتب درسیہ سے فراغ ہو چکے اور اساتذہ ادھر متوجہ ہونے کی اجازت دے دیں، اور اگر اساتذہ ختم درسیات کے بعد بھی چند روز تک درسیات ہی میں مشغول رہنے کا حکم فرمائیں تو ان کے ارشاد پر عمل کرے اور جب تک کافی مناسبت نہ ہو جائے اس وقت تک درسیات ہی میں مشغول رہے۔ اور جب کافی مناسبت ہو جائے تو چند روز کسی کے پاس رہ کر اصلاح باطن کرے اور پھر درس وتدریس کا شغل بھی جاری کر دے۔ (دعوات عبدیت ۱۳/۴۲)

فراغت کے بعد طلبہ التزاماً محققین اہل اللہ کی خدمت میں حسب گنجائش قیام کریں اور ان سے عملاً آداب واخلاق سیکھیں اور ان کی صحبت سے برکت حاصل کریں، اور چندے (ایک مدت تک) ان کی خدمت میں آمد ورفت رکھیں جس سے کہ نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہو جائے، تب خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ ص: ۷۵)

صحبت صالح اور مشائخ کی خدمت میں رہنے کی ضرورت

''صحبت'' اس کے بغیر نہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم کافی ہے اور نہ ادنیٰ درجہ کی۔ اسی لیے علماء وطلبہ سب کے ذمہ اس کا اہتمام ضروری ہے، پہلے زمانہ میں جو سب لوگ اچھے ہوتے تھے اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ سب اس صحبت کا اہتمام رکھتے تھے۔

اس وقت یہ حالت ہے کہ تعلیم کا اہتمام تو کسی قدر ہے بھی کہ اس پر ہزاروں روپیہ صرف کیا جاتا ہے اور بہت سا وقت دیا جاتا ہے مگر صحبت کے لیے فی سال ایک ماہ بھی کسی نے نہیں دیا۔

واللہ اگر صحبت کی طرف ذرا بھی توجہ کرتے تو مسلمان ساری تباہیوں سے بچ جاتے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے فراغ دیا ہے وہ کم از کم چھ ماہ تک کسی بزرگ کی خدمت میں رہیں لیکن اس طرح کہ اپنا تمام کچا چھٹا ان کے سامنے پیش کر دے، اور پھر جس طرح وہ کہیں اس طرح عمل کریں، اگر وہ ذکر و شغل تجویز کریں تو ذکر و شغل میں مصروف ہو جائے اور اگر وہ اس سے منع کر کے کسی دوسرے کام میں لگائیں اس میں لگ جائے، اور ان کے ساتھ محبت بڑھائے، اور ان کی حالت کو دیکھتا رہے کہ کسی چیز کے لینے کے وقت یہ کیا برتاؤ کرتے ہیں، اور دینے کے وقت کس طرح پیش آتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ تخلق باخلاق اللہ ہو جائے گا (یعنی اخلاق عالیہ اس کو نصیب ہو جائیں گے)، اور پھر اس کی فراغت سے سراسر نفع پہنچے گا۔

(دعوات عبدیت ۱۲/۵۶، طریق النجاۃ)

محض لکھ پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا اصل چیز اصلاحِ نفس اور صحبت صالح ہے

میں کہا کرتا ہوں کہ محض لکھنے پڑھنے سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ کسی کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں، میں تو کہتا ہوں کہ آدمی جاہل رہے مگر اس میں تدیّن ہو وہ جاہل اس بددین عالم سے اچھا ہے، جس میں (دینداری) نہ ہو اور ایسے ان پڑھ ہونے اور حساب وکتاب نہ جاننے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر کیا ہے۔ نحن اُمّة امية لانكتب و لانحتسب۔

بعض صحابی تو ایسے ہوئے ہیں کہ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سو کتنے ہوتے ہیں، مگر ان میں پھر کیا بات تھی جس کی وجہ سے ان کو فضیلت حاصل تھی، صحابہ کی حالت تو یہ تھی مگر درجات کی یہ حالت ہے کہ نہ اویس قرنی ان کے برابر، نہ عمر بن عبدالعزیز، نہ بایزید، نہ جنید۔

بات صرف یہ تھی کہ صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور اس صحبت سے ان کا دین ایمان خالص اور کامل ہو گیا تھا پس اصل چیز یہ ہے۔

اور اگر آدمی پڑھا ہوا ہو مگر اس دولت سے محروم ہو یعنی کسی اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی نہ کی ہوں تو ایسا شخص بڑے خسارہ میں ہے۔

صحبت صالح اور بزرگوں سے تعلق رکھنے کی ضرورت اور اس کے فوائد

بزرگوں سے تعلق بڑی نعمت ہے، لوگ اس کی قدر نہیں کرتے، مجھ کو تو اس

لیے بھی اس کی خاص قدر ہے کہ میرے پاس تو سوائے بزرگوں کی دعا کے اور کچھ ہے نہیں، نہ علم ہے نہ عمل ہے، اگر ہے تو صرف یہی ایک چیز ہے۔(الافاضات ۱۰۵/۵)

آج کل پڑھنے پڑھانے والوں کو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم بہت کچھ ہو گئے۔ (طریق القلندر ص:۸۸)

یاد رکھئے جو عالم مدرسہ سے فارغ ہو کر خانقاہ میں نہ جائے (یعنی اپنی اصلاح نہ کرائے) وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کر کے اسی پر قناعت کرے اور نماز نہ پڑھے۔

محض پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہے۔(الافاضات الیومیہ ۵۱۵/۴)

ہم نے ایک آدمی بھی ایسا نہ دیکھا کہ درس اور کتابی اعتبار سے پورا عالم ہو اور صحبت یافتہ نہ ہو اور پھر اس سے ہدایت ہوئی ہو، اور ایسے بہت سے دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں یعنی کتابی اور درسی علم حاصل نہیں لیکن صحبت حاصل ہو جانے کی برکت اور فیض سے دین کی خدمت کرتے ہیں پس نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا علم ہے۔(طریق النجاۃ ص:۹۶)

اصل دین صحبت صالح ہی سے آتا ہے، محض ورق گردانی سے کچھ نہیں ہوتا

صحبت میں رہ کر دین آتا ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا، ضابطہ کا دین تو کتابوں سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بغیر کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بلکہ بلا جوتیاں کھائے نہیں آتا۔

دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا دین انہیں نخروں سے آتا ہے اب جس کا جی

چاہے لے اور جس کا جی چاہے نہ لے۔ اکبر ایک اچھے شاعر تھے ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے ان کا مصرعہ ہے ع

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اوج قنوج، ص:۸۲)

دین سے کامل مناسبت بزرگوں کی صحبت ہی سے ہوتی ہے کتابوں سے نہیں ہوتی، کتابی قابلیت کیسی ہی اونچی ہو، کتنا ہی بڑا ذی استعداد ہو، شیخ کامل کی صحبت کے بغیر بصیرت نہیں ہوسکتی۔ (الافاضات الیومیہ ۶/۳۶۹)

خودرو درخت ٹھیک نہیں ہوتا، ناہموار اور بعض اوقات بدمزہ ہوتا ہے، جب تک کہ باغباں اسے درست نہ کرے، کانٹ چھانٹ نہ کرے، قلم نہ لگائے ایسے ہی وہ شخص جو شیخ کی خدمت میں نہ رہے، اصلاح نہ کرائے محض کتابوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھ بیٹھے اس کی مثال بعینہ خودرو درخت کی سی ہے، جب تک اسے شیخ مصلح درست نہ کرے اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوتا بلکہ بددین، بدعقائد یا بداخلاق ہوجاتا ہے۔ (مقالات حکمت ص:۴۰۷)

صحبت صالح کے بغیر اسلامی تعلیم کا رنگ نہیں جمتا

صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی کہ اس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا، اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے، اور ضرورت اسی کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو، اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو نہ ظاہری نماز کام کی نہ روزہ، بس وہ حالت ہے کہ طوطے کو سورتیں رٹا دیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں۔

جس تعلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی تو اگر

دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہوتو حافظ قرآن و عالم بھی ہوگا تب بھی آٹے دال ہی کا بھاؤ دل میں لے کر مرے گا جیسا کہ اس وقت اکثر حالات ہیں کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے۔

اسی کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے خدا کے لیے اپنی اولاد پر رحم کرو اوران کو اسلام کے سیدھے راستہ پر لگاؤ۔(طریق النجاۃ ص:۱۰۹)

صحبت صالح اختیار کرنے کا حکم

یہ صحبت میرے نزدیک اس زمانہ میں فرض عین ہے، بڑے ہی خطرہ کا وقت ہے جو چیز مشاہدہ سے ایمان کی حفاظت کا سبب ہو، اس کے فرض عین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، ایسی چیز کا اہتمام تو ابتداء ہی سے ہونا چاہئے۔(الافاضات الیومیہ ۴/۱۷)

آج کل کی بدحالی کا اصل سبب صحبت صالح کا فقدان ہے

آج کل افعال رذیلہ کا ہر شخص شکار بنا ہوا ہے، اس کا زیادہ تر سبب اہل اللہ کی صحبت سے محروم ہونا ہے، صحبت بڑی چیز ہے، اور اس کی قدر اسی لیے نہیں رہی کہ آخرت کی فکر نہیں رہی ورنہ آخرت کی فکر میں رہنے والا اس سے کبھی اپنے کو مستغنی نہیں سمجھ سکتا، میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں۔

(الافاضات ۴/۳/۶۷)

صحبت صالح میسر نہ ہونے کا نتیجہ

اگر کتابی علم کامل ہو اور تربیت نہ ہو تو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر کتابی علم سے جاہل ہو اور تربیت بھی نہ ہو تب بھی یہی حالت ہوتی ہے، غرض علم بغیر تربیت کے عیّاری کو پیدا کرنے والا ہے۔(طریق النجاۃ ص:۹۷)

نیک صحبت نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت یہ حالت ہوگئی ہے کہ استادوں کے ساتھ استہزاء، قرآن وحدیث میں تحریف (کی جانے لگی ہے)۔

اس وقت کمالات کی انتہاء لوگوں کے نزدیک یہ ہوگئی ہے کہ تقریر اور تحریر ہو اور اپنے کو اپنے استادوں اور بزرگوں کے برابر خیال کرنے لگے۔ (الافاضات ۴/۲۰۱)

صحبت کیسے شخص کی مفید ہے

صاحب کمال ہونے کی علامت

صاحب کمال ہونے کی علامتیں یہ ہیں کہ:

ایک تو بقدر ضرورت علم دین جانتا ہو۔

دوسرے شریعت پر پوری طرح کاربند ہو۔

تیسرے اس میں یہ بات ہو کہ جس امر کو خود نہ جانتا ہو علماء سے رجوع کرتا ہو۔

چوتھے یہ کہ علماء سے اس کو وحشت نہ ہو۔

پانچویں یہ کہ اس میں روک ٹوک کی عادت ہو، مریدین اور متعلقین کو ان کی حالت پر نہ چھوڑ دیتا ہو۔

چھٹے یہ کہ اس کی صحبت میں یہ برکت ہو کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہوتی جائے۔

ساتویں یہ کہ اس کی طرف صلحاء اور دین کے سمجھنے والے لوگ زیادہ متوجہ ہوں اور یہ کمال کی بڑی علامت ہے۔ جس شخص میں یہ علامتیں پائی جائیں وہ مقبول اور کامل ہے اس کے پاس جایئے اور اس کی صحبت سے مستفیض ہویئے۔

(دعوات عبدیت، طریق النجاۃ ۱۲/۵۹)

صحبت کب مفید ہو سکتی ہے

صحبت مفید جب ہو سکتی ہے کہ ان سے اپنے امراض کو بیان کریں اور ان کا علاج پوچھیں، نیک صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے عطر فروش کی دوکان کہ یا تو وہاں سے عطر خریدو گے ورنہ کم سے کم خوشبو سے تو دماغ کو راحت ہوگی، اسی طرح نیک صحبت سے کوئی نہ کوئی بات کام کی حاصل ہو جاتی ہے۔

صحبت سے یہ مراد نہیں کہ علماء کی خدمت میں جا کر زٹل (بکواس) ہانکیں دنیا بھر کے اخبار و حکایات بیان کریں۔ (دعوات عبدیت، الغاء المجازفۃ ۱۵/۱۳۱)

اہل اللہ کی صحبت کا بڑا فائدہ

فرمایا کہ صحبت اولیاء اللہ سے ایک خاص بات قلب میں ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے خروج عن الاسلام (یعنی مرتد ہونے) کا احتمال نہیں رہتا خواہ گناہ اور فسق و فجور سبھی کچھ اس سے وقوع میں آئیں، لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ مردودیت کی نوبت نہیں پہنچتی، برخلاف اس کے ہزاروں برس کی عبادت میں بھی بذاتہ اثر نہیں کہ وہ کسی کو مردودیت سے محفوظ رکھ سکے، چنانچہ شیطان نے لاکھوں برس عبادت کی لیکن وہ اس کو مردودیت سے نہ روک سکی یہی معنی ہیں اس شعر کے۔

یک زمانے صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کیونکہ ظاہر ہے کہ ایسی چیز جو مردودیت سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دے ہزار ہا سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے جس میں یہ اثر نہ ہو۔ (حسن العزیز ۱/۲۳)

بدون صحبت شیخ کے اگر کوئی لاکھ تسبیحیں پڑھتا رہے کچھ نفع نہیں، عادت اللہ یہی جاری ہے کہ بدون شیخ کی صحبت کے نرا ذکر کافی نہیں اس کے لیے صحبت شیخ شرط

ہے، پہلے میرا خیال یہ تھا کہ شیخ کے پاس رہنے کی ایسی ضرورت نہیں لیکن اب تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ جو نفع شیخ کے پاس رہ کر ہوتا ہے وہ دور رہ کر نہیں ہوتا۔ صحبت میں بالخاصہ اثر ہے جیسے مقناطیس میں لوہے کے کھینچنے کا اثر ہے، کوئی خاص وجہ اس اثر کی نہیں بتلائی جاسکتی، واقعی خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ (حسن العزیز ۱/۲۳)

علماء کو صحبت صالح کی ضرورت

یاد رکھو کہ صحبت بدون علم متعارف کے مفید ہوسکتی مگر علم متعارف بدون صحبت کے بہت کم مفید ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بہت سے علماء نظر آتے ہیں مگر ان میں کام کے دو چار ہی ہیں، جن کو کسی کامل کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔

دیکھئے گلاب کے پاس رہنے سے مٹی میں خوشبو پیدا ہوجاتی ہے اسی طرح اہل محبت کے پاس رہنے سے خدا کی محبت اور دین کے ساتھ مناسبت حاصل ہوجاتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام کو فضیلت صحبت ہی کی وجہ سے ہوئی کہ آج کوئی امام اور فقیہ اور کوئی بڑے سے بڑا ولی، ادنیٰ صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ حالانکہ وہ زیادہ لکھے پڑھے نہ تھے، بلکہ بہت سے علوم تو صحابہ کے بعد پیدا ہوئے ان کے زمانہ میں ان علوم کا پتہ بھی نہ تھا جو آج کل کثرت سے موجود ہیں، ان کا یہی کمال تھا کہ وہ ان علوم میں مشغول نہ ہوئے تھے، بس صحابہ کا بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان کو نصیب تھی۔ (التبلیغ ۱۲۱/۱۷)

اگر صحبت صالح میسر نہ ہو، صحبت کے قائم مقام

...... اور جو اپاہج (یعنی معذور) ہیں (یا ان کو فی الحال صحبت صالح نصیب نہیں) تو ان کے لیے صحبت کا بدل یہ ہے کہ ایسے بزرگوں کے ملفوظات دیکھا کریں، یا سنا کریں۔ ان کے توکل صبر وشکر تقویٰ وطہارت کی حکایتیں دیکھنا سننا یہی صحبت

کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ (دعوات عبدیت ۱۲/۶۲)

خوف خدا وخشیت پیدا کرنے کا طریقہ

خشیت پیدا کرنے کے لے یہ تدبیر کی جائے کہ کوئی وقت مناسب تجویز کر کے اس میں تنہا بیٹھ کر اپنی حالت عصیان اور پھر خدا تعالیٰ کی نعم اور نیز اس کے عذابِ آخرت اور قیامت کے احوال، پل صراط، میزان، دوزخ کی حالت وغیرہ کو سوچا جائے۔ (دعوات عبدیت ۱۳/۳۹)

حقیقت تو یہ ہے کہ تحصیل خوف کے لیے بس اتنا سوچ لینا بھی کافی ہونا چاہئے کہ اگر مجھ سے یہ سوال ہو گیا تو تیرے پاس کیا جواب ہے؟ جب خوف پیدا ہو گا تو پھر کوئی گناہ نہ ہو گا، اس لیے کہ خوف ہی نہ ہونے کی وجہ سے سب خرابیاں ہیں، جتنا جتنا خوف پیدا ہوتا جائے گا اسی درجہ کی خرابیاں دفع ہوتی جائیں گی۔

اگر قیامت کے متعلق ہم کو یہ بھی اطمینان دلایا جائے کہ ہم تم کو دوزخ میں نہ بھیجیں گے لیکن یہ ضرور پوچھتے رہیں گے کہ نالائق تو نے یہ کیا کیا کہ جس قدر اپنے چھوٹوں سے ڈرا کرتا تھا اتنا بھی ہم سے نہیں ڈرا؟ اور وہ پوچھنے کا وقت بھی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات وجاہ وجلال اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت ومقہوریت پیش نظر ہو گی تو واللہ یہ بھی مرجانے کی جگہ ہے۔ چہ جائیکہ دوزخ بھی ہو، روحانی ذلت اور جسمانی کلفت بھی ہو، کیا یہ مجموعہ بھی خوف کے لیے کافی نہیں۔ (دعوات عبدیت ۱۵/۶۲)

زمانہ طالب علمی میں بیعت ہونا مناسب نہیں

میں نے زمانۂ طالب علمی میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تھی اس پر حضرت نے فرمایا تھا کہ جب تک کتابیں ختم نہ ہو جائیں اس خیال کو شیطانی خیال سمجھنا، واقعی یہ حضرات بڑے حکیم ہیں، کیسی عجیب بات فرمائی،

ایک وقت میں قلب دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا اس لیے ضروری کو غیر ضروری پر ترجیح دینا چاہئے۔ اور طالب علمی ضروری ہے بیعت ہونا ضروری نہیں، اس وقت اس طرف متوجہ ہونے سے نہ تعلیم ہی ہوگی اور نہ یہی ہوگا اس لیے طالب علمی کے زمانہ میں اگر شیخ نے ذکر و شغل کی تعلیم کی تو اس طرف مشغول ہونا بھی ضروری ہوگا اور طالب علمی میں بھی یکسوئی اور دل جمعی کی ضرورت ہے، پس اس میں دو متضاد چیزیں جمع کرنا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ذکر و شغل کا نفع نہ ہوگا اور پھر مایوسی ہوگی اور بیٹھے بٹھائے شیخ سے بدگمانی پیدا ہوگی، اچھا خاصا خلجان لینا ہے، اور اگر شیخ سے کچھ تعلیم حاصل نہ کی تو بیعت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

البتہ اصلاح اخلاق طالب علمی میں بھی ضروری ہے سو اس کے لیے بیعت شرط نہیں اور اس میں کچھ وقت بھی صرف نہیں ہوتا جس سے طالب علمی کے شغل میں مزاحمت ہو۔ (الافاضات الیومیہ ۳۲۸/۱۴)

طالب علمی کے زمانہ میں کسی اور شغل میں مشغول ہونا تعلیم کو برباد کر دیتا ہے، طالب علم کے لیے یکسوئی اور جمعیت قلب بہت ضروری ہے اس کے برباد ہونے سے تعلیم برباد ہو جاتی ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۳۲۹/۴)

تحصیلِ علم فرض ہے گو یہ بھی (یعنی اصلاح نفس) فرض ہے اور ہم نے مانا کہ تحصیل علم سے بڑھ کر ہے مگر جس طرح نماز فرض ہے اور وضو سے بڑھ کر ہے مگر بغیر وضو کے نہیں ہوسکتی، اسی طرح درویشی بھی فرض سہی اور تحصیل علم سے بڑھ کر سہی مگر تحصیل علم اس کے لیے بمنزلہ وضو کے ہے تو جس طرح وہاں وضو میں اس کی اہمیت موقوف علیہ ہونے کے اعتبار سے ہے یہاں تحصیل علم میں ہے۔ (التبشیر ملحقہ دعوت و تبلیغ ص: ۳۶۸)

مرید طالب علم کو اپنے شیخ سے طالب علمی کی حیثیت سے نہ پڑھنا چاہئے البتہ بلا کتاب کے بیٹھ جانا اس کی تقریر کو سننا اور سوالات نہ کرنا اس میں مضائقہ نہیں۔

(کمالات اشرفیہ ۱۰۶/۲)

باب (۷)

فصل (۱)

اہل علم وطلبہ کو بدعملیاں وکوتاہیاں اورضروری اصلاحات

افسوس ہے کہ ہم میں ایسے افراد بھی ہیں کہ وہ صرف علم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے۔

بعض کی حالت تو یہاں تک نا گفتہ بہ ہے کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے، بعض ایسے ہیں کہ وہ اس قدر کھلم کھلا تو بے عمل نہیں لیکن اپنی زبان وغیرہ کی حفاظت وہ بھی نہیں کرتے، جس جگہ بیٹھیں گے لوگوں کی غیبت، شکایت کے انبار لگائیں گے، بعض ایسے ہیں کہ وہ زبان کی بھی حفاظت کرتے ہیں لیکن وہ نظر کی حفاظت نہیں کرتے، اکثر نامحرموں کو دیکھنا راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر تاکنا جھانکنا عادت ہوجاتی ہے۔

جو بہت متقی ہیں وہ زبان کی بھی حفاظت کر لیتے ہیں، قلب کی حفاظت وہ بھی بہت کم کرتے ہیں۔ اور قلوب کے معاصی سے ان کو بہت کم نجات ملتی ہے، مرض قلب وہ مرض ہے کہ قریب قریب سب کے سب ہی مبتلا ہیں، صاحبو! علم مقصود بالذات نہیں عمل مقصود بالذات ہے۔ (دعوات عبدیت ۱۳/۱۶)

ہم لوگوں میں چند کوتاہیاں ہیں ایک تو یہ کہ عمل کی طرف التفات ہی نہیں کرتے اور اگر کچھ عمل کرتے ہیں تو غضب یہ ہے کہ اس میں انتخاب کرلیا ہے اور اس کو کافی سمجھ کر اپنے کو عامل بالشریعت اور دیندار سمجھتے ہیں۔ آج کل ہم لوگوں میں

اکثر تو عمل ہی نہیں کرتے کہ نماز ہو رہی ہے اور وہ پڑے سو رہے ہیں، بعض لوگ باوجود بیدار ہونے کے محض سستی کی وجہ سے پڑے رہتے ہیں، اگر نماز کے پابند ہو گئے لیکن دوسرے اعمال یا تقویٰ کے شعبے اکثر ندارد۔

اہل علم سے شکایت

جو لکھے پڑھے ہیں ان کی بھی یہ حالت ہے کہ جو منھ میں آیا بک دیا، جو قلم میں آیا لکھ دیا، اس سے کوئی بحث ہی نہیں کہ دوسرے کو اس سے تکلیف ہوگی، اس کی فکر ہی نہیں کہ اپنے سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے جو جی میں آیا کر لیا، غور و فکر کا نام نہیں جیسے سانڈ آزاد ہوتے ہیں بس یہ حالت ہے آزادی اور بے فکری کی۔

(الافاضات الیومیہ ۴/۴۹-۵۷۱)

اے طالب علمو! اپنی اصلاح کی فکر کیجئے، بے فکری بہت بری شیٔ ہے، اس سے گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں اور گناہ کے بڑھنے سے دل بے حس ہو جاتا ہے پھر اچھے برے کی تمیز بھی نہیں رہتی۔

اسی لیے ہر وقت اپنے نفس کی دیکھ بھال اور نگرانی میں لگا رہنا چاہئے، شیطان کمبخت ہر رنگ میں مارتا ہے، حتی کہ دیندار کو دنیا میں دین کا رنگ دکھا کر مبتلا کرتا ہے، بہر حال نگرانی کی سخت ضرورت ہے کسی کو بھی بے فکر نہ ہونا چاہئے۔

(الافاضات الیومیہ ۲/۱۱۵)

خواص سے شکایت

افسوس یہ ہے کہ خواص کو بھی دین کی ترقی کی فکر نہیں بس جو تعلیم میں مشغول ہے وہ اسی پر قانع ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بڑا دیندار ہوں کہ ہر وقت قال اللہ وقال الرسول میں رہتا ہوں، کوئی ان سے پوچھے کہ آخر شریعت میں معاملات اور

معاشرت کی تعلیم کس لیے دی گئی ہے۔ اصلاح اخلاق کا اہتمام کیوں نہیں کرتے، کیا یہ دین نہیں ہے؟ کیا اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم پیدا ہوگی۔ (اکمال الرجال ص:۳۲)

آج کل یہ حالت ہے کہ کتابیں بھی ختم اور مدرس بھی بن گئے مگر آج تک یہ خبر نہیں کہ (اللہ تک پہنچنے کا) راستہ کیا ہے لوگ زوائد میں مبتلا ہیں، مقاصد کو چھوڑے ہوئے ہیں، سنئے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں، اخلاق حمیدہ پیدا ہوجائیں، طاعت کی توفیق ہوجائے، اللہ سے غفلت جاتی رہے اور اللہ کی طرف توجہ پیدا ہوجائے۔ (کمالات اشرفیہ ص:۷۹)

(خلاصہ یہ کہ) راستہ صرف ایک ہی ہے کہ محبت واطاعت کے ساتھ احکام شریعت کے سامنے اپنے کو پیش کردو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ (الافاضات ۲۳۲/۵)

اخلاقی تنزلی

علماء اکثر درس وتدریس میں مشغول رہتے ہیں مگر اس طرف توجہ نہیں کہ باطن کی اصلاح کریں گو درس وتدریس بھی بڑی عبادت ہے مگر اس کی بھی تو ضرورت ہے بلکہ خود درس وتدریس وغیرہ بھی سب کچھ نہیں اعمال مامور بہ کے لیے کرایا جاتا ہے۔

(افاضات الیومیہ ۲۹۵/۳)

ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ خود اس طرف توجہ نہیں کرتے، میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو علم کی فکر ہے لیکن عمل کی نہیں اس کا تو بڑا اہتمام ہوتا ہے کہ ہم ساری کتابیں پوری کریں لیکن عمل کی ذرا بھی پرواہ نہیں، قوت عملیہ اس درجہ ضعیف ہورہی ہیں اور اس درجہ اس میں خلل آگیا جس کا حساب نہیں، بہت سے معاصی ایسے ہیں کہ ان میں دن رات مبتلا ہیں، اور خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے کوئی گناہ کیا، کسی کی

چیز بلا اجازت اٹھالی، اور جہاں چاہا ڈال دی، کسی کی کتاب بلا اجازت لے لی اور ایسی جگہ رکھ دی کہ اس کو نہیں ملتی، وہ پریشان ہو رہا ہے، کسی سے کسی اچھے کام کا وعدہ کیا اس کے پورا کرنے کی بالکل فکر نہیں، اسی طرح سینکڑوں قصے ہیں کہاں تک بیان کئے جائیں۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ان کے علم وفضل میں کوئی شک نہیں ہوتا حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہیں، یوں تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے، بڑوں بڑوں کو وہ بہکاتا ہے، تفسیر میں وہ ماہر حدیث سے وہ واقف، فقہ میں وہ کامل، کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتا، اگر زیادہ نہ جانتا ہوتا تو علماء کو کیسے بہکا سکتا، جب کوئی شخص کسی فن میں ماہر ہوتا ہے جب ہی تو وہ اپنے سے کم جاننے والوں کو دھوکہ دے سکتا ہے، شیطان میں اگر کمی ہے تو صرف اس بات کی کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ایسا علم جو عمل کے لیے نہ ہو جہنم کا ذریعہ ہے، ہم لوگ ایسے غافل ہو رہے ہیں کہ اپنی اصلاح کی ذرا بھی فکر نہیں کرتے، بعض لوگ گو قصداً گناہ نہیں کرتے لیکن بے پرواہی کی وجہ سے ان سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی شکایت کے قابل ہیں، اگر کوئی ملازم سرکاری، بے پرواہی کرے اور کام خراب کردے تو کیا اس سے باز پرس نہ ہوگی؟ (وعظ حقیقت احسان)

احسان کا فقدان

لوگوں نے عبادت کی روح نکال لی ہے مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لیے اور نماز ادا ہوگئی، خصوصاً اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام وقعود کے اور بھی کچھ ہے اور وہ ضروری بھی ہے۔ جس قرآن میں قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ۔ ہے اس میں خٰشِعُوْن بھی آیا ہے جب صَلٰوتِهِمْ کے لفظ

سے نماز کو مطلوب شرعی سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خَاشِعُوْن سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے۔

اسی طرح اور مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ خشوع بھی ایسا ہی ہے جیسا قیام رکوع وغیرہ، اس غلطی کو رفع کرنا نہایت ضروری ہے کہ ایک کو تو ضروری سمجھیں اور دوسرے کو نہ سمجھیں، حالانکہ دونوں حکم یکساں ضروری ہیں، یہ خشوع ہی ہے جس سے عبادت اچھی ہوتی ہے احسان اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

جس طرح کنز، ہدایہ ضروری ہیں اسی طرح (اصلاح نفس پر لکھی ہوئی کتابیں یعنی کتب تصوف مثلاً) ابوطالب مکی کی قوۃ القلوب اور غزالیؒ کی اربعین اور شیخ شہاب الدین سہروردی کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔

کیسی ناانصافی کی بات ہے کہ جب دس برس علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کیئے تو دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو۔

اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہو، اس کے اخلاق و عادات عبادات کو دیکھو کہ غصہ کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے، خوشامد کا اس پر کہاں تک اثر پڑتا ہے۔ (حقیقت احسان ص:۱۳ تا ۱۷)

باطنی بداخلاقی اور حبِّ مال وحُبِّ جاہ کا مرض

علماء نے محض کتابی علم کو کافی سمجھ رکھا ہے، یہ علم حاصل کر کے عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے، حالانکہ علم سے مقصود عمل ہی ہے، ان کی حالت یہ ہے کہ نہ ان کے اخلاق باطنہ درست ہیں نہ اس کی فکر ہے، جن میں دو خُلق (عادتیں) مجھے سخت ناگوار ہیں، اور میں کیا ہوں اللہ تعالیٰ کو ان سے سخت نفرت ہے، ایک طمع یعنی حبِّ مال، دوسرا حبِّ جاہ، علماء کو ان ہی دو باتوں نے زیادہ تباہ کیا ہے، مدرسین کی یہ حالت ہے کہ تنخواہ پر

جھک جھک کرتے ہیں، اسی لیے کسی مدرسہ کے مہتمم کو اپنے کسی مدرّس پر اعتماد نہیں ہوتا کہ یہ رہے گا یا نہیں کیونکہ کسی دوسری جگہ سے پانچ روپیہ زائد پر بھی دعوت آ گئی تو مدرس صاحب فوراً اس مدرسہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیں گے، اگر چہ وہاں دین کی خدمت زیادہ نہ ہو اور پہلی جگہ دین کی خدمت زیادہ ہو رہی ہو، اور گذر بھی ہو رہا ہو۔ یہ صریح دین فروشی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو محض تنخواہ مقصود ہے دین کی خدمت مقصود نہیں۔

البتہ اگر پہلی جگہ میں گذر نہ ہوتا ہو، ضروریات میں تنگی پیش آتی ہو تو دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وہ تنگی واقعی ضروریات میں ہو کیونکہ فضول ضرورتوں میں تنگی ہونا معتبر نہیں، وہ دراصل ضرورت ہی نہیں۔

دوسرا مرض ان میں حبِّ جاہ کا ہے جس کی وجہ سے علماء کے اندر پارٹی بندی ہوگئی ہے ہر شخص اپنی ایک جدا جماعت بنانے کی فکر میں ہے۔

(وعظ الفاظ القرآن ص:٦٨)

اپنی اولاد کو علم دین نہ پڑھانا

فرمایا افسوس ہے کہ آج کل بعض حضرات دیندار اور اہل علم کہلاتے ہیں مگر اپنی اولاد کو دنیا کی تعلیم کی طرف بھیجتے ہیں، مجھ کو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگ غالباً اس پر پچھتاتے ہوں گے کہ ہم عالم کیوں ہوگئے، ہم نے انگریزی کیوں نہ پڑھ لی؟ سو یہ حالت کس قدر خطرناک ہے، اس سے ان کے قلب میں علم دین کی کھلی بے وقعتی معلوم ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان لوگوں کی حالت پر رحم فرمائے، اور ان کو ہدایت فرمائے۔ (الافاضات الیومیہ ۱۲۴/۴)

دین کی راہ میں اپنا مال خرچ نہ کرنا

فرمایا جس کو خدا نے مال دیا ہو وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کر کے خدا تعالیٰ کو راضی کرے، اس میں واعظین اور علماء بھی داخل ہیں، ان کو بھی خرچ کرنا چاہئے، اگر زیادہ نہیں کر سکتے تو کچھ تو کریں۔ علماء کا اکثر طبقہ اس میں بہت کوتاہی کرتا ہے، سارا امر بالمعروف ان کو اپنی بچت کے واسطے ہی سوجھتا ہے خود خرچ کرنا کم جانتے ہیں۔

آپ کو چاہئے کہ اپنے بھائی کی روٹی بچوائیں اور اپنے پاس سے خرچ کریں اور جب کسی کام کے لیے چندہ کی تحریک کریں تو سب سے پہلے خود بھی چندہ دیا کریں، یہ صورت اچھی نہیں کہ دوسروں کو ترغیب دی جائے اور اپنے گھر سے کچھ نہ نکالا جائے، اس صورت میں اثر بھی نہیں ہوتا اور لوگ متوحش ہوتے ہیں، اگر تم بھی خرچ کیا کرو تو لوگوں کو وحشت نہ ہوگی۔

اب تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چندہ کے سارے وعظ کا حاصل یہ ہے کہ مولوی اپنی بچت کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں سے وصول کرنا چاہتے ہیں۔

اگر علماء یہ کہیں کہ ہمارے پاس کہاں ہے، تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے مدرسہ میں جو مزدور دو آنہ مہینہ دیتا ہے تم اس سے کم نہیں ہو، پھر کیا وجہ ہے تم دو آنہ بھی نہ دو۔ (وعظ مطاہر الاموال)

اہل علم کی بری عادت، کسی کی کتاب لے کر نہ دینا

اہل علم کی یہ حالت ہے کہ کسی کی کتاب لے لی تو اس کے واپس دینے کا نام جانتے ہی نہیں، کتاب دینے والا کثیر المشاغل ہے تو اس کو یاد بھی نہیں رہتا کہ مجھ سے کتاب کس نے مانگی تھی، بس مہینہ بھر کے بعد وہ سمجھ لیتا ہے کہ کتاب چوری ہوگئی، اور

لینے والا بے فکر ہو گیا کہ وہ تو مانگتا ہی نہیں، اب گویا وہ ان کی ملک ہو گئی۔

(التبلیغ ۲۰/۲۱۸، ترجیح الآخرۃ)

اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرنا

فرمایا اہل علم میں یہ خطا عام ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے، بلکہ تاویلات وتوجیہات کرنے لگتے ہیں، اور یہ مرض طالب علمی ہی کے وقت سے ان میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ کتب درسیات میں بعض مصنفین سے جو غلطی ہوگئی ہے شرّاح اور محشّین ان کی تاویلات وتوجیہات کرتے ہیں تاکہ مصنف سے اہل علم کو بدگمانی نہ ہو اس سے طلبہ کو تاویل وتوجیہ کی عادت پڑ جاتی ہے، حالانکہ محشّی اور شارح کی تاویل توجیہ کا منشاء تواضع ہے کہ وہ باوجود دوسرے کی غلطی معلوم ہو جانے کے اس کے کلام کو اچھے محمل پر محمول کرتے ہیں۔ اور اپنے مواخذہ کو ضعیف کر دیتے ہیں۔ مگر طلبہ نے اس سے الٹا سبق سیکھا کہ اپنی خطاؤں میں خود ہی تاویل کرنے لگے جس کا منشاء (اور سبب) محض کبر ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔

(مطاہر الاموال ص:۳۴)

بحث ومباحثہ

منجملہ گناہوں کے ایک بحث مباحثہ بھی ہے یعنی اپنی بات غالب کرنے کی کوشش کرنا گو وہ حق بھی نہ ہو، یہ مرض آج کل اہل علم میں بہت ہے، ایک دفعہ زبان سے کوئی بات نکل جائے تو پھر اس کی پچ ہو جاتی ہے، اور مناظرہ ومباحثہ کی نوبت آجاتی ہے۔

(مطاہر الاموال ص:۲۴)

فصل

بدنگاہی کا مرض

آنکھوں کے بہت سے گناہ ہیں لیکن یہاں ایک خاص گناہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے؟ بدنگاہی، لیکن اس گناہ کو لوگ گناہ سمجھتے ہی نہیں۔

بعض لوگ نظر بد میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی غیر محرموں کی طرف بے باکانہ دیکھتے ہیں اور اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتے بلکہ یہ ایسا مرض ہے کہ اس سے بہت کم لوگ پاک ہیں، کیونکہ اکثر اُن گناہوں سے لوگ بچتے ہیں جن کے ارتکاب میں فوتِ جاہ یا رسوائی کا خیال ہو اور اس گناہ میں جاہ (عزت) فوت نہیں ہوتی، اس لیے کہ اول تو دوسرے کو نظر کی خبر ہی کیوں کر ہوسکتی ہے، دوسرے اگر نظر کی اطلاع بھی ہوجائے تو نیت کی کیا خبر، بعض لوگ اس سے بھی بچتے ہیں کیونکہ سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس کے وقوع (اور علم) سے کسی کو بدگمانی پیدا ہوجائے اس لیے اس سے بھی بچتے ہیں، لیکن ان کے قلب میں یہ مرض شہوت کا ہوتا ہے، اور لطف یہ کہ باوجود اس قلبی مرض کے یہ شخص اپنے کو متقی سمجھتا ہے، حالانکہ خیالات اس کے نہایت گندے ہوتے ہیں، اور اکثر وہ حدیث نفس (یعنی نفس سے باتیں کر کے مزہ لینے) میں مبتلا ہوتا ہے، بعض اوقات عزم بھی ہوجاتا ہے، یعنی اگر اس کو موقع مل جائے تو یہ ہرگز نہ بچے، جب اس کی عادت ہوجاتی ہے تو اس کا چھوٹنا نہایت دشوار ہوجاتا ہے۔ (دعوات عبدیت ۵/۷۷)

بدنگاہی سے بہت کم لوگ بچے ہیں

ہم کو اپنی حالت دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اندر اس معصیت سے بچنے کا کتنا

اہتمام ہے، میں دیکھتا ہوں شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہوا ہو، ورنہ ابتلائے عام ہے اور اس کو نہایت درجہ خفیف (معمولی) سمجھتے ہیں۔

جو جوان ہیں ان کو تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جن کی قوتِ شہویہ ضعیف ہوگئی ہے ان کو احساس بھی نہیں ہوتا، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تو شہوت ہی نہیں اس لیے کچھ حرج نہیں ہے، سو ان کو مرض کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ (دعوات عبدیت ۲۱/۳، ۵-۷۷)

یہ مرض تاک جھانک کا اکثر پرہیز گاروں میں بھی ہے، ان کو دھوکہ اس سے ہو جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات اپنی طبائع میں اکثر شہوت کی خلش نہیں پاتے، اس سے سمجھتے ہیں کہ ہماری نظر شہوانی نہیں، لیکن بہت جلد ظاہر ہو جاتی ہے اس لیے ابتداء ہی سے احتیاط واجب ہے۔ (دعوات عبدیت وعظ الاتغاظ بالغیر ۱۱۹/۹)

ایک کوتاہی طلبہ میں یہ ہے کہ امارد (یعنی حسین لڑکوں) کی طرف نظر کرنے اور ان کے ساتھ اختلاط کرنے سے نہیں بچتے، حالانکہ یہ تقویٰ کے لیے سم قاتل ہے، آخرت کا مواخذہ تو شدید ہے ہی، اس سے دنیا میں اہل علم کی سخت بدنامی ہوتی ہے، علم دین پڑھنے والوں کی اس باب میں سخت احتیاط کرنا چاہئے۔ (التبلیغ ۱۱۹/۹)

بدنگاہی کا مرض بہت چھپا ہوا ہوتا ہے

افسوس ہے کہ لوگ تو اس (بدنگاہی) کو ایسا خفیف سمجھتے ہیں کہ گویا حلال ہی ہے حالانکہ معصیت کا حلال سمجھنا قریب بہ کفر ہے، کسی عورت کو دیکھ لیا، کسی لڑکے کو گھور لیا، اس کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا، یا کسی پھول کو دیکھ لیا، اور یہ گناہ وہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں، بدکاری سے محفوظ ہیں، کیونکہ اس کے لیے بڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں، اول تو جس سے ایسا فعل کرے وہ بھی راضی ہو، اور روپیہ بھی پاس ہو اور حیا و شرم بھی مانع نہ ہو، غرض اس کے لیے بہت شرائط ہیں،

اس طرح بہت سے موانع ہیں، چنانچہ کہیں یہ امر مانع ہوتا ہے کہ اگر کسی کو اطلاع ہوگئی تو کیا ہوگا، کسی کو خیال ہوتا ہے کہ کوئی بیماری نہ لگ جائے، کسی کے پاس روپیہ نہیں ہوتا، کسی کو اس کی وضع مانع ہے، چونکہ موانع زیادہ ہیں اس لیے شائستہ آدمی خصوصاً جو دیندار سمجھے جاتے ہیں اس میں بہت کم مبتلا ہوتے ہیں، بخلاف آنکھوں کے گناہ کے کہ اس میں سامان کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ نہ اس میں ضرورت روپیہ کی اور نہ اس میں بدنامی کیوں کہ اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے، کسی کو گھور لیا اور مولوی صاحب مولوی صاحب رہتے ہیں، اور قاری صاحب قاری صاحب رہتے ہیں، نہ اس فعل سے ان کی مولویت میں فرق آتا ہے نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں کوئی دھبہ لگتا ہے، اور (دوسرے) گناہوں کی خبر تو اوروں کو بھی ہو جاتی ہے مگر اس کی اطلاع کسی کو نہیں ہوتی، معصیت کرتے ہیں اور نیک نام رہتے ہیں، لڑکوں کو گھورتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو بچوں سے بڑی محبت ہے، جب آنکھوں کے گناہ میں اطلاع نہیں ہوتی تو دل کے گناہ پر کیسے ہو سکتی ہے۔

اور جن کو اطلاع ہوتی بھی ہے وہ حضرات ایسے متحمل ہوتے ہیں کہ کسی کو خبر نہیں کرتے، حضرت عثمان کی خدمت میں ایک شخص آیا اور وہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ کر آیا تھا تو حضرت عثمانؓ خطاب خاص سے تو اس سے کچھ نہ فرمایا لیکن یہ فرمایا **مَابَالُ قَوْمٍ یَتَرَشَّحُ الزِّنَا مِنْ اَعْیُنِھِمْ** یعنی لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے، یہ عنوان ایسا ہے کہ اس میں رسوائی کچھ نہیں لیکن جو کرنے والا ہے وہ سمجھ جائے گا۔ (دعوات عبدیت ۵۱/۵)

غرض چونکہ وہ لوگ (جن کو علم ہو جاتا ہے) کسی کو فضیحت (رسوا) نہیں کرتے اور جو فضیحت کرنے والے ہیں ان کو اطلاع نہیں ہوتی، اس لیے یہ گناہ بدنگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اس لیے بے دھڑک اس کو کرتے ہیں۔

دیگر معاصی مثلاً سرقہ (چوری) زنا وغیرہ میں تو ضرورت اس کی بھی ہے کہ قوت وطاقت ہو اس میں اس کی ضرورت نہیں اس لیے بوڑھے بھی اس میں مبتلا ہیں، مجھ سے ایک بوڑھے آدمی ملے اور وہ بہت متقی تھے، انہوں نے اپنی حالت بیان کی کہ میں لڑکوں کو بری نظر سے دیکھنے میں مبتلا ہوں اور ایک اور بوڑھے تھے وہ عورتوں کو گھورنے میں مبتلا تھے۔ (دعوات عبدیت ۷۴/۵)

بدنگاہی بھی بدکاری اور بدترین معصیت ہے

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے اَنَا غَیُوْرٌ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ وَمِنْ غَیْرَتِہٖ حَرَّمَ اللّٰہُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ۔ (ترجمہ) میں بہت غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ غیرت مند ہے، اور اسی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے شرمی کی باتوں کو حرام قرار دے دیا، چاہے اس کی برائی کھلی ہو یا اندرونی ہو۔

اور یہ سب فواحش ہیں آنکھ سے دیکھنا، ہاتھ سے پکڑنا، پاؤں سے چلنا، کیونکہ ان سب کو شارع نے زنا ٹھہرایا ہے چنانچہ ارشاد ہے العینان تزنیان الخ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا کرنا دیکھنا ہے، کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے۔ (دعوات عبدیت ۸۵/۵)

اس وقت لوگوں میں یہ مرض شدت سے پھیل رہا ہے کوئی تو خاص اصلی ہی گناہ میں مبتلا ہے اور کوئی اس کے مقدمات میں، یعنی اجنبی لڑکے یا اجنبی عورت پر نظر کرنا، حدیث میں ہے اللسان یزنی وزناہ النطق والقلب یتمنی ویشتھی۔ اس میں ہاتھ لگانا، بری نگاہ سے دیکھنا سب داخل ہو گئے یہاں تک کہ جی

خوش کرنے کے لیے کسی حسین لڑکے یا لڑکی سے باتیں کرنا یہ بھی زنا ولواطت میں داخل ہے، اور قلب کا زنا سوچنا ہے، جس سے لذت حاصل ہو، تو جیسے زنا میں تفصیل ہے ایسے ہی لواطت میں بھی۔ اور یہ نہایت ہی افسوس اور رنج کی بات ہے، باوجودیکہ عورت کی طرف طبعاً میلان ہوتا ہے مگر لوگ پھر بھی لڑکوں کی طرف مائل ہیں اور وجہ اس کی زیادہ تر یہی ہے کہ عورت سے ملنے میں بدنامی ہوجاتی ہے، دوسرے عورت ملتی بھی مشکل سے ہے، اور لڑکے سے ملنے میں زیادہ بدنامی کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا اور ملتے بھی ہیں آسانی سے۔ بالخصوص دیکھنا اور تصور کرنا تو اس لیے بھی سہل ہے کہ اس کی کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور یہ سب بدکاری ہے۔

(دعوات عبدیت ۱۱۹/۹)

اس تعلق بد کا انجام

اس فعل کی خباثت عقلاً ونقلاً ہر طرح ثابت ہے اور طبیعتِ سلیمہ اس سے خود ہی انکار کرتی ہے، اس فعل پر سوائے بدطینت آدمی کے اور کوئی سبقت نہیں کرسکتا۔

ایک کھلا ہوا فرق شہوت بالنساء اور شہوت بالرجال میں یہ ہے کہ عورت سے قضاءِ شہوت کرنے کے بعد آپس میں محبت بڑھتی ہے اور مرد کی عزت عورت کی نظر میں بڑھ جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ یہ مرد ہے نامرد نہیں اور لڑکوں سے قضاءِ شہوت کر کے ایک دوسرے کی نظر میں اسی وقت ذلیل وخوار ہوجاتا ہے پھر بہت جلد مفعول کے دل میں عداوت ایسی قائم ہوجاتی ہے کہ ایک دوسرے کی صورت سے بیزار ہوجاتا ہے۔ (حسن العزیز ۸۹/۲)

امارد (حسین لڑکوں) سے تعلق بہت خبیث النفس کو ہوتا ہے اور اسکا نام لوگوں نے محبت رکھا ہے، یہ محبت ہرگز پاک نہیں، ایسے ناپاکوں کا مرجانا ہی بہتر ہے۔

ایسے موقعوں پر دیکھا گیا ہے جہاں دونوں طرف سے فریفتگی تھی اور تعشق کیا جاتا ہے، مقصد حاصل ہونے کے بعد دونوں میں عداوت ہوگئی اس تعلق میں یہی خاصیت ہے۔

بدنگاہی و بدنظری

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو شہوت بالرجال سے پاک صاف ہیں مگر ان میں بھی نظر کے مرض میں اکثر مبتلا ہیں، حالانکہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے پس امردوں کو بھی بنظرِ شہوت دیکھنا بھی حرام ہے اس میں بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں، حالانکہ نظر (بدنگاہی) مقدمہ ہے فعل کا اور **مقدمة الحرام حرام**، قاعدۂ فقہیہ ہے یعنی حرام کے مقدمات بھی حرام ہوتے ہیں (لہٰذا بدنگاہی بھی حرام ہے) اس لیے نگاہ کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ (دین و دنیا ص: ۲۷۲)

بدنگاہی کا وبال اور اس کا عذاب

اہل کشف نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایسی ظلمت ہوجاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بصیرت ہو وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے۔

اگر دو شخص ایسے لیے جائیں کہ عمر میں حسن و جمال میں اور ہر امر میں وہ برابر ہوں فرق ان میں صرف اس قدر ہو کہ ایک فاجر ہو دوسرا متقی ہو، جب چاہے دیکھ لو فاجر کی آنکھ میں ایک قسم کی ظلمت اور بے رونقی ہوگی، لیکن اہل کشف خصوصیت سے کسی کو کہتے نہیں بلکہ عیب پوشی کرتے ہیں۔ (دعوات عبدیت ۵/۷۸)

میں نے خواب میں ایک مرتبہ دجّال کو دیکھا کہ اس کے ساتھ عورتیں اور باجے بہت کثرت سے ہیں اسی واسطے میں اس سے بہت خوف کرتا ہوں۔ جو لوگ حسن پرست ہیں اور (ان میں) بدنظری کا مادہ ہے وہ دجال کے ساتھ ہوں گے۔

(مزید المجید ص:۶۸)

یہ بہت پرانا مرض ہے اور سب سے اول لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ مرض پیدا ہوا تھا، اور شیطان نے ان لوگوں کی راہ ماری۔

افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ نے فراغت اس لیے دی تھی کہ دین کا کام کریں گے مگر زیادہ تر ایسے ہی لوگ محروم رہے۔ (دعوات عبدیت ۱۲۴/۹)

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتے ہیں اس کو لڑکوں کی محبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہ نہایت مضرت کی چیز ہے۔

حضرت ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں **النظرة سهم من سهام ابليس** ۔ یعنی نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ (دعوات عبدیت ۷۸/۵)

بعض اکابر کا قول

بعض اکابر کا قول ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ اپنے دربار سے نکالنا چاہتے ہیں اس کو امارد (یعنی حسین لڑکوں) کی محبت میں مبتلا کر دیتے ہیں محبت گو فعل اختیاری نہیں مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں، یعنی ان کو دیکھنا، ان سے اختلاط کرنا وغیرہ، پس مطلب یہ ہوا کہ جس کو حق تعالیٰ اپنے دربار سے مطرود (یعنی مردود و راندۂ درگاہ) کرنا چاہتے ہیں اسی کو نظر الی الامارد و اختلاط بالامارد (یعنی لڑکوں سے بدنگاہی اور خلط ملط) میں مبتلا کر دیتے ہیں، اور یہ فعل اختیار یہ ہیں جس کا انجام طرد عن الحق (اللہ کی طرف سے دھتکار) ہے (اعاذنا اللہ)۔ (دین و دنیا ص:۲۷۲)

بدنگاہی کی وجہ سے سلب ایمان کا خطرہ

ایک روایت ہے کہ **النظرة سهم من سهام ابليس** ۔ یعنی نظر ایک تیر ہے شیطانوں کے تیروں میں سے نظر کرنے سے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھتی ہے

اور نظر کو روکنے میں وہ آگ گھٹتی ہے جس سے تکلیف ضرور ہوتی ہے، لیکن وہ آگ وہیں (دب کر) رہ جاتی ہے جہاں تھی بھڑکتی نہیں، گھٹ کر بجھ جاتی ہے اور نظر کرنے سے موت تک کی نوبت آجاتی ہے کیونکہ جب مقصد حاصل نہیں تو پھر تقاضا پیدا ہوگا تکرار نگاہ کا اور پھر بھی مقصود حاصل نہیں ہوتا تو پھر تقاضا پیدا ہوتا ہے غرض یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا تو نگاہ کر لینے کا نقصان تو ختم نہیں ہوتا اور نگاہ کو روک لینے کی تکلیف ذرا دیر میں ختم ہو جاتی ہے۔

تجربہ کر کے دیکھ لیجئے دو چار دفعہ نظر کو روکئے اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ جو تکلیف نظر کرنے سے ہوتی تھی وہ اس میں ہرگز نہیں ہوگی، جو تکلیف نظر کرنے میں ہوتی ہے وہ نظر کو روکنے کی تکلیف سے زیادہ ہوتی ہے۔ (مفاسد گناہ ص:۱۷۲)

کانپور میں ایک بزرگ تھے وہ بیان کرتے تھے کہ میں جوانی میں لکھنؤ میں ایک مرتبہ ناچ میں چلا گیا وہاں ایک بازاری عورت پر نظر پڑی بس دل ہاتھ سے نکل گیا اور اس قدر فریفتگی کا غلبہ ہوا کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لئے۔

(التہذیب ملحقہ برکات رمضان ص:۳۶)

عبرتناک واقعہ

ابن القیم نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک عاشق جو اپنے محبوب کے ملنے سے مایوس ہو کر مرنے لگا تھا کسی نے محبوب سے جا کر کہا کہ وہ مر رہا ہے رحم کرو اس وقت پہنچ جاؤ گے تو اس کی جان بچ جائے گی، کچھ اس کی سمجھ میں آ گئی اور اٹھ کر اس کی طرف چل دیا، کسی نے عاشق کو خبر دی کہ تیرا محبوب آ رہا ہے، یہ سن کر اس میں جان آ گئی اور اٹھ کر بیٹھ گیا، مگر آتے آتے محبوب کو کچھ غیرت آئی اور یہ کہہ کر لوٹ گیا کہ کون بدنام ہو، کسی نے یہ بھی جا کر (اس عاشق سے) کہا یہ خبر سنتے ہی وہ عاشق

گر گیا اور نزاع میں مبتلا ہو گیا۔ اس سے کہا گیا کہ کلمہ پڑھ لے تو وہ بجائے کلمہ کے کفر کا کلمہ کہتا ہے۔

رضاک اشھی الی فوادی من رحمۃ الخالق الجلیل

(یعنی اے میرے محبوب خالق کے مقابلہ میں تیری رضا کی مجھے زیادہ خواہش ہے) اور اسی حالت میں جان نکل گئی، دیکھئے کس قدر عبرت ناک واقعہ ہے۔ اس کی اگر اصل تلاش کریں گے تو کہیں پہنچ کر نگاہ ہی پر ختم ہو گی، جان بھی گئی اور ایمان بھی گیا، اور یہ سب خرابی نگاہ کی ہوئی، اب دیکھ لیجئے کہ نگاہ کرنے میں زیادہ تکلیف ہوئی یا نگاہ روکنے میں، کہیں نہ سنا ہوگا کہ کوئی تکلیف سے مر گیا ہو، تکلیف اس میں ضرور ہے مگر وہ تکلیف آسان ہے، لوگ کہتے ہیں کہ نگاہ پر قابو نہیں، نظر بد سے رکا نہیں جاتا یہ غلط ہے، نظر یقیناً فعل اختیاری ہے۔ (مفاسد گناہ ص:۱۷۲)

دردناک واقعہ

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور ایک چشم (یعنی کانے) تھے اور کہتے جاتے تھے **اللھم انی اعوذبک من غضبک**۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے غضب کی پناہ چاہتا ہوں کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے؟ کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا، غیب سے چپت لگا اور آنکھ پھوٹ گئی اس لیے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہ ہو جائے۔ (دعوات عبدیت ۹۱/۵)

حضرت جنیدؒ چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی کا سامنے سے آ رہا تھا ایک مرید نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالیں گے؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو نے اس کو نظر استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص قرآن بھول گیا۔

(دعوات عبدیت ۷۷/۵)

بدنگاہی و بے پردگی طاعون کا سبب ہے

طاعون کا ایک دوسرا سبب بھی ہے اگر چہ بعض باتیں ظاہر کرنے کی نہیں ہوتیں مگراس لیے ظاہر کر دیتا ہوں کہ شاید اس کو سن کر لوگ اپنی حالت درست کرلیں، تین چار سال ہوئے جب تھانہ بھون اوراس کے گردونواح میں طاعون ہوا تھا، قبل طاعون کے ایک روز میں اخیر شب میں بیٹھا ہوا تھا کہ قلب پر یہ آیت وارد ہوئی ''اِنَّا مُنزِلُونَ عَلٰی اَھلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ رِجزًا مِنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوا یَفْسُقُوْن '' میں نے اس کو وعظ میں بیان کیا مگر لوگوں نے توجہ نہ کی اور طاعون پھیلا غرض ایک سبب وہ نکلا جو قوم لوط میں تھا، اس وقت لوگوں میں یہ مرض شدت سے پھیل رہا ہے۔
(دعوات عبدیت ۹۱/۵)

نگاہ حق ونگاہ بد کا معیار

بعضوں کو دھوکہ ہوتا ہے شیطان بہکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول یا اچھے کپڑے یا اچھے مکان وغیرہ کو دیکھنے کا دل چاہتا ہے ایسی ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی دل چاہتا ہے یہ بالکل دھوکہ ہے۔

یادرکھو رغبت کے مختلف انواع ہیں جیسی رغبت پھول کی طرف ہے ویسی انسان کی طرف نہیں، اچھے کپڑے کو دیکھ کر کبھی جی نہیں چاہتا کہ اس کو گلے لگالوں۔ چمٹالوں، انسان کی طرف ایسی ہی رغبت ہوتی ہے۔

ایک دھوکہ اور ہوتا ہے وہ یہ کہ بعضے یہ کہتے ہیں کہ جیسے اپنے بیٹے کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ گلے لگالوں اسی طرح دوسرے کے بچے کو دیکھ کر بھی ہمارا یہی جی چاہتا ہے۔

صاحبو! کھلی ہوئی بات ہے اپنے سیانے بچے اور دوسرے کے سیانے لڑکے میں بڑا فرق ہے، اپنے لڑکے کو گلے لگانا چمٹانا اور طرح کا ہے اس میں شہوت کی آمیزش ہرگز نہیں۔ اور دوسرے کے لڑکے کی طرف اور قسم کا میلان ہے کہ اس میں گلے لگانے سے بھی آگے بڑھنے کو بعض کا جی چاہتا ہے، محبوب کی جدائی میں اور طرح کا رنج ہوتا ہے اور لڑکے کی جدائی میں اور قسم کا۔ اور لڑکوں کی رغبت تو اور بھی سم قاتل ہے نصوص میں اس کی حرمت ہے۔ (دعوات عبدیت ۱۱۸/۹)

عفت و پاکدامنی کی ضرورت اور اس کا طریقہ

خوب سمجھ لیجئے کہ عفت نہایت قابل اہتمام چیز ہے اور اس کے لیے ان ذرائع کی ضرورت ہے جو شریعت نے تجویز کی ہیں، اور وہ ذرائع اختیار میں ہیں مثلاً نگاہ کا بچانا کہ یہ قابو سے باہر نہیں ہے گو اس میں کچھ تکلیف ہو مگر وہ تکلیف نگاہ کو آلود کرنے کی تکلیف سے کم ہے۔

غرض نفس کو نگاہ روکنے سے تکلیف تو ہوتی ہے مگر یہ روک لینا اختیار میں ہے، اگر اپنے اختیار سے کام لیا جائے اور اس تھوڑی سی تکلیف کو گوارہ کر لیا جائے تو شیطان اخیر تک نہیں پہنچا سکتا، شیطان کو ہر معصیت میں اختیار صرف بلانے اور ترغیب دینے ہی کا ہے، بڑی چیز وہ تقاضا ہے جو خود آپ کے اندر موجود ہے، یعنی تقاضائے نفس، تو شیطان سے بڑا نفس ہوا، نفس کو روکئے، یہاں تک دو مقدمے ہوئے، ایک یہ کہ معصیت کا اصلی سبب تقاضائے نفسی ہے اور شیطان صرف محرک ہے وہ کوئی فعل جبراً ہم سے نہیں کرا سکتا کہ ہم ارادہ بھی نہ کریں اور کام ہو جائے، اور دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ تقاضائے نفس کے بعد ہمارا ارادہ معصیت کا سبب ہوتا ہے تو جب معصیت نفس کے تقاضے سے ہوتی ہے تو کوئی تدبیر معصیت سے بچنے کی اس

کے سوا نہیں ہوسکتی کہ تقاضائے نفس کو ضبط کیا جائے اور یہ مشکل ہے۔

اس کے لیے سہل تدبیر یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ تقاضائے نفس کیوں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ معاصی میں نفس کو لذت آتی ہے وہ لذت گناہ کرنے والے کے پیش نظر ہوتی ہے اور واقع میں اس گناہ پر ایک عقوبت بھی مرتب ہونے والی ہے، وہ پیش نظر نہیں ہوتی اور وہ خدا کی ناراضی اور عذاب جہنم ہے۔ اس کو دوسرے الفاظ سے اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ گناہ کرنے والے کو ارادۂ گناہ کے وقت صرف ایک مخلوق پیش نظر ہوتی ہے یعنی لذت، اور خدا پیش نظر نہیں ہوتا، اگر خدا بھی پیش نظر ہو جائے تو گناہ کا تقاضا کبھی نہ ہو۔ (مفاسد گناہ ص:۱۷۶)

اور صبر عن الشہوات بہت مشکل ہے کیونکہ شہوت رانی میں قضائے شہوت (شہوت پوری ہوجانے) کے بعد کچھ کوفت نہیں ہوتی، اگر کسی کو روحانی کوفت ہو تو ممکن ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں، عام حالت یہی ہے کہ شہوت رانی کے بعد اس کا مزہ پڑ جاتا ہے پہلے سے زیادہ آگ بھڑک جاتی ہے، گو تھوڑی دیر کے لیے سکون ہو جاتا ہے۔ (دین و دنیا ص:۲۶۷)

شہوت بالا مارد کی ابتداء

یہ ناپاک فعل سب سے پہلے قوم لوط میں رائج ہوا، ان سے پہلے آدمیوں میں اس کا وقوع نہ ہوا تھا، چنانچہ لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا ''اَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِيْنَ''۔

گو حیوانات میں بعض کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان میں پہلے سے اس کا وقوع تھا، کتبِ سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل بد (خبیث) قوم لوط نے خود بھی نہیں ایجاد کیا بلکہ شیطان نے ان کو سکھایا، یہ فعل ایسا خبیث ہے کہ انسان کا نفس باوجود امارۃ

بالسوء ہونے کے اس کی طرف خود منتقل نہیں ہوا بلکہ شیطان خبیث نے اس کی طرف قوم لوط کو متوجہ کیا۔

جس کا قصہ اس طرح کتابوں میں لکھا ہے کہ شیطان خوبصورت لڑکے کی شکل میں ایک شخص کے باغ میں سے انگور توڑ توڑ کر کھایا کرتا تھا، باغ والا اس کو دھمکاتا، مارتا تھا مگر یہ باز نہ آتا تھا، ایک دن اس نے تنگ آ کر اس سے کہا کہ کمبخت تو نے میرے باغ کا پیچھا کیوں لے لیا، سارے درخت برباد کردیئے، تو مجھ سے کچھ روپئے لے لے اور میرے باغ کا پیچھا چھوڑ دے، شیطان نے امرد (حسین لڑکے) کی صورت میں کہا کہ میں اس طرح باز نہ آؤں گا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے درختوں کا ناس نہ کروں تو جو بات میں کہوں اس پر عمل کرو، اس نے کہا وہ کیا بات ہے؟ ابلیس نے اس کو یہ فعل تعلیم دی کہ میرے ساتھ تو یہ فعل کیا کر پھر میں تیرے باغ کو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ پہلی بار تو اس نے جبراً وقہراً اپنے باغ کے بچاؤ کے لیے یہ فعل کیا پھر خود اس کو مزہ پڑ گیا، وہ اس کی خوشامدیں کرنے لگا کہ تو روز آیا کر اور جتنے انگور چاہے کھالیا کر، پھر اس نے دوسرے آدمیوں کو اس کی اطلاع دی اور لوگ بھی یہ فعل کرنے لگے، پھر کیا تھا عام رواج ہوگیا۔ اس کے بعد شیطان تو غائب ہوگیا لوگوں نے لڑکوں کے ساتھ یہ فعل کرنا شروع کردیا، خدا تعالیٰ کو یہ فعل بہت ہی ناگوار ہے، چنانچہ لوط علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کو اس فعل سے روکو ورنہ سخت عذاب آئے گا، انہوں نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے آخر عذاب نازل ہوا، اور سب کے سب تباہ ہوگئے۔ حق تعالیٰ نے قوم لوط پر جو سنگین عذاب نازل کیا ہے وہ سب کو معلوم ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، اسی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ فعل کیسا سنگین ہے کیونکہ کفر تو تمام کفار میں مشترک تھا لیکن عذاب کی نوع کا مختلف ہونا بظاہر خصوصیت افعال ہی کی وجہ تھا۔

(الکمال فی الدین ۲۶۸، ملحقہ دین و دنیا)

شہوت بالامرد کی قباحت وخباثت

شہوت بالرجال شہوت بالنساء سے بھی اشد (یعنی زیادہ سخت) ہے کیونکہ عورتوں میں محارم کے ساتھ ابتلاء کم ہوتا ہے اکثر غیر محارم سے ہوتا ہے، سو وہ کسی نہ کسی وقت تمہارے لیے حلال بھی ہوسکتی ہیں، اگر وہ کنواری ہے تو اسی وقت نکاح کا پیغام دیا جاسکتا ہے اور اگر شوہر والی ہے تو ممکن ہے شوہر مر جائے یا طلاق دے دے تو پھر تم اس سے نکاح کرسکتے ہو، بہرحال اس میں حلت کی توقع ہے، گو کسی وقت ہو اور گو توقع ضعیف ہی ہو، مگر امردوں کا حلال ہونا تو کسی وقت بھی متوقع نہیں۔

بلکہ بعضے گناہ تو ایسے ہیں کہ جو جنت میں جا کر گناہ نہ رہیں گے مثلاً شراب پینا، دنیا میں گناہ ہے لیکن جنت میں شراب ملے گی۔

اور شہوت بالرجال ایسا خبیث فعل ہے کہ جنت میں بھی اس کا وقوع نہ ہوگا پس یہ زنا اور شراب خوری سے بھی بدتر ہے، بلکہ شراب میں تو جو کچھ حرمت ہے سکر (یعنی نشہ) کی وجہ سے ہے، اگر کسی تدبیر سے شراب کا سکر زائل ہوجائے مثلاً سرکہ بن جائے تو بعینہ اس کا پینا حلال ہوجاتا ہے لیکن شہوت بالامرد کی خباثت لذاتہ ہے یہ کسی طرح بھی زائل نہیں ہوسکتی، پس یہ فعل حرمت میں سب سے بڑھا ہوا ہے کہ اس میں کسی طرح بھی حلت کی گنجائش نہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ اس منحوس عمل سے باطنی عذاب بھی نازل ہوتا ہے قلوب مسخ ہوجاتے ہیں اور ظاہری بلائیں بھی نازل ہوتی ہیں، خدا سب مسلمانوں کو اس سے نجات دے۔ (آمین) (الکمال فی الدین ص:۲۷۴)

شہوت بالامارد میں ابتلائے عام

شہوت بالامارد شہوت بالنساء سے بھی اشد ہے آج کل امردوں کے ساتھ ابتلاء عام ہورہا ہے جس کی چند وجود ہیں۔

۱- اول تو عورتوں میں قدرتی حیا کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے ان سے اظہار شہوت کی جرأت ذرا دقت (دشواری) سے ہوتی ہے اور لڑکوں میں حیا کا مادہ کم ہوتا ہے۔

۲- دوسرے عورتوں کی حفاظت بہت کی جاتی ہے ان کے پاس پہنچنا آسان نہیں اور جو کوئی پہنچ بھی جاتا ہے اس کی رسوائی جلد ہی ہوجاتی ہے اور بچوں کی کچھ حفاظت بھی نہیں کی جاتی، ان کا کسی سے پردہ نہیں ہوتا۔

۳- تیسرے اس میں اتہام (یعنی بدنامی اور تہمت کا خطرہ) کم ہوتا ہے بچوں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا جاتا ہے اور شہوت سے بھی۔ اب اگر کسی کے بچہ کو پیار کریں تو سب لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان کو بچوں پر شفقت زیادہ ہے، شہوت کی کسی کو کیا خبر۔

ان وجوہ سے آج کل امارد (حسین وخوبصورت لڑکوں) کے ساتھ ابتلاء بہت زیادہ ہے۔ (دین ودنیا ص:۲۶۸)

عشق یا فسق اور شہوۃ بالقلب

میری سمجھ میں یہ ہرگز نہیں آتا کہ لڑکوں سے کسی کو عشق ہوتا ہو، آج کل لوگوں نے فسق کا نام عشق رکھ لیا ہے اور اگر ہزار میں کسی ایک کو عشق ہو بھی جائے تو اس کو عشق پر تو ملامت نہ کی جائے گی، مگر اس کے بعد جو افعال اس سے صادر ہوتے ہیں ان پر ملامت کی جائے گی، کیونکہ وہ اختیاری افعال اس سے صادر ہوتے ہیں، ان پر ملامت کی جائے گی، کیونکہ وہ اختیاری افعال ہیں، حتی کہ اس کا تصور کرنا اور

تصور سے لذت لینا یہ بھی اختیاری ہے جس کا چھوڑنا واجب ہے۔اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس حالت میں محبوب سے بُعد میں (یعنی دور رہنے میں) نفع کو بہت زیادہ دخل ہے تباعد (یعنی علیحدہ اور دور رہنے) سے اکثر یہ مرض خفیف ہوجاتا ہے اس باب میں سالکین کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً سخت احتیاط کرنا چاہئے۔
(الکمال فی الدین ملحقہ دین ودنیا ص:۲۷۲)

لفظ لواطت کا استعمال درست نہیں

یہ فعل ایسا خبیث ہے کہ جو اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ تو بدنام ہوتا ہی ہے مگر اس سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ جس نبی کی امت نے اس فعل کا ارتکاب کیا ہے آج اس نبی کی طرف لفظاً نسبت کرنا لوگوں میں باعث ننگ ہوگیا، یعنی کوئی شخص اپنے لیے یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کو لوطی کہا جائے، حالانکہ لفظ لوطی میں یاءِ نسبت ہے اور لوط علیہ السلام (پیغمبر کا) نام ہے، تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ محمدی اور موسوی اور عیسوی اور یوسفی۔ اگر لوط علیہ السلام کی قوم نے یہ فعل بد نہ کیا ہوتا تو آج لوطی کا لفظ باعث فخر ہوتا جیسا کہ دیگر انبیاء کی طرف نسبت کرنا باعث فخر ہے۔ مگر اس کم بخت قوم نے اپنے نبی کے نام کو بھی نہ چھوڑا۔

مجھے تو اس فعل کے لیے لفظ لواطت کا استعمال بہت ہی ناگوار ہوتا ہے کیونکہ لواطت کا لفظ لوط علیہ السلام کے نام سے بنایا گیا ہے، تو ایسے گندے کام کا نام نبی کے نام سے مشتق کرنا بہت ہی نازیبا ہے، جس نے یہ لفظ ایجاد کیا بہت ہی ستم کیا، میرے نزدیک یہ لفظ عربیت میں دخیل اور مولّد ہے فصحائے عرب کے کلام میں اس کا استعمال نظر سے نہیں گذرا، عربی میں اس کے لیے اتیان فی الدبر کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ یا اور کوئی بھی لفظ ہو۔ بہر حال لواطت کا لفظ قابل ترک ہے اور میرے نزدیک اغلام کا لفظ بھی مولّد ہے عربی فصیح میں اس کا بھی استعمال نہیں ہے یہ سب بعد کے

گھڑے ہوئے ہیں۔ (الکمال فی الدین ص:۲۷۱)

شہوت کے اقسام

اچھا کھانے اور فضول باتوں کا نشہ

ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شہوت عورتوں اور لڑکوں ہی کے تعلق میں منحصر نہیں بلکہ لذیذ غذاؤں کی فکر میں رہنا بھی شہوت ہے۔

عمدہ لباس کی دھن میں رہنا بھی شہوت ہے ہر وقت باتیں بگھارنے کی عادت ہونا بھی شہوت ہے اور ان سب شہوتوں سے نفس کو روکنا یہ بھی صبر عن الشہوات میں داخل ہے۔

آج کل لوگوں کو باتیں بنانے کا بہت مرض ہے بس جہاں کام سے فارغ ہوئے مجلس آرائی کر کے فضول باتیں کرنے لگے، میں صرف عوام کی شکایت نہیں کرتا بلکہ میں علماء ومشائخ کو بھی مجلس آرائی سے منع کرتا ہوں کیونکہ یہ مرض ان میں بھی بہت ہے۔

عشاء کے بعد کی مجلس

بعض مشائخ کے یہاں عشاء کے بعد بھی مجلس آرائی ہوتی ہے جس سے خواہ مخواہ نیند برباد ہوتی ہے، اگر شیخ کے معمولات میں اس سے فرق بھی نہ آتا ہو تا ہم سب اہل مجلس یکساں نہیں ہوتے ان میں سے بعض صبح کی نماز غائب کر دیتے ہیں، پھر یہ بھی نہ ہو تو بلا ضرورت باتیں بنانا ظلمت قلب کا سبب ہے، یہی بڑا کافی نقصان ہے، اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ شہوت میں شہوت رجال ونساء وشہوت لباس وشہوت طعام وشہوت کلام بھی داخل ہے اور شہوت وغضب کا روکنا بھی صبر ہے۔

صبر عن الشہوات گو فی نفسہ دشوار ہے مگر جب آدمی اس کا ارادہ کرتا ہے تو

آسانی شروع ہوجاتی ہے حتی کہ پھر کبھی دشواری نہیں رہتی۔(دین ودنیا ص:۲۸۱)

بدنگاہی کا مرض کیسے پیدا ہوجاتا ہے

یہ مرض اول جوانی میں پیدا ہوتا ہے بلکہ سب گناہوں کی یہی شان ہے کہ اول جوانی میں تقاضا کی وجہ سے کیا جاتا ہے پھر وہ مرض اور روگ لگ جاتا ہے جیسے حقہ کہ اوّل کسی مرض کی وجہ سے پینا شروع کیا تھا مگر پھر یہ مرض لگ جاتا ہے اور شغل ہوجاتا ہے۔

لیکن جوان اور بوڑھے میں فرق یہ ہے کہ جوان آدمی تو معالجہ کے لیے کسی سے کہہ بھی دیتا ہے اور بوڑھا آدمی شرم کی وجہ سے کسی سے کہتا بھی نہیں، اس کے مخفی رہنے کی وجہ سے اس میں کثرت سے ابتلا ہے۔(دعوات عبدیت ۷۵/۵)

بدنگاہی سے بچنے کی تدبیر

شیطان اول تو اچھی نیت سے دکھلاتا ہے چندروز کے بعد جب محبت جاگزیں ہوتی ہے تو پھر نگاہ کو ناپاک کردیتا ہے تو ضروری امر یہ ہے کہ علاقہ (یعنی تعلق) ہی نہ کرو اور علاقہ ہوتا ہے نظر سے لہٰذا نظر ہی نہ کرو۔ غالباً حدیث میں ہے یا کسی بزرگ کا قول ہے: **اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْس**۔(کہ نظر کرنا ابلیس کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار ہے)۔

یہ نظر ایسی چیز ہے کہ اس کا اثر پیدا ہونے کے بعد بھی مدت تک یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ہم کو تعلق ہوگیا، بلکہ جب کبھی محبوب جدا ہوتا ہے اس وقت قلب میں ایک سوزش سی پیدا ہوتی ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ تعلق ہوگیا، اور جس قدر یہ سوزش بڑھتی ہے خدا کی محبت کم ہوتی جاتی ہے اور اس سے خدا تعالیٰ کو بہت غیرت

آتی ہے۔(دعوات عبدیت الاتغاظ ۱۲۲/۹)

بدنگاہی چھوڑنے کا آسان علاج

جب اس لغو کام کی عادت پڑ جاتی ہے تو کم ہمتوں سے بڑی مشکل سے چھوٹتا ہے، ہاں اگر ہمت کی جائے اور پختہ قصد کرے تو چھوٹ بھی جاتا ہے کیونکہ بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ایک حد تک مجبوری بھی ہوسکتی ہے جیسے غریب آدمی کا رشوت لینا کہ اگر نہ لے تو بظاہر اس کے کام اٹکتے ہیں، اور اس میں تو کوئی ایسی مجبوری بھی نہیں کہ کوئی کام اس پر اٹکا ہوا ہو، بس اس میں تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ تھوڑی سی تکلیف نفس کو ہوگی۔ اس کا چھوڑ دینا ہمت والے کے لیے بہت آسان ہے، ہمت والوں نے خدا کی راہ میں جانیں تک دے دی ہیں، بہت سے ایسے باہمتوں کے واقعے سنے ہیں کہ انہوں نے تمام عمر کی افیون کی عادت چھوڑ دی۔(دعوات عبدیت ۱۲/۹)

بدنگاہی میں مبتلا شخص کا آسان علاج

فرمایا: اگر کسی حسین صورت کو دیکھ کر برا خیال دل میں آنے لگے تو فوراً اس مجمع میں جو سب سے زیادہ بدصورت شخص ہو اس کو بہت غور سے دیکھنے لگے، اور اگر اس جگہ کوئی بدشکل نہ ہو تو پچھلے دیکھے ہوئے کسی بدشکل شخص کو ذہن میں لاوے، ورنہ متخیّلہ سے (یعنی خیال سے) کوئی نہایت بھونڈی صورت تراش کر اس کا مراقبہ کرنے لگے، آخر قوت خیال پھر اور کس وقت کام دے گی۔

کسی ایسے موٹے بھدّے آدمی کا تصور کرے کہ جس کا پیٹ نکلا ہوا ہو، ہونٹ موٹے موٹے ہوں، ناک پچکی ہوئی ہو، رینٹھ (ناک) بہہ رہی ہو، مکھیاں بھنک رہی ہوں، غرض جہاں تک متخیلہ کام کر سکے نہایت بدشکل کی تصویر اختراع

کر کے تصور میں لائے ایسا کرنے سے انشاءاللہ فوراً وہ بدخیال جاتا رہے گا۔

ایک صاحب کو (بدنگاہی کے علاج کے لیے) تحریر فرمایا کہ یہ تصور کرو کہ اس حسین کا مرکر کیا حال ہوگا، بدن گل سڑ جائے گا، پیٹ پھٹ جائے گا، کیڑے پڑ جائیں گے، غرض عجب ہیئت ہو جائے گی، اس وقت اگر کوئی اس عاشق سے کہے کہ اس کو گود میں لے کر پیار کرو تو ہاں سے ہزار نفرتیں کر کے لاحول پڑھ کر بھاگ آئے۔

(حسن العزیز ۱/۲۸)

امام ابوحنیفہؒ کا تقویٰ اور امردوں سے احتیاط

امام ابوحنیفہؒ سے تو بڑھ کر آج کل کوئی مقدس نہیں ہوگا مگر دیکھئے کہ امام محمدؒ کو امام صاحبؒ نے اول دفعہ تو دیکھا لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کے ڈاڑھی نہیں آئی تو یہ حکم کر دیا کہ جب تک ڈاڑھی نہ نکل آئے پشت کی طرف بیٹھا کرو، دونوں طرف متقی مگر احتیاط اتنی بڑی، مدت دراز کے بعد ایک مرتبہ اتفاقاً امام صاحب کی نظر پڑ گئی تو تعجب سے پوچھا کہ کیا تمہارے ڈاڑھی نکل آئی ہے؟

تو جب امام ابوحنیفہؒ نے اس قدر احتیاط کی ہے تو آج کون ہے کہ وہ اپنے اوپر اطمینان کرے۔ (دعوات عبدیت ۹/۱۱۸)

حضرت تھانویؒ کی احتیاط

فرمایا میں نے اپنے لوگوں کو ممانعت کر دی تھی کہ تصنیف کے کمرہ میں جہاں میں تنہا ہوں کسی نوعمر لڑکے کو نہ بھیجا کریں، مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں، اس کا اثر یہ ہوا کہ خانقاہ کے سب لوگ لڑکوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص:۶۲)

عشق مجازی سخت ابتلاء کی چیز ہے اس سے بچنا چاہئے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ

اس معاملہ میں خود مجھ کو اپنا اعتبار نہیں، اور میں خود کوئی چیز نہیں لیکن جو شخص مجھ کو بڑا سمجھتا ہو اور مجھ سے عقیدت رکھتا ہو اس کے لیے یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ جس کو ہم بڑا سمجھتے ہیں، جب اس کی یہ حالت ہے تو ہمیں تو بہت ہی احتیاط رکھنا چاہئے۔

(حسن العزیز ص:۲۸)

امردوں سے قرآن پاک یا نعت سننا

اجنبی عورت یا امرد مشتہی سے گانا سننا یہ بھی ایک قسم کی بدکاری ہے حتی کہ اگر کسی لڑکے کی آواز سننے میں نفس کی شرکت ہو تو اس سے قرآن سننا بھی جائز نہیں۔

اکثر لوگ لڑکوں کو نعت، غزلیں یاد کرا دیتے ہیں یہ بھی جائز نہیں ہے، فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر بے ریش لڑکا مرغوب طبع ہو تو اس کی امامت بھی مکروہ ہے تو جب امام بنا کر کھڑا کرنا جائز نہیں حالانکہ اللہ کا قرآن ہی پڑھے گا مگر فقہاء نے بلاضرورت اس کی بھی اجازت نہیں دی۔

اکثر واعظین عورتوں کے مجمع میں خوش الحانی سے اشعار پڑھتے ہیں یہ بالکل ہی مصلحتِ دین کے خلاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں ایک غلام کو عورتوں کے سامنے اشعار پڑھنے سے روک دیا اور فرمایا تھا کہ **رویدک یا انجشہ لاتکسر القواریر** (بخاری شریف) تو جب اُس زمانہ میں کہ سب پر تقویٰ غالب تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی تو آج کس کو اجازت ہو سکتی ہے بالخصوص جب کہ خود عورتیں یا لڑکے ہی پڑھنے والے ہوں۔

(دعوات عبدیت ۱۲۶/۹)

فصل

علم کی آفت تکبر ہے

کبر (تکبر) بدترین امراض میں سے ہے اور یہ علماء کے حصہ میں آیا ہے جاہل بیچاروں میں ایسا بڑا مرض پیدا ہی نہیں ہوتا، اہل علم کا جیسا مرتبہ بڑا ہے ایسے ہی ان کا مرض بھی سب سے بڑا ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے "آفَةُ الْعِلْمِ الْخُيَلاءُ" یعنی علم کی آفت تکبر ہے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ آفت جو علم سے پیدا ہوتی ہے اور ایک یہ کہ وہ آفت جو حصول علم سے مانع ہے، کوئی معنی بھی لیے جائیں یہ بات ہر صورت میں صادق ہے کہ تکبر علم کے واسطے مضر ہے چنانچہ جس کے قلب میں تکبر ہے اس کے قلب میں نور علم نہیں ہو سکتا۔

ایسے علماء سے جو اس آفت میں مبتلا ہوں جہلاء ہی اچھے ہیں کیونکہ ان میں اتنا بڑا مرض تو نہیں ہے اور ایسے علم سے جس کے ساتھ تکبر بھی ہو وہ جہل اچھا ہے جس کے ساتھ تکبر نہ ہو، اس کو سن کر لوگ کہیں گے کہ علم کی مذمت کر دی حالانکہ علم تو ہر حال میں اچھی چیز ہے، علم ہی ایک روشنی ہے جس سے بھلے برے میں امتیاز کیا جا سکتا ہے میں کہتا ہوں کہ عینک (چشمہ) اس غرض سے لگایا جاتا ہے کہ آنکھ کی روشنی بڑھے مگر اس سے یہ فائدہ جب ہی تو نکلے گا جب طریقہ کے مطابق استعمال کیا جائے، ورنہ اگر عینک کو کان پر رکھ دیا جائے تو کیا فائدہ۔ یا اس کے شیشہ پر چونہ لپیٹ دیا جائے، یا کالک لگا دی جائے تو کیا کام دے سکتا ہے۔ ایسے چشمہ کے ہونے سے تو نہ ہونا اچھا ہے کیونکہ وہ تو رہی سہی بصارت (قوت بینائی) کو بھی کھوتا ہے اور خواہ مخواہ کا بوجھ رہتا ہے، یہی حالت علم کی ہے کہ اگر اس کو طریقہ سے استعمال کیا جائے یعنی اس سے

اپنے نفس کی اصلاح کا کام لیا جائے تو بہت کام کی چیز ہے اور سر تا پا نور ہی نور ہے۔ اور اگر اس سے یہ کام نہ لیا جائے بلکہ دوسروں سے لڑنے جھگڑنے اور بڑا بننے کے لیے استعمال کیا جائے تو بیکار بلکہ مضر ہے تو یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہوا کہ علم ہر حالت میں اچھی چیز نہیں بلکہ بعض حالتوں میں قابل مذمت بھی ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ بعض ان پڑھ لوگ پڑھے لوگوں سے اچھے ہیں، ان پڑھ لوگوں کے ذہن میں کبھی یہ وسوسہ بھی نہیں آتا کہ ہم دوسروں سے اچھے ہیں، اور تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن میں ہر وقت یہی بات بھری رہتی ہے کہ ہم دوسروں سے اچھے ہیں، ان پڑھ لوگ اتنی بصیرت تو رکھتے ہیں کہ اپنے عیبوں کو جانتے ہیں گو اجمال ہی کے مرتبہ میں سہی، چنانچہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم جاہل ہیں اور یہ حضرات (تعلیم یافتہ) اتنی بصیرت بھی نہیں رکھتے کہ اپنے عیب کو دیکھ سکیں کہ ہم میں تکبر ہے، حسد ہے، عجب ہے وغیرہ وغیرہ پس وہ اگر چُندھے ہیں تو یہ اندھے ہیں۔ (السوق لاہل الشوق)

ہلاکت و بربادی کا اصل سبب تکبر ہی ہے

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا (پ۲۴ سورۂ زمر)۔ یعنی کفار جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے تو جہنم میں جانے کی علامت کفر ہی کو کہا جائے گا اور جب کہا گیا فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ ۔ تو اس برے ٹھکانے پانے کی علامت تکبر ہی کو کہا جائے گا، اور دونوں جگہ مجرم ایک ہی گروہ ہے تو حاصل یہ نکلا کہ اس گروہ کی اس سزا کی یعنی دخول جہنم کی علتیں دو بیان ہوئیں، کفر اور تکبر، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دونوں ایک چیز نہیں یعنی ایک مفہوم کے دو نام ہیں، جیسے اسد بھی شیر کو کہتے ہیں، اور لیث بھی اسی کو کہتے ہیں، یا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک علت ہے جہنم میں داخل ہونے کی۔ غرض ان دونوں میں کیا تعلق ہے، تو سمجھ لیجئے کہ

دونوں مفہوم کے لحاظ سے تو ایک نہیں ہیں کیونکہ کفر اور تکبر کو کسی نے مرادف نہیں کہا، باعتبار مفہوم لغوی کے دونوں علیحدہ چیزیں ہیں تو اب یہ کہا جائے گا کہ دونوں علیحدہ علیحدہ علتیں ہیں، جہنم میں داخل ہونے کی، لیکن ان دونوں میں ہر ایک مستقل علت نہیں ہے بلکہ ایک علت ہے اور ایک علت العلت ۔

اس کا بیان یہ ہے کہ علت جس سے مراد سبب ہے دو قسم پر ہے ایک سبب اور ایک سبب السبب ۔ کفر اور تکبر دونوں کو دخول جہنم کا سبب کہہ سکتے ہیں لیکن در حقیقت دخول جہنم کا سبب قریب کفر ہے اور تکبر سبب السبب ہے یعنی تکبر سبب ہے کفر کا جو سبب ہے دخول جہنم کا۔ اسی وجہ سے قرآن میں کہیں تکبر کو علت قرار دیا ہے دخول جہنم کے لیے، اور کہیں کفر کو۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بالکل واقعی بات ہے کہ کفر اور تکبر میں اصل تکبر ہی ہے اور کفر تکبر کا نتیجہ اور فرع ہے، اور کفار کو جہنم میں لے جائے گا، اس لحاظ سے دخولِ جہنم کے محل میں بِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْن کہنا بالکل برمحل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی کفر کرتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ حق اس سے پوشیدہ رہا، حق تو پوشیدہ رہنے کی چیز ہی نہیں، حق ضرور واضح ہو جاتا ہے، لیکن عار سبب ہوتی ہے کفر کا، اور عار کی حقیقت تکبر ہے، تو تکبر سبب ہوا کفر کا، اب تکبر اور کفر دونوں کا تعلق معلوم ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ تکبر سبب ہے کفر کا اور کفر سبب ہے دخول جہنم کا تو تکبر بھی سبب ہوا دخول جہنم کا، لیکن بالواسطہ یعنی سبب السبب ہوا۔

اس تقریر کی بناء پر متکبرین کے لفظ میں اشارہ ہے تمام عقائد اور اخلاق کی اصلاح کی ضرورت کی طرف، کیونکہ استقراء سے عقائد و اخلاق کی تمام خرابی تکبر ہی سے پیدا ہوتی ہے اور یہی تکبر ہر ذمیمہ کی اصل ہے۔

اور تکبر کا نتیجہ بیان کیا گیا دخول جہنم، تو اس میں ہر برے عقیدہ اور برے ذمیمہ (و بد اخلاقی) کی برائی آ گئی۔

کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے جو راکھ سے دبی ہوئی رکھی ہے اس کا انتظار نہ کیجئے کہ جب وہ ظاہر ہوگی اور آگ بھڑک اٹھے گی اس وقت بجھالیں گے کیونکہ جس وقت آگ بھڑک اٹھتی ہے پھر کسی کے قابو میں نہیں آتی سب کچھ جلادیتی ہے، آگ سے زیادہ چنگاری کی حفاظت کیجئے کیونکہ آگ کی طرف تو التفات ہوتا بھی ہے اور آدمی اس سے ہوشیار ہو ہی جاتا ہے مگر چنگاری کی طرف التفات کم ہوتا ہے اور وہ دبے ہی دبے اپنا کام کرجاتی ہے۔(وعظ السوق لاہل الشوق)

علماء کے لیے سخت خطرہ

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ۔

علت ابلیس انا خیر بداست
ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

اس سے مراد ابلیس کا وہ لفظ ہے جو اس نے اس وقت کہا تھا جب اس کو سجدہ کا حکم ہوا، اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ، یعنی میں آدم سے بہتر ہوں تو اس کو کیوں سجدہ کروں، دیکھئے اس کے دل میں ہمیشہ سے کبر تھا، اپنے آپ کو بڑا سمجھتا تھا جس سے آخر کار نوبت کفر تک آ ہی گئی، چنانچہ خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے انکار سے پیش آیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون اور جہنمی ہوگیا۔

مولانا رومی اس واقعہ کو بیان کرکے ہم کو ہوشیار کرتے ہیں کہ ابلیس کا واقعہ سن کر ہنسو مت، اپنی خبر لو، کیونکہ وہ مسالہ تمہارے اندر بھی موجود ہے۔فرق اتنا ہے کہ وہاں اس مسالہ میں رگڑ بھی لگ گئی تھی اور یہاں ابھی تک رگڑ نہیں لگی ہے، دیا سلائی تیار موجود ہے رگڑ لگنے کی دیر ہے اور ایک مٹی کے تیل کا پیپہ بھی موجود ہے، پھر جہاں دیا سلائی ہو وہاں تو ہر وقت ہی خطرہ ہے کہ خدا جانے کس وقت مسالہ میں رگڑ لگ

جائے۔اور تیل میں آگ لگ کر بھڑک جائے ،اور سب گھر بار پھونک ڈالے ،مولانا آگاہ کرتے ہیں کہ تم کو کسی وقت بے فکر نہ ہونا چاہئے کیونکہ تمہارے یہاں بھی ایک پیپہ مٹی کے تیل کا موجود ہے، وہ کیا ہے نفس ۔جس میں ہر وقت شر کی استعداد ہے، بس چنگاری پڑنے کی دیر ہے، جب تکبر اندر موجود ہے ہرگز کوئی شخص مامون نہیں ہوسکتا، مگر عجیب بات ہے کہ یہی سب سے خطرناک چیز ہے، اور اسی کا علاج نہیں کیا جاتا، اچھے اچھے نمازی اور پرہیزگار ہیں، جن کے لوگ معتقد ہیں مگر ان کے اندر یہ بلا بھری ہوئی ہے اس کو کچھ گناہ اور عیب ہی نہیں سمجھا جاتا، معمولی گناہوں سے بچتے ہیں اور کبر جیسے گناہ کی کچھ پرواہ نہیں، وجہ یہ ہے کہ دین نام رکھا گیا ہے صرف اعمال ظاہری کا اور اعمال باطنی کو دین کے اندر داخل ہی نہیں سمجھا جاتا، بس نیچا کرتہ پہن لیا اور پانچوں وقت کی نماز پڑھ لی اور پاجامہ شرعی پہن لیا اور اپنے آپ کو شبلی وقت سمجھنے لگے، خواہ باطنی معاصی میں سر سے پیر تک آلودہ ہوں ۔ یہ مرض ایسا عام ہوا ہے کہ کوئی بھی اس سے خالی نہیں خصوصاً اہل علم ۔ الا ماشاء اللہ۔ (وعظ السوق لاہل الشوق)

دوسروں سے سلام نہ کرنے کے بارے میں کوتاہی

ہمارے عمل کی یہ حالت ہے کہ مولوی صاحب کو تکبر کی وجہ سے کسی عامی شخص کو کبھی خود سلام نہ کریں گے، میں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ راستہ میں کوئی ایسا مسلمان ملتا ہے جو اصطلاحی عالم نہ ہو تو اس کو ابتداءً سلام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

مجھے علماء سے شکایت ہے کہ ہم لوگ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں، عوام کو سلام کرنے سے ہم کو عار آتی ہے، بلکہ اس کے منتظر رہتے ہیں کہ پہلے دوسرے ہم کو سلام کریں، ہم عوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں حالانکہ مناسب یہ تھا کہ ہم ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتے، بتلایئے اگر ایک تندرست آدمی بیمار کو دیکھے تو اس کو مریض

کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے، ظاہر ہے کہ اس کو دیکھ کر رحم آتا ہے، ایسے ہی مناسب یہ تھا کہ علماء عوام پر رحم کرتے اور ان سے شفقت برتتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے۔ (العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض ص: ۷۶)

مخفی تکبر

ہم خود اپنے آپ ہی کو کہتے ہیں کہ ہم ابتداء بالسلام نہیں کرتے، اور اس کا منشاء وہی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے یا راستہ میں علو (برتری) چاہتے ہیں، جدھر کو نکل جائیں نظریں ہم پر اٹھ جائیں یہ سب بڑا بننا اور کبر ہی ہے اور بعض وقت راستہ میں اس طرح دبے ہوئے اور جھکے ہوئے چلتے ہیں کہ جس سے معلوم ہو کہ بڑے متواضع ہیں حالانکہ دل میں یہ ہوتا ہے کہ اس متواضعانہ ہیئت کو دیکھ کر لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں، یہ ایک دقیق کبر ہے، اس کا پتہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مقولہ سے چلا، فرمایا تھا کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے جیسا کہ بعض متواضعین میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی مجمع میں پہنچے تو صف نعال میں (جوتوں کے پاس) بیٹھ گئے اس کے سوا کوئی جگہ ہی نہیں اختیار کرتے لوگ جانتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہے یا وضع قطع اور صورت وشکل سے بھی سفید پوش اور شریف پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں، پڑھے لکھے کی صورت چھپتی نہیں ہے۔ اب لوگ اصرار کرتے ہیں کہ حضرت یہاں تشریف لایئے صدر مقام پر بیٹھئے، آپ کہاں بیٹھ گئے ہم سب کو شرمندہ کر دیا یہ جگہ آپ کے بیٹھنے کی نہیں ہے، آپ کو خدا تعالیٰ نے بڑا رتبہ دیا ہے۔

(السوق لاہل الشوق)

اصل مرض اور اس کا علاج

مرض کا وجود علامات سے پہچانا جاتا ہے ہم جب کسی سے ملتے ہیں تو ابتداء

بالسلام کیوں نہیں کرتے، طبیعت اس سے کیوں رکتی ہے؟ کیا یہ اس کی علامت نہیں ہے کہ ہم کو دل میں اپنے بڑے ہونے کا خیال ہے، اگر اپنے کو بڑا نہ سمجھتے تو ابتداء بالسلام سے کیوں عار آتی، پھر جب علامات سے ثابت ہوگیا کہ مرض موجود ہے اور مرض بھی کون سا بدترین مرض تو پھر ہم کیوں بھولے بیٹھے ہیں اور وہ کون سی خوبی ہے جس کی بناء پر دوسرے سے اپنے کو اچھا سمجھتے ہیں کیا یہ بات قابل اصلاح نہیں ہے، ضرور ہے۔ اور اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ یوں سوچنا چاہئے کہ تم اگر دوسرے شخص سے بڑھے ہوئے ہو جس کو سلام کرنے سے عار آتی ہے تو کس بات میں بڑھے ہوئے ہو؟ بڑھنے اور گھٹنے کا معیار بھی تو ہے، اگر معیار علم ہے اور وہ تم میں موجود ہے اور اس میں نہیں ہے تو خیال کرو کہ علم فی نفسہ مقصود چیز نہیں بلکہ علم صرف اس وجہ سے مقصود ہے کہ وہ عمل کا ذریعہ ہے تو تم جب دوسرے سے ملے تو اس وقت کا عمل سلام کرنا ہے اور وہ تم نے نہیں کیا تو تمہارا علم بیکار رہا، کیونکہ موصل الی المقصود (یعنی مقصود تک پہنچانے والا نہیں ہوا) جب بیکار رہا تو باعث فضیلت بھی نہ ہوا تو تم اس سے بڑھے ہوئے نہ ہوئے بلکہ گھٹے ہوئے۔

اور اگر معیار فضیلت مال ہے تو اگر اس کے پاس مال تم سے کم ہے اور تمہارے پاس اس سے زیادہ ہے تب بھی تعلقات قائم رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ مال کی ترقی یا بقاء تجارت سے ہوتی ہے اور تجارت گو روپئے سے ہوسکتی ہے مگر اس کے لیے تعلقات بڑھانے کی ضرورت ہے اور سلام ایک عمدہ ذریعہ ہے تعلقات بڑھانے کا، بس اس کا بھی تقاضا ہے کہ تم ہی اس کو سلام کرو، غرض آدمی کو اگر اپنی اصلاح کا خیال ہو تو ہر حال میں کوئی نہ کوئی وجہ اور صورت نفس سے تکبر چھڑانے کی نکال سکتا ہے۔

یہ سب باتیں سمجھ دار آدمی کے لیے اور عمل کرنے والے کے لیے ہیں ورنہ مناقشہ اور جھگڑا کرنے کی تو بڑی گنجائش ہے۔ (السوق لاہل الشوق)

قیل وقال سے کام نہیں چلتا

ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ راستہ میں ان کی ایک جاہل آدمی سے ملاقات ہوئی انہوں نے اس سے سلام نہیں کیا، یہ مرض اہل علم میں ہوتا ہی ہے اس وقت اسی کا بیان ہورہا ہے، اس جاہل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ کیا آپ نے کتاب میں ابتداء بالسلام (پہلے سلام کرنے) کی فضیلت نہیں پڑھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پڑھی ہے مگر قاعدہ یہ ہے کہ چھوٹا آدمی بڑے کو سلام کرے تم جاہل ہو ہم عالم ہیں، لہٰذا تم چھوٹے اور ہم بڑے، تم کو چاہئے تھا کہ ہمیں سلام کرتے ان دونوں میں گفتگو بہت بڑھ گئی حتی کہ وہ شخص ان کو پکڑ کر ان کے استاد کے پاس لے گیا اور سارا قصہ سنایا، استاد نے طالب علم سے کہا کہ یہ قضیہ مسلّم اور صحیح ہے کہ چھوٹا آدمی بڑے کو سلام کرے مگر تم کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ اپنے خیال کا بڑا اور چھوٹا ہونا معتبر نہیں، ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑا ہو، استاذ نے سچی بات کہی اور صحیح تعلیم دی مگر طالب علم کی ذہانت دیکھئے آپ فرماتے ہیں کہ یہی بات اس جاہل کو بھی سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے میں عنداللہ بڑا ہوں لہٰذا ان کو ابتداء بالسلام کرنا چاہئے تھی، دیکھئے کیا جواب دیا ہے کہ جاہل تو جاہل استاذ کو بھی خاموش کردیا۔

حاصل یہ کہ قیل وقال اور بحث ومباحثہ کی تو بہت گنجائش ہے اور کوئی بات ایسی نہیں جس کا جواب نہ ہو سکے، مگر اس سے کام نہیں چلتا اور یہ طریقہ مفید نہیں۔ یہ طریقہ دنیا کے تو کسی کام میں اختیار کرکے دیکھئے معلوم ہو جائے گا کہ اس سے کیسے کام چلتا ہے، مثلاً کھانا پکانا سیکھنا ہو اور کسی کو اس کام کے لیے استاذ بنایا وہ کہتا ہے کہ شوربے میں اتنا مسالہ اور اتنا نمک اور اتنا پانی ڈالو، آپ بجائے اس کی اطاعت کرنے کے قیل وقال شروع کردیں اور ذہانت سے کام لینے لگیں کہ اس کی کیا دلیل

ہے کہ اتنا پانی اتنا ہی مسالہ اور اتنا ہی نمک چاہئے، ہم یوں کیوں نہ کریں کہ جتنا پانی بتایا ہے اتنا ہی نمک ڈال دیا تو اس قیل وقال سے جیسا کھانا پکے گا معلوم ہے، گو استاد آپ کی ذہانت کے سامنے لاجواب ہو جائے، ہے یہی بات کہ یہ طریقہ مفید اور مقصود تک پہنچانے والا نہیں ہوگا، اس قیل وقال سے کچھ کام نہیں چل سکتا۔

مفید طریقہ یہی ہے کہ استاذ کے بتانے کو بے چوں چرا تسلیم کرلو اور ذہانت کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ کھانا پکانا کیسے جلدی آتا ہے اور کھانا کیسا مزے دار پکتا ہے، جو آدمی کام کرنے والا ہوتا ہے وہ قیل وقال میں کبھی نہیں پڑتا اس کی نظر کام پر ہوا کرتی ہے۔ (السوق لاہل الشوق)

اپنے کو بڑا اور دوسروں کو چھوٹا سمجھنے کا مرض

ہر شخص میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ برائیاں بھی، اگر اس شخص میں ایک برائی ہے تو ممکن ہے کہ ہم میں بہت سی برائیاں ہوں یا ایک ہی برائی ہو، لیکن اس کی برائی سے بدتر ہو، پھر کس طرح ہم اس کو کم درجہ کا گھٹا ہوا سمجھتے ہیں اور کیوں دوسرے کو اپنے آپ سے کم درجہ کا سمجھ کر سلام میں ابتداء کرنے سے عار آتی ہے، میں نے تدبیر بتلادی اس رذیلہ (اور اس عیب) کے نکالنے کی، لیکن یہی مقدمات ہیں جن سے آدمی مفید کام بھی لے سکتا ہے اور اچھا اور کارآمد نتیجہ نکال سکتا ہے، اور یہی مفید مقدمات ہیں کہ اگر ان کو اس طالب علم کی طرح الٹی ترتیب دے دی جائے تو نتیجہ غیر مفید اور برا نکل سکتا ہے جیسا کہ اس طالب علم نے کہا تھا کہ جیسا مجھے کہا جاتا ہے کہ یوں سمجھو کہ ممکن ہے کہ واقع میں وہ جاہل اچھا ہو، ایسے ہی اس جاہل سے بھی کہنا چاہئے کہ یوں سمجھ کہ ممکن ہے کہ واقع میں ہر طرح تجھ سے میں بڑھا ہوا ہوں۔ لہٰذا وہ مجھے سلام کرے، دیکھئے یہ وہی مقدمات ہیں جن کا حاصل یہ تھا کہ ہر شخص میں

خوبیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی ان سے ایک طرح تو مفید اور نہایت کارآمد نتیجہ نکلا تھا اور انہیں سے اسی ترتیب کے ساتھ ایسا برا اور مضر نتیجہ نکلا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طالب علم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔ (وعظ السوق لاہل الشوق)

اپنے کمال اور دوسرے کے عیب پر نگاہ رکھنے کا مرض

غرض ہم لوگ دوسرے کو اپنے سے کم ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی اس کی برائی تلاش کر لیتے ہیں اور اس میں جو بھلائی ہوتی ہے اس پر نظر نہیں کرتے۔ اس کے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے عیبوں پر نظر ڈالو، اور دوسروں کے ہنروں پر، اپنے اندر ہزار ہنر ہوں تو ان کو مت دیکھو اور ایک بھی عیب ہو تو اس کو دیکھو اور دوسرے میں ہزار عیب بھی ہوں تو ان کو مت دیکھو، اور ایک بھی ہنر ہو تو اس کو دیکھو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے آپ کو اس سے ہر حال میں کم سمجھو گے۔ اور اس کو خود سلام کرو گے، تو تکبر تمہارے پاس بھی نہیں آئے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر تم میں ہزار ہنر ہیں اور ایک عیب ہے تو اس طریقہ سے اس ایک عیب سے نظر نہ چوکے گی، اور کبھی نہ کبھی وہ عیب بھی تم سے نکل جائے گا، اور تم سراپا ہنر ہو جاؤ گے یہ طریقہ اچھا ہے یا وہ طریقہ اچھا ہے کہ دوسروں ہی کے عیبوں کو دیکھتے رہو اور اس میں پڑ کر اپنے عیب سے غافل رہو تا کہ دوسرے اور عیب بھی تم میں پیدا ہوتے جائیں اور رفتہ رفتہ سراپا عیب بن جاؤ۔

سمجھدار اور عمل کرنے والے کے لیے ان ہی مقدمات میں سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے اور قیل وقال کرنے والے اور حجتیں چھانٹنے والے کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہی مقدمات وہ بھی پیش کرتا ہے، بات یہ ہے کہ جس کو خود اصلاح منظور نہ ہو اس کو کیوں کر اور کیسے سمجھایا جائے۔ یہ آفت اور کج روی سب میں ہے، اہل علم بھی اس سے خالی نہیں بلکہ ان میں یہ مرض عوام سے زیادہ ہے۔ (وعظ السوق لاہل الشوق)

اپنے کو بھول کر دوسرے کو الزام دینے کا مرض

دوسرے کو الزام نہیں دینا چاہئے کیوں کہ یہ طریقہ مفید نہیں، اگر کسی دوسرے کو الزام دے بھی دیا تو اس کا کیا کام ہوا، یعنی تہذیبِ نفس اور اس کی اصلاح کیا ہوئی۔ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ جیسے ایک شخص بتلائے کہ تمہارے منھ پر کالک لگ گئی ہے اور یہ سننے والا بجائے اپنی کالک چھڑانے کے اس کو الزام دینے لگے کہ تیرے بھی تو ناک ٹیڑھی ہے، یہ بات اگر واقع میں سچی بھی ہو اور الزام غلط نہ ہو تب بھی یہ دیکھو کہ اس الزام سے تم کو کیا نفع ہوا؟

جو شخص نفس کی تربیت کرنا چاہتا ہے اسے دوسرے کو الزام دینے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر دوسرا کسی بات میں گھٹا ہوا بھی ہے تب بھی اس کو اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کو بڑھانے سے کیا فائدہ۔ اس صورت میں اپنے نفس کی تربیت نہیں کی بلکہ ایک برائی زیادہ کر لی اور حاصل یہ ہوا کہ پہلے تو شاید اس دوسرے شخص سے کسی بات میں بڑھا ہوا بھی ہو لیکن اب یعنی جب کہ اپنے نفس کو اس سے بڑا سمجھا یقیناً اس سے گھٹ گیا۔ دوسرے کو الزام دینے کا یہ نتیجہ ہوا، اب بتلائیے یہ طریقہ مذکورہ صحیح ثابت ہوا، یا یہ طریقہ آئندہ کہ ہر شخص ہر بات کو تحقیق کی نظر سے دیکھے، اور دوسرے کو الزام دینے سے قطع نظر کر لے، اگر کسی بات میں دوسرے کو گھٹا ہوا دیکھا ہے تو اس وقت یہ سوچے کہ ہم بھی کسی بات میں اس سے گھٹے ہوئے ہیں یا نہیں کیونکہ ہر شخص میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ برائیاں بھی اگر اس شخص میں ایک برائی ہے تو ممکن ہے کہ ہم میں بہت سی برائیاں ہوں یا ایک ہی برائی ہو لیکن اس کی برائی سے بدتر ہو پھر کس طرح ہم اس کو گھٹا ہوا سمجھتے ہیں۔

(وعظ السوق لاہل الشوق)

فصل (۲)

حبِّ جاہ

افسوس آج کل علماء، علم کے بعد بھی عوام کی نظروں میں جاہ اور قدر و منزلت کے طالب ہیں، یہی وجہ ہے کہ عوام کی خاطر بعض دفعہ ایسے کاموں میں پڑ جاتے ہیں، جن کو اندر سے ان کا دل قبول نہیں کرتا بعض لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں جگہ رہ کر عوام کی نظروں میں ہماری وقعت نہ ہوگی یا کم ہوگی اس جگہ کو چھوڑنا چاہتے ہیں اور ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں ان کی وقعت زیادہ ہو۔

بعض لوگوں کو اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ جب ہم بازار میں یا کسی اور جگہ جائیں تو دو چار آدمی ہمارے ساتھ چلنے والے ہوں تنہا چلنا انہیں گوارا نہیں ہوتا۔

حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے ساتھ راستہ میں کچھ صحابہ ہو جاتے تو آپ بعض کو آگے کر دیتے اور بعض کو پیچھے آپ سب کے آگے نہ چلتے۔

اسی طرح مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جگہ پاتے وہیں بیٹھ جاتے، آپ کی نشست کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی حتی کہ باہر سے آنے والوں کو بھی نہ معلوم ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مجمع میں کون ہیں۔

آج کل لوگ خود بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی کوشش نہ کرے تو عوام کے مصافحہ اور ہاتھ پیر چومنے سے اس کو شبہ ہو جاتا ہے کہ میں ضرور کچھ ہوں، جب ہی تو یہ لوگ میری اس قدر تعظیم کرتے ہیں، عجیب بات ہے کہ انسان کو اپنے عیوب خوب معلوم ہوتے ہیں جن کو دوسرے نہیں جانتے، مگر یہ شخص ان جاہلوں کی

تعظیم وتکریم سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں واقع میں اس قابل ہوں۔ اور جو عیب اسے اپنے اندر معلوم ہوئے ہیں ان سے قطع نظر کر لیتا ہے۔ (التبلیغ ۱۵۲/۲۱)

عالم کے لیے بڑا فتنہ

فرمایا جامع صغیر میں ایک حدیث مرفوع نظر سے گذری کہ عالم کے لیے یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ وہ اس کی خواہش رکھے کہ لوگ اس کے پاس آ کر بیٹھا کریں۔

بزرگان دین نے حبِ جاہ کے علاج کے لیے اپنے نفس کے خلاف بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔

فرمایا جاہ کی تحصیل اس قدر کہ لوگوں کے ظلم سے بچ جائے جائز ہے اور اس درجہ سے زائد ہو تو دین کے لیے مضر ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں یہ دعا سکھلائی گئی ہے: ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَفِیْ عَیْنِ النَّاسِ کَبِیْراً'' یعنی یا اللہ! میری نظروں میں حقیر اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے تو یہ دعا طلب جاہ ہی ہے مگر حدیث میں صرف دعا پر اکتفاء کیا گیا ہے، اس کی تحصیل کے لے کوئی تدبیر نہیں بتلائی گئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہ دراصل محض خدا داد ہوتا ہے تدبیروں سے حاصل نہیں ہوتا۔ (دعوات عبدیت)

اپنی اصلاح کے بجائے دوسرے کی فکر میں پڑنا

اب میں ایک اور مشغلہ کا بیان کرتا ہوں جو شعبہ اسی عیب گوئی وعیب جوئی کا ہے اور جس میں بہت سے پڑھے لکھے آدمی بھی پڑے ہوئے ہیں، اور اس کے مفاسد پر تو نظر کیسی اس کو اچھا سمجھے ہوئے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنی فکر چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح کے درپے ہوتے ہیں، ظاہراً یہ ایک عمل صالح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں ایک شیطانی دھوکہ ہے، اس وقت اپنا مخاطب ان لوگوں کو بناتا ہو جو اس کے اہل نہیں

ہیں، اصلاح فی نفسہ عمل صالح اور مامور بہ ہے لیکن ہر شخص کے لیے نہیں، اس کام کو وہ انجام دے جو پہلے اپنی اصلاح پر قدرت رکھتا ہو۔

درحقیقت یہ اصلاح نہیں عیب جوئی ہے جس کا بیان یہ ہے کہ بعض لوگ غیبت اور عیب جوئی وغیرہ سے احتراز کرنا چاہتے ہیں اور شیطان ان کو بہت ترکیبوں سے اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جب کوئی داؤ نہیں چلتا تو یہ سمجھاتا ہے کہ دوسرے کی اصلاح کرو، اس دام میں آ کر دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کی عادت ہو جاتی ہے اور دل میں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم عیب جوئی تھوڑا ہی کرتے ہیں بلکہ اس کی اصلاح کے درپے ہیں جہاں کہیں بیٹھتے ہیں، ان عیبوں کو ذکر کرتے ہیں اور اچھی طرح غیبت کر لیتے ہیں ہاں آخر میں دل کو تسلی دینے کے لیے اور اپنی برأت قائم رکھنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی خدا اس کے حال پر رحم کرے، یہ یہ عیب اس میں ہیں ان کو دیکھ کر بڑا دل دکھتا ہے ہم بطور غیبت کے نہیں کہتے بلکہ ہم کو ان سے تعلق ہے یہ برائیاں دیکھ کر ہم کو رحم آتا ہے خدا کرے، یہ برائیاں کسی طرح چھوٹ جائیں، سبحان اللہ بڑے خیر خواہ ہیں، سر سے پیر تک تو اس کا گوشت کھا لیا مجمعوں میں ان کو ذلیل کر لیا اور ایک کلمہ سے بری ہو گئے، صاحبو! یہ سب نفس کی چالیں ہیں اس سے آپ کو دو نقصان پہنچتے ہیں ایک اپنی اصلاح سے رہ جانا دوسرے غیبت وغیرہ معاصی میں پڑنا۔ (دعوات عبدیت)

اصلاح کا طریقہ اور خیر خواہی کا تقاضا

آپ کا کوئی بیٹا نالائق ہو اور برے افعال میں مبتلا ہو آپ کو تنگ کرتا ہو اس کے عیب آپ کی زبان پر ہر جگہ نہ آئیں گے بلکہ ان کے زبان پر آنے سے آپ کا دل دکھے گا اور حتی الامکان یہ چاہیں گے کہ یہ عیب کسی پر ظاہر نہ ہوں اور اس کو

مناسب طریقہ سے تنہائی میں آپ سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں چھوڑ دو، یہ کبھی نہ ہوگا کہ آپ ان عیبوں کو جگہ جگہ گاتے پھریں، اصلاح اس کو کہتے ہیں اگر آپ کو اس شخص کی اصلاح کرنی ہے جس کی غیبت میں آپ مبتلا ہیں تو دوسروں کے سامنے اس کے عیب ظاہر کرنے سے کیا فائدہ، اس کو تنہائی میں سمجھائیں اور اسی طرح سمجھایئے جیسے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں، میں سچ کہتا ہوں کہ جو اثر آپ کے دس جگہ ان عیبوں کے مجمع میں ذکر کرنے سے ہوتا ہے اس سے زیادہ ایک جگہ علیحدگی میں سمجھانے سے ہوگا، اور اگر اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں بلکہ مجمعوں میں اس کے عیب ظاہر کرنے میں لطف آتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ وہی شیطان کا دھوکہ ہے جو زہر آلود مٹھائی کا کام دے گا۔ (دعوات عبدیت ۱۷/۶۴)

عیب گوئی عیب جوئی کا مرض

عیب گوئی اور عیب جوئی کا مرض ہم میں نہایت عام ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے چار پیسے دیئے ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اس میں مبتلا ہیں کیونکہ معاش کی طرف سے فراغ ہوجانے کی وجہ سے کوئی کام تو رہا نہیں اور جو اصلی کام تھا ذکر اللہ اس کو کرتے نہیں، اس لیے دن رات چوبیس گھنٹے پورے ہونے کی اس کے سوا کوئی ترکیب نہیں کہ چند ایسے ہی لوگوں کا مجمع ہو اور اس میں دنیا بھر کے خرافات ہانکے جائیں۔

بلکہ بعض دیندار بھی جن کو کچھ فراغت ہے اس میں مبتلا ہیں بلکہ عوام سے زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ وہ لوگ تو بسا اوقات شطرنج وغیرہ میں مشغول ہوکر اس سے چھوٹ بھی جاتے ہیں اور دیندار لوگ اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس لیے ان کو سوائے مجلس آرائی وعیب گوئی کے اکثر اور کوئی مشغلہ ہی نہیں ملتا۔

(دعوات عبدیت وعظ نسیان النفس ۲/۹۸)

دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے کا مرض

جو فہیم اور دیندار ہیں وہ بھی دوسروں کے گناہوں کو شمار کرتے ہیں، دوسروں کے عیوب پر ہم لوگوں کی نظر ہوتی ہے کبھی کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اپنے اعمال کو عذاب کا سبب بتلایا ہو حالانکہ زیادہ ضرورت اس کی ہے۔

رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے اور ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ایسا۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اے عزیز! تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص پر مکھی بیٹھی ہے تو اس کو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے، لیکن اپنے سانپ بچھو کی خبر نہیں لیتا۔

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی آنکھ میں شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کے تنکے کا تذکرہ کر رہے ہیں حالانکہ اول تو یہ دونوں مستقل عیب ہیں کیونکہ اپنے عیبوں کا نہ دیکھنا یہ بھی گناہ ہے اور دوسرے کے عیوب کو بے ضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ ہے اور بے ضرورت کے یہ معنی ہیں کہ اس میں کوئی شرعی ضرورت نہ ہو۔

ایسے افعال جو شرعاً ضروری اور مفید نہ ہوں عبث اور لایعنی کہلاتے ہیں حدیث پاک میں ان کے ترک کا امر ہے۔ (نسیان النفس دعوات عبدیت ۱۲/۸۷)

ہم لوگوں کی مجالس میں رات دن تمام مخلوق کی غیبتیں شکایتیں ہوتی ہیں کیا ان سے سوائے بدنام کرنے کے اور کچھ مقصود ہوتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ یہ لوگ ایک تو غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوئے اور دوسرے ایک لایعنی فعل کے مرتکب ہوئے۔

عیب جوئی اور گوئی سے اگر یہ مقصود ہے کہ اس شخص سے یہ عیب جاتا رہے (اور اس کی اصلاح ہو) تو کیا وجہ ہے کہ کبھی اس کے آثار کیوں نہیں پائے گئے، کیا

کبھی کسی شخص نے صاحب عیب کو خطاب کر کے نہایت شفقت کے ساتھ اس کے عیوب پر مطلع کیا ہے؟ اور اگر نہیں کیا تو کیا محض چار آدمیوں میں کسی کے عیب کا تذکرہ کر دینا اصلاح کہلائے گا؟ ہرگز نہیں۔

حضرت رابعہ بصریہ شیطان کو بھی برا نہ کہتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ جتنی دیر اس فضول کام میں صرف کی جائے اتنی دیر تک اگر محبوب کے ذکر میں مشغول رہیں تو کس قدر فائدہ ہے۔ (دعوات عبدیت ۹۲/۱۲)

تجسس اور عیب جوئی کے احکام اور جواز کے مواقع

اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ کریں جائز ہے بلکہ بعض جگہ تو تجسس حرام ہے۔

قول مجمل یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے (یعنی عیب جوئی سے) کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو تو وہاں واجب ہے، مثلاً سلطان کسی کے ارتداد کی خبر سنے تو چونکہ ارتداد کی صورت میں اس پر واجب ہے کہ اس کو توبہ کرائے ورنہ قتل کرے اس لیے تحقیق واجب ہوگی۔

اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا اور تحقیق کرنے سے اس مبلغ عنہ (جس کی طرف سے کوئی بات کہی گئی ہے اس) کا بھی کوئی ضرر نہیں ہوتا تو وہاں تحقیق جائز ہے جیسے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھ کو مارے گا، اور اگر تحقیق کرنے سے اپنی کوئی دفع مضرت نہیں اور اس دوسرے کو ناگواری ہے تو تحقیق حرام ہے، جیسے کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں، اور تحقیق کرنے سے وہ فضیحت (رسوا) ہوتا ہے۔

(بیان القرآن ۴۳/۱۱)

حالات کی تفتیش اور عیب جوئی کا کس کو حق ہے

جس کے سپرد خدا تعالیٰ نے اصلاحِ خلق کا کام کر دیا ہو اس شخص کو بھی تفتیشِ حالات کی ضرورت ہے بغیر علمِ حالات کے اصلاح ممکن نہیں ہے، مثلاً حاکم وقت جب تک حالات کی تفتیش نہ کرے گا مجرموں کو سزا نہ دے سکے گا، مگر اس کو بھی ایسے امور میں اجازت ہے کہ جن میں تفتیش نہ کرنے سے فساد کا احتمال ہو اور جو امور ایسے نہیں ہیں ان میں حاکم کو بھی تجسس کی اجازت نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگراں ہو تو اس کو بھی تفتیشِ حالات کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح ممکن ہی نہیں، مثلاً شوہر کو بیوی کے حالات کی تفتیش کی ضرورت ہے، یا کوئی شخص مصلحِ قوم ہو اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وعظ و پند کچھ بھی نہ کر سکے گا۔

مگر مصلح کو بھی اسی وقت تک اجازت ہے کہ تفتیش سے مقصود اصلاح ہو، اور اگر تحقیر کے لیے ایسا کرے گا تو اس کو بھی ہرگز اجازت نہ ہوگی، کیونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ (دعوات عبدیت ۱۲/۹۲)

چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا سب تجسس میں داخل ہے، اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس مضرت رساں کی تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔

(بیان القرآن ۱۱/۴۷)

غیبت کے مرض میں عام ابتلاء

شاید طالب علم سے زیادہ اس میں کوئی شخص مبتلا ہوتا ہو، اور یہ گناہ نہایت ہی شدید ہے **الغیبة اشد من الزنا**۔ اور پھر غیبت بھی دو قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے

ایک تو برے کو برا کہنا اور ایک اچھے کو برا کہنا، عوام الناس اگر غیبت میں مبتلا ہیں تو وہ اکثر ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں جو کہ واقع میں بھی برے ہیں۔

اور ہم لوگ ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں جو کہ نہایت صالح متقی عالم فاضل ہیں، اکثر طالب علموں کی زبان سے سنا ہوگا کہ فلاں شخص کو آتا ہی کیا ہے، فلاں میں یہ عیب ہے، اگرچہ ان فضلا میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ فضول سے مشتق ہیں اور ان کی غیبت (بعض صورتوں میں) جائز بھی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ خلق اللہ کو گمراہ کر رہے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کی غیبت سے بھی بچا جائے، کیونکہ جب غیبت کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی اور حفظ حدود نہیں ہوسکتا۔ یہ حالت ہوتی ہے کہ جس کی طرف سے ذرا بھی کدورت ہوئی فوراً اس کا تذکرہ برائی کے ساتھ شروع کر دیا۔ (دعوات عبدیت ۲۶/۱۳، وعظ العمل والعلماء)

غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی کم نوبت آتی ہے اور یہ (علماء وفضلاء، مصلح قوم) مرجع خلائق ہوتے ہیں، اس لیے ان کو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے، سیکڑوں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لے کر آتا ہے، اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں، ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں، حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا، حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔ (دعوات عبدیت ۱۰۰/۱۲)

احکام الغیبت

غیبت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی کرنا کہ اس کے سامنے کی جائے تو اس کو رنج ہو گو وہ سچی بات ہے ورنہ بہتان ہے، غیبت گناہ کبیرہ ہے البتہ

جس سے بہت کم تاذّی (یعنی کم تکلیف) ہو وہ صغیرہ ہوسکتا ہے، جیسے کسی کے مکان یا سواری کی مذمت کرنا۔

اور جو سامع (سننے والا) دفع (منع) کرنے پر قادر ہو اس کا سننا بھی تکلم کے حکم میں ہے، صبی (بچہ) مجنون اور کافر؟ ذمی کی بھی غیبت حرام ہے کیونکہ اس کی ایذا حرام ہے اور کافر حربی مباح الایذاء کی غیبت بعلت تضییع وقت کے مکروہ ہے۔

غیبت کبھی فعل سے ہوتی ہے مثلاً کسی لنگڑے کی نقل بنا کر چلنے لگے، جس سے اس کی حقارت ہو۔

اگر برائی کرنے کی کوئی ضرورت یا مصلحت ہو جو شرعاً معتبر ہو تو وہ غیبت حرام میں داخل نہیں، جیسے ظالم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے جو ظلم دفع کر سکے، یا مستفتی صورت واقعہ بیان کرنے کی غرض سے کسی کا ذکر کرے، یا مسلمانوں کو کسی شر دنیوی یا دینی سے بچانے کے لیے کسی کا حال بتلا دے، یا کسی معاملہ کے متعلق اس سے مشورہ لینے کے وقت اس کا حال ذکر کر دے، اور بلا اضطرار غیبت سننا غیبت کرنے کے مثل ہے۔ (بیان القرآن ۱۱/۴۷)

غیبت کی ایک شاخ

ایک شاخ غیبت کی چغلی ہے وہ یہ ہے کہ کسی کی کوئی شکایت آمیز بات دوسرے کو پہنچائی جائے، غیبت تو مطلق کسی عیب کے نقل کرنے کو کہتے ہیں اور چغلی وہ غیبت ہے جس میں شکایت بھی ملی ہوئی ہو، اس کے سننے سے سننے والے کو ضرور غصہ آتا ہے، اور وہ دس گنا بدلہ لینے کو تیار ہو جاتا ہے، دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو چغلی بھی اکثر بے بنیاد ہوتی ہے سننے والوں سے تعجب کرتا ہوں کہ وہ اس پر کیسے عمل کر لیتے ہیں۔ جس شخص کی چغلی کھانے کی عادت ہے وہ ایک ہی

جانب کی چغلی نہیں کھائے گا بلکہ تمہاری بات بھی اس کے سامنے لگائے گا، اگر اس چغلی کو سچ سمجھا ہے تو اپنے اس عیب کو سچ سمجھنا چاہئے، یہ کوئی نہیں کرتا، دوسرے کی شکایت کو تو سمجھ لیتے ہیں کہ ضرور کچھ اصل ہوگی جب تو ہم سے کہا، تو اسی طرح اپنی بات کو بھی سمجھو کہ کچھ تو اصل ہوگی جب تو دوسرے تک پہنچی، غرض چغلی کھانا اور اس کی بات پر یقین کر لینا دونوں بے عقلی کی بات ہیں اس مرض سے بہت بچنا چاہئے۔

(دعوات عبدیت ۱۷/۶۱)

فضول مضامین اور قلم کے ذریعہ غیبت

خوب یاد رکھو کہ جو حکم زبان کا ہے وہی قلم کا ہے، زبان سے جھوٹ بولنا غیبت کرنا جس طرح جائز نہیں، قلم سے بھی جائز نہیں، ایسے ہی قلم سے فضول مضامین لکھنے کا اثر ہے۔ موٹی سی بات ہے کہ جیسے زبان ترجمانِ قلب ہے ایسے قلم بھی ہے، جو بات زبان سے منع ہوگی قلم سے کیوں نہ منع ہوگی، بلکہ قلم کا گناہ زبان سے سخت ہونا چاہئے، کیونکہ زبان کی باتوں کو ثبات اور بقاء نہیں، زبان کی باتوں کا اثر تھوڑی دور تک پہنچتا ہے یعنی صرف وہاں تک جہاں تک وہ آواز پہنچے، اگر کسی نے زبان سے غیبت کی تو سننے والے دو چار ہوں گے غیبت کرنے والا اتنے ہی مجمع کے گنہگار کرنے کا سبب بنا اور اس شخص کی آبروریزی صرف اتنے ہی مجمع میں ہوئی، بخلاف قلم کے کہ اس کی آواز مشرق سے مغرب تک پہنچتی ہے جتنے آدمی اس برائی میں شریک ہوں گے ان سب کا سبب یہی شخص ہوگا، ہزاروں شخص کے سامنے اس کی آبروریزی ہوگی، تنہائی میں کسی کے جوتہ مارنا اور اثر رکھتا ہے اور ہزار دو ہزار کے مجمع میں مارنا، اور اہل قلم اپنے آپ کو مرفوع القلم سمجھتے ہیں جیسے آج کل شاعروں نے سمجھ رکھا ہے کہ شعر میں سب روا ہے یہ خیال بالکل غلط ہے۔ (دعوات عبدیت ۱۷/۵۳)

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ بھی غیبت ہے کہ کسی کے مکان میں یا گھوڑے میں یا اولاد میں یا کسی اور چیز میں یا اس کے متعلقات میں سے کسی چیز میں عیب نکالا جائے یہ ایسی باتیں ہیں کہ آج کل محتاط لوگ بھی اس کا کم خیال رکھتے ہیں، اور جہاں مجمع ہوتا ہے وہاں کا تو ذکر ہی کیا میرا تجربہ یہ ہے کہ علاج اس کا یہی ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے جب لوگوں سے میل ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ ان مفاسد کا داخل ہو ہی جاتا ہے، میں تحقیق سے کہتا ہوں کہ ان (معاصی) کا بڑا سبب بیکار بیٹھنا ہے، اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ چوپالوں اور بیٹھکوں میں جمع ہوکر بیٹھتے ہیں، اس کا نام تفریح طبع اور دل بہلانا رکھا ہے وہاں کوئی دنیا کا کام تو ہوتا نہیں اور نہ دین کا کام ہوتا ہے سوائے ہنسی مذاق اور ان مشغلوں کے جن کا میں بیان کر چکا۔ وہاں اور کوئی مشغلہ تو ہے نہیں غیبت وغیرہ کی عادت پہلے سے پڑی ہوتی ہے، وہاں بیٹھ کر کم از کم یہی ہوتا ہے کہ زائد از کار (یعنی فضول) باتیں ہوتی ہیں کہ آم فلاں باغ کے اچھے ہوتے ہیں، اب کی بارش اچھی ہو رہی ہے، باغوں میں لطف آ رہا ہے، کھیل کود کا موسم ہے وغیرہ وغیرہ۔ یاد رکھئے فضول باتیں بھی فی نفسہ بری اور منکرات اللسان میں داخل ہیں، فضول کی باتیں ایسی ہیں جیسے گولی لگ گئی، زبان اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے اس واسطے قدر نہیں، اس کی قدر جب ہی سمجھ میں آئے گی جب یہ ہاتھ سے نکل جائے گی پھر چاہیں گے، ایک دفعہ موقع مل جائے کہ ایک دو بار اللہ کہہ لیں (لیکن موقع نہ ملے گا)۔

فضول گوئی، عیب گوئی عیب جوئی کی مضرت

آج یہ حالت ہے کہ ایک ذرا سی بات کسی کو کہہ دیجئے پھر دیکھئے کیا قیامت قائم ہوتی ہے، بلکہ بلا وجہ بھی لوگ سر ہو جاتے ہیں، عیب گوئی اور عیب جوئی کی ایک خرابی اور مضرت یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ جس شخص کی برائی کی جا رہی ہے اس کو خبر نہ

ہو، اور خبر ہونے کے بعد بہت دشوار ہے کہ وہ تم کو برا نہ کہے اور پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کے کہنے کی تم کو خبر نہ ہو اور اس تمام الٹ پھیر کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں عداوتیں بڑھیں اور دشمنیاں قائم ہوں اور پھر یہ عداوتیں بعض اوقات ایک زمانہ تک چلتی ہیں، اور ان کی بناء محض ذراسی بات کہ اس نے ہم کو یوں کہہ دیا تھا، حالانکہ اگر کہہ بھی دیا ہو تو کیا عزت میں فرق آ گیا۔ (دعوات عبدیت ۲/۹۵)

آج کل بڑے زور وشور سے کوشش کی جاتی ہے کہ ہم لوگوں میں نااتفاقی نہ رہے اس کے لیے تقریریں ہوتی ہیں جلسے کئے جاتے ہیں لیکن جو نااتفاقی کی جڑ ہے یعنی زبان اس کے کاٹنے کی آج تک کسی کو فکر نہیں۔

صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ نااتفاقی کا بڑا سبب ہم لوگوں کی زبان ہے، جس کو لگام ہی نہیں جو چاہا کہہ دیا، جس کو چاہا کہہ دیا، یہ ظالم اس قدر چلتی ہے کہ جس کی حد نہیں، غضب یہ کہ کبھی تھکتی نہیں۔ دوسرے اعضاء مثلاً سر، آنکھ، کان، ہاتھ، پیر جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے ہین لیکن زبان کسی وقت تھکنے کا نام نہیں لیتی، اسی حدیث میں آیا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان سے خوشامد کرتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم سب بگڑ جائیں گے۔ (دعوات عبدیت ۱۲/۹۷)

آرام طلبی وعیش پرستی

جو لوگ محنت کے عادی ہیں ان کی جسمانی صحت دیکھو کیسی اچھی ہے دیہاتیوں کو دیکھو تم سے کہیں زیادہ مضبوط ہیں، سردی گرمی کی ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور شہروں میں دیکھو تو مسجد کے مؤذن تک ایسے نازک مزاج ہو گئے ہیں کہ اذان کے لیے مسجد سے باہر نکلنا بھی ان کو مشکل ہے، اگر خدانخواستہ شہر والوں کو کوئی

اتفاق پڑ جائے تو کیا کریں، یہ میں ہی نہیں کہتا سب جانتے ہیں کہ آرام طلبی اچھی چیز نہیں، اور محنت اور جفاکشی اچھی چیز ہے مگر رواج اس زمانہ کا ایسا بدلا ہے کہ محنت ہوتی ہی نہیں، رواج آپ کے اختیار کی چیز ہے، اس رواج کو بدلئے، ہمارے یہاں بیکاری اور آرام طلبی کو مایہ ناز سمجھتے ہیں۔ (دعوات عبدیت ۱۷/۱/۵۱)

اگر دین کے کام میں نہ سہی، تو دنیا ہی کے مباح کاموں میں لگے رہو مگر خدا کے واسطے بیکار مت بیٹھو، واللہ میں سچ کہتا ہوں کہ ہندوؤں میں بھی ایسا نہیں، وہ دین سے بے خبر، مگر اپنی دنیا میں تو مشغول ہیں، کسی نہ کسی کام میں لگے ہوئے ہیں، بیکار نہیں بیٹھتے اور ہمارے یہاں بیکاری اور آرام طلبی اور لغو مشغلوں ہی کو مایہ ناز سمجھتے ہیں، کوئی کام کریں جب تک درمیان میں غیبت نہ کرلیں اس وقت تک وہ کام نہیں ہوتا، اگر کسی نے اور مشغلے چھوڑے تو روم، روس ہی کا قصہ (یعنی سیاسی جھگڑے) لے بیٹھے، اخبار دیکھ رہے ہیں اور جنگ میں اپنی اپنی رائے دے رہے ہیں حالانکہ روم، روس تم کو پوچھتا بھی نہیں، تمہاری تجویز وہاں پہنچتی بھی نہیں یہ سب بیکاری کے مشغلے ہیں، بعض لوگوں کو یہ سوجھتی ہے کہ کوئی خبر معتبر یا غیر معتبر معلوم ہوئی چٹ سے اس پر ایک مضمون لکھا اور کسی اخبار کو روانہ کیا یا کسی سے اپنے خلاف طبع بات دیکھی یا سنی خواہ واقع میں وہ ٹھیک ہو مگر اپنے خلاف طبع ہونے کی وجہ سے اس پر ہجو آمیز بلکہ سب وشتم سے بھرا ہوا مضمون لکھ ڈالا، اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کتنا اس میں جھوٹ ہے اور کتنا سچ اور کیا کیا مفاسد شرعی اس میں بھرے ہوئے ہیں۔ (دعوات عبدیت ۱۷/۱/۵۱)

احمق علماء اور فضول تحقیقات

بعض احمقوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تمام وقت فضولیات ہی میں برباد کرتے ہیں مثلاً اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ جناب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے

معاملہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے، کوئی اس عقلمند سے پوچھے کہ تجھ کو حضرت معاویہ کے معاملہ میں کیا پڑی تو اپنا معاملہ درست کر۔

مولانا محمد نعیم لکھنویؒ کے پاس ایک رنگریز آیا کہنے لگا کہ حضرت معاویہ کے معاملہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ میاں جا کر کپڑے رنگو، جب تمہارے پاس حضرت معاویہ کا مقدمہ آئے گا تو لینے سے انکار کر دینا اور کہہ دینا کہ میں نے اس کی تحقیق کی تھی مگر مجھے کسی نے نہیں بتلائی۔

ایک اور صاحب ایک مولوی صاحب کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بابت دریافت کرتے ہوئے آئے کہ وہ ایمان دار تھے یا نہیں؟

فرمایا: تم کو نماز کے فرائض معلوم ہیں؟ کہنے لگا کہ نہیں، مولوی صاحب نے کہا کہ غضب کی بات ہے کہ نماز جس کا سوال سب سے اول قیامت میں ہوگا ان کی تم کو خبر نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان جس کی بابت یقیناً ہم سے نہ قیامت میں کوئی سوال ہوگا نہ دنیا کا کوئی کام اس علم پر موقوف، تمہیں اپنی اچھی برائی کی فکر ہونی چاہئے، باقی ہر شخص کی خبر رکھنا یا اس کا خیال ہونا یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔

(دعوات عبدیت ۹۰/۱۲)

زیادہ بولنے کے نقصانات

''زیادہ بولنا'' بزرگوں نے اس میں یہ نقصان دیکھا کہ اس کے ہوتے ہوئے گناہوں سے بچنا مشکل ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ زیادہ بک بک کرتے ہیں وہ جھوٹ اور غیبت میں ضرور مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور کثرت کلام کے ساتھ ہر بات سوچ کر کرنا (جو تدبیر ہے زبان کے گناہوں سے بچنے کی) دشوار ہے۔ اور اگر بالفرض کوئی شخص گناہوں سے بچا بھی رہا تو ایک نقصان سے تو کسی طرح بچ ہی نہیں

سکتا وہ نقصان (یہ ہے کہ) کثرت کلام سے دل مردہ ہو جاتا ہے، ظلمت پیدا ہوتی ہے، قساوت قلب پیدا ہوتی ہے، اور یہ وہ بلا ہے کہ جس کے بعد کسی گناہ میں مبتلا ہو جانا بھی بعید نہیں، ساری طاعات کا مدار حیات قلب پر ہے، نیک کاموں میں توفیق نور قلب سے ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشاء قساوت وظلمتِ قلب ہی ہے، جب قلب میں حیات ونور ہی نہ رہا بلکہ اس کے بجائے قساوت وظلمت پیدا ہوگئی تو اب یہ شخص سب گناہوں کے لیے قابل ہو جاتا ہے، پس کثرتِ کلام کے ساتھ گناہوں سے بچنا چند دن کا ہوتا ہے پھر معاصی کی طرف میلان ہونے لگتا ہے۔ (التبلیغ ۶۳/۲۲)

زیادہ کھانے کے نقصانات

زیادہ کھانے میں علاوہ اس نقصان کے کہ وہ گناہوں کا سبب ہوتا ہے اور بھی بہت نقصان ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص ہمت کر کے گناہوں سے بچا رہے تو یہ نقصان تو اسے بھی ہوگا کہ نیند زیادہ آئے گی، کم کھانے میں نیند کم آتی ہے، پیٹ تن کر جب سوؤ گے تو نیند بھی تن کر آئے گی۔ اور کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ گے تو رات میں دو تین دفعہ خود بخود آنکھ کھل جائے گی، کیونکہ نیند سے وہ تھوڑا بہت کھانا بھی جو کھایا تھا جلد ہی ہضم ہو جائے گا، پھر جب پیٹ کمر سے لگ جائے گا تو ایک کروٹ پر لیٹا نہ جائے گا، بار بار کروٹیں بدلو گے، اور کئی بار آنکھ کھل کھل جائے گی، پھر چونکہ یہ مسلمان ہے اس لیے ذکر اللہ میں لگ جائے گا، اور سوچے گا کہ یہ وقت اور کسی کام کا تو ہے نہیں اور صبح ہونے میں دیر ہے تو بیکار کیوں جاگے، لاؤ کچھ اللہ اللہ ہی کرلو، تو کم کھانے والے کو طاعات کی توفیق زیادہ ہوتی ہے، اور زیادہ کھانے والا تو صبح بھی مشکل سے اٹھے گا اس لیے اس شخص کی طاعات بہت کم ہوں گی۔

اور اگر بہت کھانے والا اتفاق سے کسی رات کو جاگ بھی گیا تو کھانے کا کسل

(یعنی سستی) ایسا ہوتا ہے کہ اس کو چارپائی سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر اٹھ بھی گیا اور وضو کر کے نماز یا ذکر میں لگ گیا تو تھوڑی دیر میں نیند کے جھونکے ایسے آئیں گے کہ سجدہ میں پڑ کر خبر بھی نہ رہے گی یا گردن جھکا کر سوتا رہے گا۔

(تقلیل الاختلاط، خیر الاعمال ص:۱۰۵)

زیادہ کھانے میں دنیوی نقصانات

زیادہ کھانے میں دین کا نقصان تو ہے ہی، دنیا کا بھی نقصان ہے، کیونکہ کھانے میں اس شخص کی رقم زیادہ خرچ ہوتی ہے ایک شخص فی وقت دس روٹی کھاتا ہے اور ایک چار روٹی کھاتا ہے دونوں کے خرچ میں آدھے کا تفاوت (فرق ہوگا) پھر بہت کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتی آئے دن بدہضمی کی شکایت رہتی ہے، جس سے طرح طرح کی بیماریوں کا شکار رہتا ہے تو دواؤں میں بہت رقم خرچ ہوتی ہے اور کم کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے اس کی تندرستی بنی رہتی ہے تو دواؤں میں اس کے روپئے نہیں اٹھتے۔

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ ایک نصرانی بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طبیب کو بھیجا تھا کہ یہ مدینے والوں کا علاج کیا کرے گا، آپ نے طبیب کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم لوگ بغیر بھوک کے کھاتے نہیں ہیں اور بھوک رکھ کر کھانا چھوڑ دیتے ہیں اس لیے ہم کو طبیب کی ضرورت نہیں۔ (قلت کذا فی السیرۃ الحلبیۃ)

واقعی اس دستور العمل پر عمل کر کے دیکھئے سب بیماریاں خود بھاگ جائیں گی کبھی اتفاقی طور پر بیماری آجائے تو اور بات ہے لیکن مجموعۂ امراض تو نہ ہوگا مگر آج کل لوگوں کی عادت یہ ہے کہ کھانا کھانے میں بھوک لگنے کا انتظار نہیں کرتے بلکہ

اکثر وقت آنے کی رعایت سے کھاتے ہیں، کھانا گرم گرم ہیں، دیر میں کھائیں گے تو ٹھنڈا ہوجائے گا لاؤ ابھی کھالیں، جی ہاں اس وقت تو کھانا گرم ہے مگر کھانے والا تو سرد (ٹھنڈا) ہی ہوجائے گا، کیونکہ بے بھوک کھانے سے حرارت غریزیہ منطفی ہوجاتی ہے (یعنی ختم ہوجاتی ہے) معدہ میں تداخل ہوجاتا ہے، پہلا کھانا ابھی ہضم نہیں ہوا تھا کہ دوسرا اور پہنچ گیا اب معدہ پریشان ہوتا ہے کہ کیسے ہضم کروں، بچوں کو اصرار کرکے کھلانا تو اور زیادہ برا ہے، وہ خود بہت ہی حریص ہوتے ہیں اگر بچہ کبھی انکار کرے تو سمجھ لو کہ یا تو اس نے بہت کھالیا ہے یا کسی مرض کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔

(التبلیغ ۵۰/۲۳-۵۲)

زیادہ سونے کے نقصانات

زیادہ سونے سے یہ نقصان ہے کہ اس سے بلادت (حماقت بیوقوفی) بڑھ جاتی ہے، جس سے قوۃ فکریہ کم ہوجاتی ہے، اور قوت فکریہ کی کمی سے دنیا اور دین دونوں کے کام خراب ہوجاتے ہیں، نیز اس سے امور انتظامیہ میں بہت خلل پڑتا ہے، ایسے شخص کو پابندی اوقات کبھی نصیب نہیں ہوتی، سوچتا یہ ہے کہ آج سویرے اٹھ کر فلاں فلاں کام کروں گا نیند آئی تو وقت کے بعد آنکھ کھلی، اب اس کام کو دوسرے کاموں کے وقت میں کرتا ہے، دوسرے کاموں کو کل پر رکھتا ہے پھر دوسرے دن ارادہ کرتا ہے کہ آج دوپہر کو ایک گھنٹہ سوؤں گا پھر کچھ کام کروں گا، وہاں ڈھائی گھنٹہ کے بعد آنکھ کھلی تو پھر سارا نظام درہم برہم ہوگیا روز یہ ہی قصہ رہتا ہے اس لیے یہ شخص کبھی منتظم نہیں ہوسکتا، اور بے انتظامی بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے، اس سے دین کو بہت ضرر پہنچتا ہے اور دنیا کو بھی۔

علاوہ اس کے سونے میں جس قدر وقت صرف ہوگا اس میں کچھ کام نہ ہوگا نہ

دنیا کا نہ دین کا، یہ سارا وقت بیکار ہوجاتا ہے۔ بس جتنا وقت طبعی نیند کا ہے (جس کی مقدار اطباء نے ٦ گھنٹے لکھی ہے) وہ تو ضرورت میں صرف ہوا باقی سب رائیگاں گیا۔

ایسے شخص کی اکثر نمازیں بے وقت یا تنگ وقت میں ادا ہوتی ہیں، خصوصاً عشاء اور فجر اور تہجد تو اسے کہاں نصیب۔ (التبلیغ ۶۲/۲۲، تقلیل الطعام)

کثرت اختلاط اور دوستی کے نقصانات

''زیادہ میل جول'' اس میں یہ نقصان ہے کہ جتنا وقت اختلاط (ملنے جلنے) میں صرف ہوتا ہے اتنی دیر یہ شخص بیکار رہتا ہے، دین کا کوئی کام اس سے نہیں ہوتا، رہا یہ کہ مسلمانوں سے ملنے میں تو ثواب ہے تو اس سے مراد بقدر ضرورت ملنا ہے، اپنے پاس آنے والوں کی تواضع دس پندرہ منٹ میں ہوسکتی ہے، اس کے لیے گھنٹے صرف کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے، زیادہ میل جول میں معمولات کی پابندی نہیں ہوسکتی، ایک کام لے کر بیٹھے تھے کوئی ملنے آ گیا تو کام رخصت ہوا، اب باتوں میں گھنٹے لگادئے جاتے ہیں جس سے سارے کاموں کا پٹرا ہوجاتا ہے، ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ بے انتظامی دنیا اور دین دونوں کے لیے مضر ہے۔

دوسرے اختلاط میں خاموشی دشوار ہے خواہ مخواہ بولنا ہی پڑتا ہے جس میں اکثر غیبت وشکایت میں بھی ابتلا ہوجاتا ہے۔

جس پر تم نے احسان کیا ہے اس کے شر سے بچو

تیسرے کثرت اختلاط سے باہم دوستی ہوجاتی ہے جس میں بعض دفعہ اپنے راز دوسرے پر ظاہر ہوجاتے ہیں، پھر یہ دوست اپنے دوسرے دوستوں پر ان

رازوں کو ظاہر کردیتا ہے، کیونکہ اس کو ان پر ویسا ہی اعتماد تھا جب تم کو اس پر مگر بعض دفعہ ان میں تمہارا کوئی دشمن ہوتا ہے جو راز کو معلوم کر کے تم کو ضرر (نقصان) پہنچا دیتا ہے، نیز بعض دفعہ خود آپ کا دوست ہی بدل جاتا ہے اور دوست جب دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اور دشمنوں سے زیادہ (ایذا) دیتا ہے، اسی لیے عرب کی مثل ہے اِتَّقِ شَرَّ مَنْ اَحْسَنْتَ اِلَيْهِ ۔یعنی جس پر تم نے احسان کیا ہو اس کے شر سے بچتے رہو، اور آج کل یہ کچھ بعید نہیں، اس زمانہ میں دوستی اور محبت اکثر اغراض کے لیے ہوتی ہے جب تک غرض پوری ہوتی رہی دوست ہیں اور جس دن اغراض میں کمی آئی اس دن سے دشمن ہیں، چنانچہ تجربہ ہو گیا کہ جن لوگوں پر پورا اعتماد تھا کہ یہ دوستی سے کبھی نہ بدلیں گے وہ بھی اپنے اغراض میں کسی وقت نقصان دیکھ کر بالکل بدل گئے، اور ایسے بدلے کہ دشمن سے بھی بدتر دشمن بن گئے۔

پھر دشمنی سے دنیا کا تو ضرر ہوتا ہی ہے دین کا بھی نقصان ہوتا کیونکہ اس صورت میں اطمینان قلب فوت ہو جاتا ہے اور اطمینان قلب سب کاموں کی جڑ ہے، دین کا کوئی تو کام بغیر اطمینان قلب کے اچھی طرح ہو ہی نہیں سکتا، میں کہتا ہوں کہ اس کے بغیر دنیا کا بھی کوئی کام نہیں ہوتا، تو اختلاط میں یہ کتنا بڑا ضرر ہے، ہمارے حاجی صاحب کی وصیت ہے کہ کسی سے نہ دوستی بڑھائیں نہ دشمنی پیدا کریں، بس سب سے معمولی سلامت رکھیں، کیونکہ دشمنی تو قلب کی پریشانی کا سبب ہے، اور آج کل دوستی بھی اس (پریشانی کا) سبب ہو جاتی ہے۔

(التبلیغ وعظ تقلیل الطعام ۶۵/۲۲، خیر المال ص:۱۱۴)

طلبہ کی عام غلطی

فرمایا اکثر طالب علموں کی عادت ہے کہ مسجد یا مدرسہ میں راستے کے موقع پر

بیٹھ جاتے ہیں بلکہ راستہ میں سوجاتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہے۔حدیث شعب ایمان میں **ادناھا اماطة الاذی** آیا ہے یہ لوگ خود تکلیف دینے والے بنتے ہیں تمام مجاہدہ اور اصلاح اخلاق سے مقصود یہ ہے کہ مخلوق کی اذیت سے تحرز ہو کیونکہ تمام بداخلاقیوں کا مآل (انجام) اذیت ہی ہے، مثلاً کبر، غضب، حسد، ریا، مکر، فریب، غیبت، حرام خوری، فحش گوئی ان سب سے لوگوں کو اذیت پہنچتی ہے۔اور سب سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ علماء نے بھی صرف کتاب کا حل کرلینا اپنا کام سمجھ لیا ہے اعمال کو درست کرنے اور طلبہ کو روک ٹوک کرنے کی ان کو ذرا فکر نہیں، بلکہ خود طلبہ سے ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ عمر بھر بھی ان کی اصلاح کی امید نہیں رہتی۔

(دعوات عبدیت ۱۴/۵۷)

طلبہ کی بدحالی وبدشوقی

مدارس میں ایسے طلبہ موجود ہیں جو برائے نام اسباق میں آجاتے ہیں مگر اندرونی طور پر عالم فاضل وغیرہ کے کورس سے دلچسپی رکھتے ہیں تاکہ سرکاری نوکری مل سکے، بھلا یہ لوگ طالب علم کہلانے کے مستحق ہیں؟ ہرگز نہیں۔(قند دیوبند ص:۱۹)

یہ بھی ایک مرض ہوگیا ہے کہ آج کل طلبہ کتابوں کے ختم کرنے کو اصل کام سمجھتے ہیں اگرچہ سماعت ہی سے ہوا اور کتاب کی عبارت ایک دن بھی نہ پڑھنا پڑے۔اور اب تو بعض طلبہ کی یہ حالت سنی ہے کہ سبق میں شریک بھی ہیں مگر اس کی خبر نہیں کہ سبق کہاں ہو رہا ہے اور کس مسئلہ کی تقریر ہو رہی ہے۔(اتباع المنیب ص:۲۱)

ناکام طلبہ

طالبان علم کہلانے والوں میں ایک قسم کے وہ لوگ بھی ہیں جو یوں چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا بھی نہ پڑے اور عالم ہوجائیں اس کی ترکیب انہوں نے یہ نکالی

کہ مدرسہ میں داخل ہوکر کسی جماعت میں شریک ہوگئے پھر دس بارہ دن کم وبیش غائب ہوگئے نہ مطالعہ ہے نہ تکرار ہے، نہ سبق کے وقت توجہ ہے، بس جماعت نے کتاب ختم کرلی تو ان کی بھی ختم شمار ہوگئی، درسیات سے فارغ ہوگئے، تو یادرکھو یہ طالب علمی نہیں ہے، اس طرح علم نہیں آتا۔ (مواعظ حسنہ ص:۳۱)

طلبہ کو فکر واہتمام کی ضرورت

طلبہ کے لیے محض کتب بینی کافی نہیں بلکہ فکر کے ساتھ مطالعہ کی سخت ضرورت ہے اور فکر ومطالعہ اختلاط کے ساتھ نہیں ہوسکتا، اس کے لیے یکسوئی اور تنہائی کی ضرورت ہے جو لوگ ہر وقت اختلاط میں رہتے ہیں اور باتیں ہی بناتے رہتے ہیں ان کا قلب انوار سے خالی ہوجاتا ہے اور قلب کا خالی ہونا بہت ہی برا ہے۔

(التبلیغ ص:۲۳-۱۲۵)

علوم کے لیے یکسوئی اور اجتماع خیال کی ضرورت ہے اور یہ گوشۂ تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

فضولیات سے احتراز کی ضرورت

فضولیات میں پڑنے سے آدمی کا فہم مسخ ہوجاتا ہے اور ضروری کاموں سے رہ جاتا ہے، کھلی ہوئی بات ہے جب چاہو تجربہ کرلو، ملنا جلنا کم کردو، بولنا کم کردو، ادھر اُدھر فضول دیکھنا بھالنا کم کردو، معاصی سے اجتناب کرو، اس سے خود بخود فہم اور عقل میں نورانیت پیدا ہوگی۔

جو لوگ بک بک بہت کرتے ہیں ان کی فہم (سمجھ) اور عقل برباد ہوجاتی ہے معاصی سے، ادھر اُدھر دیکھنے سے حواس منتشر ہوکر عقل خراب ہوجاتی ہے۔

(حسن العزیز ۱/۲۰۳)

جو شخص فضولیات میں مبتلا ہوگا وہ کبھی ضروریات کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا، یہ تجربہ کی بات ہے، فضول، لغو کلام، عبث کام، سب ایک ہی ہیں، اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے نورانیت فنا ہوتی ہے، باطن کی استعداد برباد ہوتی ہے، اس استعداد کے ضعیف ہونے کو حدیث میں موت قلب کہا گیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب میں ایک نور رہتا ہے وہ ضعیف ہوجاتا ہے۔ (الافاضات ۴؍۳۷)

عبث (بیکاری) کا ایک ضرر تو یہی ہے کہ کثرت عبث سے قلب کا نور بجھ جاتا ہے اور قلب میں قساوت (یعنی سختی) پیدا ہوتی ہے۔ (دواء الغفلۃ ص: ۳۷)

چنانچہ بلا ضرورت اگر کوئی کسی سے اتنا پوچھ لے کہ کہاں جاؤ گے اس سے بھی قلب میں ظلمت پیدا ہوجاتی ہے اور قلب مردہ ہوجاتا ہے، اگر کسی کو حس ہی نہ ہو تو اس کا کیا علاج ہے۔ (الافاضات الیومیہ ۳؍۳۶۴)

اگر آخرت کی فکر ہو تو انسان کبھی فضول اور عبث میں نہیں پڑ سکتا، پڑنا بری بات ہے، اس کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ (حسن العزیز)

استاذ کا سبق یا کوئی بات راز لے کر سننا

ایک طالب علم نے دوسرے طالب علم کے ذریعہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا اور خود خفیہ طور سے سننے کے لیے کھڑا ہوگیا، اتفاقاً میں نے دیکھ لیا، پاس بلا کر دھمکا کر سمجھایا کہ چوروں کی طرح چھپ کر سننے کا کیا مطلب؟ کیا کسی نے یہاں آنے سے منع کیا ہے؟ اگر شرم آتی تھی تو اپنے فرستادہ (بھیجے ہوئے) سے جواب پوچھ لیتے، چھپ کر کسی کی بات سننا عیب اور گناہ کی بات ہے کیونکہ ممکن ہے کہ متکلم کوئی ایسی بات کرے جس کو اس (چھپ کر سننے والے) سے پوشیدہ کرنا چاہے۔ (آداب معاشرت)

طلبہ کے لیے چند ہدایات وتنبیہات

(۱) طالب علم اور طالبِ حق کے لیے لوگوں سے میل جول (فضول اختلاط) سم قاتل ہے۔

(۲) طالب علموں میں دو مرض (بکثرت) ہیں جاہ اور شہوت، ان سے بہت کم خالی ہیں اور یہی دونوں چیزیں دین کو برباد کرنے والی ہیں۔

(حسن العزیز ۳/۴۵۸)

(۳) جو طالب علم مدرسہ میں داخل ہونے کے لیے آتا ہے اس کو دو وصیتیں کی جاتی ہیں ایک یہ کہ کسی سے دوستی مت کرو، دوسرے یہ کہ کسی سے دشمنی مت کرو۔

(۴) افسوس اب تو طالب علم (مدرسہ کے انتظامی امور میں اور) مہتمم کے کاموں میں دخل دیتا ہے یہ حریت (اور آزادی) ہے لوگوں کا مذاق ہی بگڑ گیا ہے اور ایسا بگڑا ہے کہ شور وشر کو حیات (زندگی) سمجھتے ہیں اور سکون کو موت یعنی وہ زندہ ہی کیا جو حرکت نہ کرے اور حرکت بھی کرے تو ایسی۔ ان کے نزدیک جس طرح سکون حیات کے منافی ہے اسی طرح حرکت مستقیمہ بھی، اس لیے حرکت غیر مستقیمہ کو حیات سمجھتے ہیں۔

(۵) بعض لوگ مسجد کا پنکھا (اور لوٹا وغیرہ) حجرہ سے (اپنے حجرہ میں) لے جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ کیا چیز ہے ذرا سا پنکھا (یا لوٹا) ہی تو ہے معمولی بات خیال کرتے ہیں حالانکہ بڑی بات ہے۔ یہ حرکت طالب علموں میں بہت ہے بتلاؤ ایسے پڑھنے سے کیا فائدہ؟ (الفصل للوصل ص:۲۹۶)

(۶) جب دینی مدارس میں رہ کر بھی دین نہ پیدا ہوا تو ایسے پڑھنے سے کیا فائدہ، سوائے گمراہی پھیلانے کے اور کیا نتیجہ ہوگا۔ (الافاضات الیومیہ ۱۶/۲۱۷)

بعض طلبہ کی غلط فہمی

بعض طلبہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی تو ہمارا زمانہ علم حاصل کرنے کا ہے اس زمانہ میں عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں فارغ ہونے کے بعد عمل کرلیں گے یہ سراسر شیطانی دھوکہ ہے۔ (حقوق العلم ص:۳۴)

اہل علم کو (اپنی) اصلاح کی فکر نہیں، جس کی بدولت علم کی جگہ جہل ہوگیا، بزرگی کی جگہ فسق ہوگیا، مدارس میں جاکر دیکھو طالب علم اور اساتذہ کا کیا رنگ ہے، نہ حدود ہیں، نہ انسانیت اور نہ آدمیت ہے، کہتے ہیں کہ مولوی ہوکر سب درست ہوجائیں گے۔

ارے نادانو! اور بگڑ جائیں گے، اس وقت (طالب علمی کے زمانہ میں) تو دوسروں کے ماتحت ہیں جب ابھی ٹھیک نہ ہوئے تو آئندہ خود مختار ہوکر کیا امید ہے۔ اُس وقت تو کوئی یہ بھی نہ کہہ سکے گا کہ مولانا آپ سے یہ کوتاہی ہوئی یا آپ نے مسئلہ کے خلاف (اور غلط کام) کیا، درست ہونے (اور اصلاح) کا تو یہ طالب علمی ہی کا وقت ہے۔ (الافاضات الیومیہ ۴؍۲۳)

ایک شیطانی دھوکہ اور علماء کی بدنامی کی وجہ

ہمارے بعض طالب علموں کا خیال ہے کہ ابھی تو ہم پڑھ رہے ہیں جب پڑھ لیں گے اس وقت عمل کریں گے یہ خیال بالکل غلط ہے، جس گناہ کو تم آج نہیں چھوڑ سکتے اور جس اطاعت کو اس وقت اختیار نہیں کرسکتے، اور نفس پر قابو نہیں تو کل بدرجہ اولیٰ تم سے عمل نہ ہوسکے گا۔ بلکہ آج عمل کرنا سہل ہے جس قدر مدت گذرے گی نفس کے اندر اخلاق رذیلہ راسخ ہوں گے۔

عوام الناس کو جس قدر شکایتیں اور الزامات علماء پر ہیں اس بدعملی ہی کی بدولت ہیں، اور عمل سے میری مراد نماز، روزہ، اور بہت سے نوافل نہیں وہ تو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کرتے ہی ہیں، اس لیے ان سے بحث اور گفتگو نہیں بلکہ میرا روئے سخن اکثر اخلاق کے متعلق ہے، تکبر، باہمی حسد، غیبت اور قلب ونگاہ کے تمام گناہ چھوڑ دو، اور ان کے علاج کی فکر کرو، خدا سے خشیت ومحبت اور دین کی محبت اور جن سے تم کو نفع پہنچ رہا ہے ان کی اطاعت اور خدمت کرو، اور حرص اور طمع کے پاس بھی نہ جاؤ۔

اس سے دنیاداروں کی نظر میں آپ لوگوں کی بڑی رسوائی ہوتی ہے اس لیے جہاں اس کا ادنیٰ احتمال بھی ہو ہرگز وہاں نہ جاؤ، اور نہ وہ فعل اختیار کرو، اگرچہ تم تنگی کی حالت میں ہو، بالکل مستغنی رہو۔ (الافاضات الیومیہ ۵۲/۳)

چھوٹے مدرسوں سے نکل کر بڑے مدرسوں میں جانے والے آزاد اور برباد طلبہ

جو طلبہ ایک وقت تک کسی کی نگرانی اور ماتحتی میں رہے ہوں وہ جب بڑے مدارس میں جاتے ہیں اور طبیعت میں آزادی رکھتے ہیں تو وہ ان مدارس میں جا کر مخلی بالطبع (یعنی بالکل ہی آزاد) ہو جاتے ہیں، چونکہ طبعی قاعدہ ہے کہ جو قوت ایک زمانہ تک بند رہی ہو، جب اس کو آزادی ملتی ہے تو ایک دم سے ابل پڑتی ہے، اس کی اصلاح کی دو صورتیں ہیں (ا) اس آزادی کی روک تھام جو عقل سے ہوتی ہے، عقلمندوں کو یہ بات یاد رہنا چاہئے کہ نفس کو پابند کرنا اور آزادی سے روکنا اور اس میں استقلال اور پختگی پیدا کرنا نہایت ضروری ہے، ورنہ انسان اور جانور میں کیا فرق ہوگا، مردانگی اسی میں ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو نفس کا تابع نہ ہو۔

اور جو ایسے لوگ ہیں کہ ان میں عقل نہیں ان کا ناقص العقل ہونا مشاہد ہے ان

کے لیے بڑوں کی ماتحتی اور تابع داری ضروری ہے اس کے بغیر ان کی تباہی ہے۔

(انفاس عیسیٰ ۱/۳۵۹، التواصی بالحق ص:۲۲)

بے وقوف (اور کم عقل) کے لیے یہی مصلحت ہے کہ کسی کا تابع ہو کر رہے جیسے اگر چھوٹے بچے کو ماں باپ کے تابع نہ کیا جائے تو وہ یقیناً ہلاک ہوگا کیونکہ اس کو اپنے نفع اور ضرر کی کچھ خبر نہیں تو بیوقوف (اور ناسمجھ) کے لیے کسی کا ماتحت ہونا ہی مصلحت ہے اور اسی میں اس کی حفاظت ہے تا کہ دوسرا اس کو روک ٹوک کر سکے۔

(شعب الایمان ص:۵)

زمانہ طالب علمی میں مطیع ہو کر ہی رہنا چاہئے یعنی طالب علم میں خود رائی اور آزادی نہیں بلکہ اس کو اساتذہ اور اپنے بڑوں کا مطیع وفرمانبردار اور تابع ہونا چاہئے۔

(الافاضات الیومیہ ص:۳۲۶)

جو مستقل بالذات ہوتا ہے (بڑوں کے تابع نہیں ہوتا) وہ مستقل بدذات ہو جاتا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت)

علماء وطلبہ کو اہم نصیحت ووصیت

طلبۂ علم کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہیں کرنا چاہئے، بلکہ جہاں تک ہو اپنے کو گم کرو، گمنامی میں رہو کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے، اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔

سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹے بن کر رہو اس میں دین کی بھی سلامتی ہے اور دنیا کی بھی۔ اور جس کے سر پر کوئی بڑا نہ ہو اس کے لیے میں دوسرا طریقہ بتلاتا ہوں اور اس کے مستحسن (پسندیدہ) ہونے پر قسم کھا سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ اپنے چھوٹوں سے

مشورہ کیا کرے انشاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔ (دعوت وتبلیغ ص:۳۵۴)

جس طرح کوئی طبیب بیمار ہو جائے تو اپنا علاج خود نہیں کرتا بلکہ دوسرے معالج کی طرف رجوع کرتا ہے، اسی طرح مشائخ وقت اور مقتداء (علماء) کو اگر کسی وقت اپنے نفس میں کوئی روحانی مرض محسوس ہو تو ان کو چاہئے کہ کسی اپنے بڑے سے رجوع کریں اور اگر کسی شخص کا ضابطہ کا کوئی بڑا نہ رہے (ضابطہ کا اس لیے کہا کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اس کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) تو اس کو چاہئے کہ اپنے چھوٹوں ہی سے متعدد لوگوں کے سامنے اپنا حال پیش کرے مشورہ کرے، تو قع ہے کہ صحیح حال سمجھ میں آجائے گا۔ (مجالس حکیم الامت ص:۳۰۳)

علماء کے کرنے کے چار کام

اس وقت اس (تعلیم) کے چند افراد میرے ذہن میں ہیں ان کو عرض کرتا ہوں اور وہ استقراءً چار ہیں، وعظ، تدریس، امر بالمعروف بخطاب خاص، تصنیف۔ علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے اس طرح کہ طلبہ کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں، اور عوام کے سامنے واعظ ہوں، اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں اور خاص مواقع سے مراد یہ ہے کہ جہاں اپنا اثر ہو وہاں خطاب سے نصیحت کریں، کیونکہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے، جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا اور اگر کسی سے تحمل ہو سکے تو سبحان اللہ! وہ امر بالمعروف کریں مگر یہ ضروری ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں، بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کرے اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے صرف خطاب عام پر اکتفاء کرے۔

تین کام تو یہ ہیں، چوتھا کام تصنیف کا ہے علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہئے، اس کے یہ معنی نہیں کہ سب مصنّف اور واعظ ہو جائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت علماء میں کچھ لوگ مصنف اور واعظ بھی ہونے چاہئے، کیونکہ یہ امور فرض کفایہ ہیں، ہر کام کرنے والے ضرورت کے مطابق کافی مقدار میں ہونے چاہئے، اگر ایک قصبہ میں بقدر ضرورت واعظ موجود ہوں تو دوسرے علماء پر وعظ کہنا واجب نہیں ان کو درس وتدریس میں مشغول رہنا جائز ہے، اور اگر واعظ کوئی نہ ہو تو مولوی صاحب کو اجازت نہیں کہ وہ صرف مدرس ہی بن کر رہیں بلکہ ضرورت کے موقع پر ان کو وعظ بھی کہنا چاہئے۔ (العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض ص:۱۱۴)

وعظ میں خاص اثر ہوتا ہے، جس سے عوام کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے، نیز عوام کو اس سے وحشت بھی نہیں ہوتی، بلکہ دلچسپی ہوتی ہے، اور اس کا جلدی اثر ہوتا ہے۔

الغرض تصنیف کا نفع بھی عام نہیں اور درس کا نفع تو بہت ہی خاص ہے کہ ایک خاص جماعت تک محدود ہوتا ہے سب سے زیادہ نفع عام وعظ کا ہے کہ ایک گھنٹہ میں پانچ ہزار کو نفع ہو جاتا ہے تو وعظ کا نفع اتم واعم واسہل ہے اس لیے اس کو ضرور اختیار کرنا چاہئے۔ (حقوق وفرائض ص:۱۱۵)

فارغ ہونے کے بعد اگر دنیاوی کام میں لگ جائے پھر بھی چند کام تو ضرور ہی کرنا چاہیے

ایک سبق علماء کو لینا چاہئے کہ علم کو فضل عظیم سمجھ کر حاصل کریں اور اس سے کوئی دنیوی غرض نہ رکھیں، اور تحصیل (یعنی فراغت) کے بعد اس فضل عظیم کی پوری قدر کریں، اس کی حفاظت کریں، اس کو ضائع نہ کریں۔

آج کل طلبہ کی یہ حالت ہے کہ علم حاصل کرنے تک تو نہ کچھ نیت ہوتی ہے نہ توجہ، نہ شغل اور جب فارغ ہوئے تو بعض تو اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور بعض طلبہ اس سے تعلق بھی نہیں رکھتے، کہیں کوئی طبیب بن جاتا ہے، کوئی تاجر بن گیا، کوئی صناع (کاریگر) بن گیا۔

میں کچھ بننے کو منع نہیں کرتا، بنو، مگر علوم سے تعلق تو رکھو، تاکہ اس کا نفع متعدی رہے (سلسلہ باقی رہے) اور اس کی ایک خاص صورت یہ ہے کہ پڑھاتا رہے اور ایک عام صورت ہے کہ وہ یہ وعظ کہتا رہے جس کو آج کل علماء نے بالکل چھوڑ دیا اور اسی لیے اسے جہلاء نے لے لیا، اور اگر ان دونوں میں سے کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم مطالعہ ہی کرتا رہے تاکہ ذہول نہ ہو جائے۔

اور اگر اتفاق سے کسی کے لیے کسب (کمائی) کا ذریعہ بھی یہی علم ہو تو وعظ کو ذریعہ معاش نہ بناؤ، بلکہ کوئی کتاب تصنیف کرو، تدریس میں مشغول ہو اور اس سے معاش حاصل کرو۔ (اشرف العلوم ص:۵۲)

باب (۸)

فصل (۱)

استغناء غیرت، خودداری

اہل علم کو آج کل لوگ ذلیل سمجھتے ہیں

فرمایا کہ امراء عموماً اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں بجز ان کے جنہوں نے اہل علم کو صحبت اٹھائی ہے، اہل علم خود جاجا کر گھستے ہیں مجھے تو بڑی غیرت آئی ہے، **بئس المطاعم حین الذل تکسبھا، فالقدر منتصب و القدر مخفوض۔**

اپنی پیاز روٹی اس سے اچھی ہے جس میں ذلت ہو۔

ایک جج صاحب پرانی وضع اور پرانی روشنی کے ایک مقام پر آئے انہوں نے چاہا کہ وہاں کے رؤساء سے ملاقات کریں ایک رئیس صاحب کے پاس پہنچے تو وہ دور ہی سے صورت دیکھ کر گھر میں چلے گئے، انہوں نے خادم کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ میں فلاں شخص ہوں آپ سے ملنے آیا ہوں نام سن کر وہ رئیس صاحب باہر آئے اور معذرت کر کے کہنے لگے کہ آپ کا عبا دیکھ کر میں یہ سمجھا کہ کوئی مولوی صاحب ہیں، چندہ لینے کی غرض سے آئے ہیں یہ خیالات ہیں عوام کے علماء کے متعلق۔

(دعوات عبدیت وعظ الرضا بالدنیا ص:۱۰۱)

جن علماء کا کم وبیش اثر ہے تو وہ ان کی بزرگی اور درویشی کے خیال کی وجہ سے

ہے صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا اچھا اثر نہیں بلکہ جو صرف عالم سمجھے جاتے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر عوام اہل دنیا ان کی توہین نہ کریں تو غنیمت ہے، یا اگر کسی عالم کی باوجود بزرگ نہ سمجھے جانے کے عزت اور اثر ہو تو اس کی وجہ یہ ہوتی کہ وہ دنیا کے اعتبار سے ذی جاہ ہوتا ہے، اور علی العموم اہل جاہ کی طرف لوگ اپنے کو منسوب کرتے ہیں، غرض صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا کچھ اثر نہیں، یا فقیری کی وجہ سے ہے یا جاہ کی وجہ سے اور بلفظ دیگر امیری کی وجہ سے ورنہ اگر صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا اثر ہوتا تو طلبہ کا بھی بہت اثر ہونا چاہئے تھا کہ وہ بھی تو عالم ہیں۔ اور میں دوسروں کو کیا کہوں خود اپنے اندر بھی یہی حالت دیکھتا ہوں کہ طلبہ کی زیادہ وقعت نظر میں نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی من حیث العلم کچھ وقعت نہیں۔ (دعوات عبدیت السند او بدعت ۴۹/۵)

طلبہ وعلماء کس طرح باوقعت وعزت دار بن سکتے ہیں

اس کی کوشش کرو کہ تمہارے مدرسے اہل دنیا کی نظر میں باوقعت ہو جائیں، جس سے قلوب میں طلبہ کی وقعت ہوگی، باوقعت بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ علماء استغناء برتیں، کیونکہ علماء کی عزت استغناء ہی سے ہوتی ہے، عباء وقبا سے نہیں ہوتی، نیز آج کل طلبہ کو کھانا لانے کے لیے امراء کے گھروں پر بھیجنا مناسب نہیں، کیونکہ اس سے طلبہ عوام کی نظروں میں ذلیل وحقیر ہوتے ہیں اور طلبہ کی حقارت سے علم دین نظروں میں حقیر ہوتا ہے، اس کی کوشش کرو کہ طلبہ کی وقعت ہو جب طلبہ کی وقعت ہوگی تو اہل دنیا اپنے بچوں کو عالم بنائیں گے۔ (انفاس عیسیٰ ۲۸۸/۱)

عزت کا مدار

عزت کا مدار استغناء اور ذلت کا مدار احتیاج ہے، لباس ووضع کو اس میں دخل

نہیں اگر کپڑے پرانے ہیں اور ہفت اقلیم کا بھی دست نگر نہیں، تو وہ معزز ہے اور اگر لباس نوابوں کا سا ہے، ہزاروں روپیہ تنخواہ ہے سامان امیرانہ ہے، مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ اور مل جائے فلاں معاملہ میں کچھ اور ہاتھ آ جائے تو ایسا شخص بالکل ذلیل ہے۔ (حقوق العلم، تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۲۴)

علماء کی بے قدری سادگی سے اور پھٹے ہوئے کرتے، پھٹے ہوئے جوتے سے نہیں ہوتی اس کی تو وہ کچھ بھی پرواہ نہ کریں مگر خدا کے لیے مستغنی ہو کر رہیں، ایک شخص پھٹے ہوئے لباس میں ہو، لیکن عالم ہو، متقی ہو، تو ممکن نہیں کہ مسلمانوں کی نظروں میں اس کی عزت نہ ہو، برخلاف اس کے جو لوگ عبا اور قبا میں ہوتے ہیں چاہے کیسے ہی مہذب طریقہ سے سوال کریں مگر ذلت ضرور ہوتی ہے خاص کر اس وقت جب کہ سوال بھی اپنی ذات کے لیے ہو۔ سوال ضرور ذلت ہے، میں علماء سے کہتا ہوں کھانے کو نہ ملے تو تم اپنے گھر بیٹھو، مزدوری کر کے کھاؤ، اسی کونے میں مر جاؤ، مگر ہاتھ مت پھیلاؤ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی بحمد اللہ میرے نزدیک کچھ نہیں مجھے فاقہ سے بیٹھا رہنا اور گھر کے اندر مر جانا گوارہ ہے مگر کسی کے سامنے اپنی حاجت کا ظاہر کرنا گوارہ نہیں۔ اگر کپڑے نہیں تو پھٹے ہوئے پہنیں، پیوند لگے ہوئے پہنیں، اور امیروں اور نوابوں کی پرواہ نہ کریں، اپنے فاقہ ہی میں مست ہوں، مر جائیں مگر سوال نہ کریں، کسی سے آنکھ ان کی نہ لچے، اپنے خدا سے کام رکھیں۔

جب علماء حق تعالیٰ کا کام کریں گے تو کیا حق تعالیٰ ان کو بھول جائیں گے، علماء ہاتھ پھیلانے کی بدولت نظروں میں ذلیل ہو گئے، اسی وجہ سے امراء اپنے بچوں کو عربی نہیں پڑھاتے اور بعض تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو اپنی اولاد کو گدا (فقیر) بنانا منظور نہیں۔ (وعظ امید رحمت کے صحیح معنی ص:۱۶۸)

کسی کا احسان نہ لادے

میرا جی یوں چاہتا ہے کہ کسی کا احسان نہ لیا جائے، بات یہ ہے کہ جب آدمی لاگ لپیٹ رکھے تب ہی اس کو لچنا پڑتا ہے اور جب لاگ لپیٹ نہ ہو تو پھر لچنے کی کیا ضرورت ہے، بلاضرورت آدمی کو کسی کا احسان نہ لینا چاہئے ورنہ دینا ضرور پڑتا ہے، ہمارے اکابر کا یہی اصول رہا ہے کہ بات صاف رکھتے، چھوٹا ہو یا بڑا کسی کا احسان بلا وجہ نہ لیتے۔ (حسن العزیز ۱۷۲/۴/۲)

اہل علم کو استغناء کی ضرورت

وہ دنیا کو لے کر تم سے مستغنی ہو گئے تم دین لے کر ان سے مستغنی ہو جاؤ، میں خدا کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم اہل دنیا سے مستغنی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ ان کی غیب سے مدد کریں، اور بلکہ خود یہی اہل دنیا جو آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگیں گے اور ان کے محتاج ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے جس طرح اپنی ضروریات کے لیے کم وبیش دنیا کی ضرورت ہے، دین کی اس سے زیادہ ضرورت ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، رئیس ہو یا غریب، اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے پاس بقدر ضرورت دنیا موجود ہے اور اہل دنیا کے پاس دین کچھ بھی نہیں تو ان کو ہر امر میں موت میں، حیات میں، نماز میں، روزے میں، سب میں علماء کی احتیاج ہوگی، اور اگر کوئی کہے کہ مجھے دین کی ضرورت نہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں، غرض ایک وقت ایسا آئے گا کہ اہل دنیا خود علماء کے پاس آئیں گے، پس علماء کو بالکل استغناء کرنا چاہئے، اور خدا تعالیٰ کے دین میں مشغول ہونا چاہئے، ہم لوگوں میں بڑی کمی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتے اگر خدا تعالیٰ سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پرواہ نہ رہے، بعض عالموں نے اپنا طرز عمل ایسا کر دیا کہ اہل دنیا کو

ان کی بدولت خود علم سے نفرت ہوگئی، یعنی بعض علماء نے امراء سے ملنا اور اختلاط کرنا، اس قدر بڑھا دیا اور اس کی وجہ سے ان امراء کی ہاں میں ہاں ملانے لگے کہ ان کو دیکھ کر اہل دنیا نے سمجھا کہ سب عالم ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔

(دعوات عبدیت ۵/۱۴۷)

علم کے لے استغناء کیوں لازم ہے

کیونکہ علم کمال ہے اور کمال کا خاصہ ہے استغناء، دیکھئے بڑھئی لوہار، جب اپنے فن کے کامل ہوجاتے ہیں تو کیسے مستغنی ہوجاتے ہیں تو کیا علم ان ذلیل کاموں کے برابر بھی اثر نہیں رکھتا؟ ضرور رکھتا ہے اور بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ جس میں استغناء نہیں اس کے کمال ہی میں کمی ہے، جن لوگوں کو آپ عالم کہتے ہیں یہ واعظ ہیں، جنہوں نے چند اردو، فارسی کے رسالے یاد کرلیے ہیں (یا مدرسہ میں خانہ پری کرکے وقت گذار دیا ہے) ان کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی، یہ لوگ اپنے کو علماء کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ (دعوات عبدیت ۵/۱۴۹)

ریاکاری اور دکھلانے کے لیے استغناء ہو تو بھی فائدہ اور ثواب سے خالی نہیں

مالداروں سے علماء وصلحاء کا اظہار اِستغناء دین کی اہم ضرورت ہے اس کے نہ ہونے کے سبب عام لوگوں میں نہ علماء کی بات کا کوئی اثر رہتا ہے نہ وہ اس سے استفادہ کرسکتے ہیں کیونکہ وہ اپنا محتاج سمجھتے ہیں اس لیے اگر کسی شخص کے دل میں اخلاص نہ ہو محض دکھلاوے اور ریا کے لیے مالداروں سے استغناء کا اظہار کرے وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں، کیونکہ ریا کی وجہ سے اگرچہ اس کو اس عمل کا ثواب نہ ملے گا

لیکن یہ عمل سبب اور ذریعہ ہوگا اعزازِ دین کا، اس کا ثواب اس کو پھر بھی ملے گا، کیونکہ کسی عمل صالح کا تسبب اگر بلا نیت یا نیت فاسدہ سے بھی ہو تو تسبب کا ثواب ضائع نہیں ہوتا وہ پھر بھی ملتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کوئی درخت پھل دار لگایا اور پھر اس کا پھل جانوروں نے کھایا تو اس کا ثواب بھی درخت لگانے والے کو ملے گا حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ درخت لگانے کے وقت اس کی یہ نیت نہ تھی کہ جانور اس کا پھل کھائیں گے بلکہ اس کے خلاف کی نیت تھی کہ جانور پھل کھانے آئے گا تو اس کو مار بھگائے گا مگر چونکہ یہ شخص جانوروں کے فائدہ کا سبب بہرحال بن گیا تو اس کو اس کا ثواب ملتا ہے اسی طرح ریا کاری سے استغناء کرنے والے کو بھی اعزازِ دین کا ثواب بطور تسبب کے ملے گا۔ (مجالس حکیم الامت ص: ۳۱۵)

فصل (۲)

اہل علم کی شان

اہل علم کی شان یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی فاقہ مستی پر نازاں اور خوش ہوں اور کسی اہل دنیا کی طرف ہاتھ نہ پھیلائیں بلکہ منھ بھی نہ لگائیں اہل علم کو تو دنیا اور دنیا والوں پر نظر بھی نہ کرنا چاہئے۔ (الافاضات الیومیہ۲/۸۰)

عوام کے تابع بن کر نہ رہنا چاہئے

علماء کو عوام اور جہلاء کے تابع بن کر نہیں رہنا چاہئے اس سے دین کی عظمت و احترام ان لوگوں کے قلوب سے نکل جانے کا اندیشہ ہے۔ آج عوام کی ہمت اور جرأت بڑھ گئی ہے کہ وہ اہل علم کو حقیر سمجھتے ہیں اس کا سبب یہ اہل علم ہی ہوتے ہیں۔ یہ سب علماء کے ڈھیلے پن ہونے کی بدولت ہے۔ (القول الجلیل ص:۸۳)

علماء کو عام دعوتوں میں شریک نہ ہونا چاہئے

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ فقہاء و علماء کسی کی دعوت نہ کھائیں اس کا راز یہ ہے کہ آج کل اس میں ذلت ہے واقعی یہ حضرات فقہاء حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ فقہاء و علماء کو کسی کی شہادت بھی نہ دینی چاہئے اس کا راز یہ ہے کہ ان کو سب مسلمانوں سے یکساں تعلق رکھنا چاہئے، اور شہادت میں ایک فریق شمار کیا جائے گا۔

(الافاضات الیومیہ۲/۱۱۴)

علماء کو ضروری تنبیہ

فرمایا کہ علماء کو اموال کے لینے میں بہت احتیاط کرنا چاہئے آج کل اس کی پرواہ نہیں کی جاتی، اس بات میں بہت تسامح ہے۔اس کا ضرر بہت زیادہ ہے دین کی سخت بے وقعتی اور ذلت ہوتی ہے، امراء کی طرف اگر خود التفات کیا جائے خواہ کیسے ہی خلوص سے لیکن ان کو بھی گمان ہوتا ہے کہ ان کی کچھ غرض ہے، برخلاف غرباء کے کہ ان سے ذرا شیریں کلام کیا جائے تو پانی پانی ہوجاتے ہیں۔

دین کی وقعت محفوظ رکھنے کے لیے میں امراء سے از خود کبھی تعلق پیدا نہیں کرتا ہاں وہ خود ہی تعلق پیدا کرنا چاہیں تو انکار بھی نہیں کرتا حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب امیر تمہارے پاس دین کی وجہ سے آیا تو وہ امیر نہیں وہ نعم الامیر ہو گیا دنیادار سمجھ کر ہرگز اس سے بے التفاتی نہ کرنا چاہئے۔

(حسن العزیز جلد ۱، ث ۶۲)

فرمایا علماء کو بحیثیت امارت امراء سے خود ان کے پاس جا کر نہ ملنا چاہئے البتہ اگر ان سے کوئی دوسرا تعلق ہو مثلاً کسی امیر سے پہلے دوستی ہو تو وہ دوسری بات ہے۔

(القول الجلیل ص:۸۳)

امراء سے چاپلوسی اور مخالطت کی مذمت اور اس کا انجام

زیادہ تر گنجائشیں امراء کے واسطے نکالی جاتی ہیں، اسی واسطے حدیث میں بڑی مذمت آئی ہے اس عالم کی جو امراء میں گھسا رہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسائل کا اظہار میں تساہل ہوجاتا ہے، جہاں پلاؤ قورمے اور عمدہ مال کھانے کو ملے تو وہاں کیا پرواہ رہ سکتی ہے دین کی، وہاں تو یہ ڈر ہوگا کہ اگر حق بات کہیں گے تو پلاؤ قورمے

جاتے رہیں گے ایسی جگہ امید نہیں کہ صاف بات کہیں بلکہ کیفیت یہ ہوگی کہ اگر امراء ناجائز فعل کو پوچھیں گے تو تاویل کر کے جائز بتلا دیں گے چنانچہ امراء کے یہاں شطرنج کا مشغلہ عموماً ہوتا ہے اب جو ان کے یہاں حاضر باش علماء ہیں وہ تاویل کر کے جائز بتلا دیتے ہیں مثلاً یہی کہہ دیتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، اوران کے نزدیک بھی جو شرطیں ہیں ان کا نام تک نہیں لیتے سو امراء کی مخالطت سے یہ حالت ہو جاتی ہے اس واسطے حدیث میں آتا ہے ''اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الدِّیْنِ مَالَمْ یُخَالِطُوْا الْاُمَرَاءَ فَاِذَا خَالَطُوْا الْاُمَرَاءَ فَهُمْ لُصُوْصُ الدِّیْنِ فَاحْذَرُوْهُمْ'' یعنی علماء دین کے امین ہیں جب تک کہ وہ امراء سے مخالطت نہ کریں، اور جب امراء میں گھسنے لگیں تو وہ دین کے ڈاکو ہیں، ان سے لوگوں کو بچنا چاہئے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جو علماء امیروں سے مخالطت رکھتے ہیں ان کی کیسی خراب حالت ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ طبائع میں عموماً طمع (لالچ) غالب ہے اس لیے امراء سے جب مخالطت ہوتی ہے تو اظہار حق سے طمع مانع ہو جاتی ہے تو یہ ساری خرابی طمع کی ہے۔

اور علماء کو اس سے دنیوی ضرر بھی پہنچتا ہے کہ ان کی عظمت امراء کے قلب میں بالکل نہیں رہتی دل میں وہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہماری خاطر سے ایسا فتویٰ دے رہے ہیں۔ بس وہ ان کو ایک آڑ بنا لیتے ہیں، ورنہ حقیقت وہ بھی جانتے ہیں سو جب یہ حالت ہے تو پھر ان علماء سے کیا امید ہے اصلاح کی۔ (التبلیغ ۱۵، احکام المال ص:۲۸)

اہل دنیا خصوصاً اہل مال دین اور اہل علم کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں اس لیے اہل علم کو ہرگز ان کی چاپلوسی نہیں کرنی چاہئے، منھ بھی نہ لگانا چاہئے، اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۹/۲ قسط:۱)

امراء سے اختلاط ذلت کا باعث ہے

بعضے علماء اس لیے امراء سے ملتے ہیں کہ لوگوں میں عزت ووقعت بڑھے گی

حالانکہ عام مسلمان اس کو اہل علم کے لیے عیب سمجھتے ہیں واقع میں بھی علماء کی عزت و شان کے یہی مناسب ہے کہ دین کی خدمت کریں امراء سے مستغنی رہیں، غرباء کے ساتھ خوش خلقی کریں اور امراء کی نظر میں تو اس سے اچھی خاصی ذلت ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ خوشامد کے لیے ملتے ہیں، اور ایک اثر امراء وغرباء دونوں پر ایسا ہوتا ہے کہ تحقیق دین اور فتویٰ کے باب میں اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ ان کے وعظ، فتویٰ اور تقریر پر وثوق (اعتماد) نہیں رہتا، خیال ہوتا ہے کہ شاید دنیاداروں کی خوشامد میں ایسا کرتے ہیں۔

بعضے علماء، امراء واہل اموال سے اختلاط اس غرض سے رکھتے ہیں کہ ان سے وقتاً فوقتاً کچھ حاصل ہوتا رہے، اس میں گاہے یہاں تک نوبت آتی ہے کہ ان کی غرض سے مسئلہ بتادیتے ہیں یا بنالیتے ہیں جس سے سردست وہ خوش ہوجاتے ہیں لیکن بہت جلد ہی ایسے علماء ان کی نظر سے گر جاتے ہیں، اور پھر وہ ان تمام کو عام علماء پر قیاس کر کے پوری جماعت سے متنفر ہوجاتے ہیں۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۴۹-۵۲)

امراء کی چاپلوسی کے متعلق ایک مولوی صاحب کو تنبیہ

ایک نئے آدمی کلکتہ سے دیوبند اور دیوبند سے ایک مولوی صاحب کو ہمراہ لے کر تھانہ بھون حاضر ہوئے مولوی صاحب موصوف نے ان صاحب کی غَیبت میں حضرت والا سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ یہ مالداری کے اعتبار سے بہت بڑے شخص ہیں کلکتہ میں مسلمانوں کے اندران کی ایک ممتاز ہستی ہے۔

حضرت والا سے بعض ضروری باتوں کے متعلق بغرض مشورہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، اگر حضرت والا اجازت فرمائیں اور کوئی وقت متعین فرمادیں تو میں ان سے کہہ دوں، حضرت نے فرمایا ان سے جب گفتگو ہوگی ان کو مشورہ دیا ہی جائے گا مگر ان سے پہلے خیرخواہی کی غرض سے آپ کو مشورہ دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو ان کے

ساتھ آنے کی کون سی ضرورت تھی، جب کلکتہ سے دیو بند تک خود آ گئے تھانہ بھون آنا کون سا مشکل تھا، میں اہل علم کے لیے ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا، یہ اہل دنیا خصوصاً مال والے اہل علم اور اہل دین کو حقیر نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے اہل علم کو ہرگز ان کی چاپلوسی نہیں کرنی چاہیے منھ بھی نہیں لگانا چاہئے۔

اب آپ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مجھ کو ان کی بھی بعض رعایتیں کرنی پڑیں گی آپ ساتھ نہ ہوتو جو وقت کی مصلحت اور ضرورت سمجھتا وہ ان کے ساتھ برتاؤ کرتا آئندہ ایسی باتوں کا آپ کو خیال رکھنا چاہئے۔ میں جو آپ کو مشورہ دے رہا ہوں اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے، عرض کیا کہ میں سمجھ چکا ہوں انشاء اللہ آئندہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ میری کم فہمی اور غلطی کو معاف فرمائیں، فرمایا خدا نہ کرے آپ کم فہم ہوں نہ میرا یہ مطلب ہے بلکہ بے فکری اس کا سبب ہے اگر کسی کام کے کرنے سے پہلے اس میں غور وفکر کرلیا جائے تو غلطیوں کا صادر ہونا گو پھر بھی ممکن ہے مگر شاذ ونادر اور بغیر غور وفکر بکثرت غلطیوں کا صدور ہوتا ہے۔

(الافاضات الیومیہ ۱/۸)

امراء سے ملنے میں مداہنت پیدا ہو جاتی ہے

(امراء سے ملنے میں) علماء کے اندر مداہنت پیدا ہو جاتی ہے اور (ان کی) صحبت کی ترقی سے اس میں ترقی ہوتی ہے، حتی کہ قلب سے اس کا اثر زبان پر آتا ہے یعنی پہلے قلب میں حق کی عظمت اور باطل سے نفرت کم ہو جاتی ہے پھر زبان سے اظہار حق کی ہمت گھٹتی ہے پھر باطل کا اظہار خفیف معلوم ہونے لگتا ہے، پھر اس کا صدور ہونے لگتا ہے حتی کہ ان امراء کو اس کا احساس ہو کر اتنا حوصلہ ہو جاتا ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں کے موافق ان علماء سے توجہات کی فرمائش کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ ان کو پورا کرنے لگتے ہیں۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۵۲)

اس مقام پر آ کر ان کا قلب مسخ ہو جاتا ہے اور حق بینی کی استعداد ہی ضائع ہو جاتی ہے، پھر ان کی اصلاح کی کوئی توقع نہیں رہتی اور امت محمدیہ کے لیے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہو جاتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اگر شیطان فارغ ہو بیٹھے تو بھی بعید نہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے ایسی ہی طالب دنیا کو دیکھا ہے کہ ایک ہزار روپیہ لے کر اور ایک ترکیب تراش کر حقیقی ساس کے ساتھ حلت نکاح کا فتوی لکھ دیا حدیث میں اسی طرح کے مسخ قلب کا ذکر ہے لیکن یہ سب خرابیاں اسی وقت ہیں جب امراء کو مطلوب بنا کر جائیں، اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض وہ علماء ہیں جو امراء سے ملتے ہیں۔ (تجدید تعلیم: ۵۴)

امراء سے اختلاط کی صورت اور اس کے شرائط

میں از طرف خود تو حکام سے میل جول بڑھانے کا مخالف ہوں خصوصاً علماء کے لیے کہ یہ ان کی وضع کے بالکل خلاف ہے، علماء کو تو گوشہ نشین ہونا چاہئے، لیکن اگر ملنا ہو یا کوئی کام پڑ جائے تو ادب کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور بے ادبی اور منہ زوری کو شرارت نفس سمجھتا ہوں ترک ادب کوئی کام کی بات نہیں، بلکہ اس میں شرارت نفس یعنی شیخی ہے کہ ہم ایسے ہیں کہ حاکم سے بھی نہیں دبتے، نہ دبنا کیا چیز، یعنی جب اس کو خدا تعالیٰ نے حاکم بنایا ہے یوں نہ دبو گے تو دبائے جاؤ گے۔

(حسن العزیز ۴/۱۹۱)

تحقیر جائز نہیں

امراء سے اجتناب کرنے میں ان کو حقیر اور اپنے کو مقدس نہ سمجھے بلکہ ان کو مبتلائے دنیا وجہل سمجھ کر رحم اور دعا کرے، اور اپنے کو ضعف دین کا مریض جان کر اجتناب کو ایسا سمجھے جیسا کمزور طبیعت والے کو جس میں تاثر کا مادہ زیادہ ہو، اس کو متعدی

مرض کے مریض سے بچاتے ہیں، اور ساتھ ہی غصہ بھی نہیں کرتے بلکہ رحم کھاتے ہیں۔

بعض لوگ دنیاداروں کو دھتکار دیتے ہیں سخت سست کہتے ہیں حتی کہ بعضے پہرا بٹھادیتے ہیں اگرچہ یہ لوگ متکبر کا پورا علاج ہیں لیکن یہ تکوینی علاج ہے تشریعی نہیں اور ایسا برتاؤ یا اخلاق شرع کے بالکل خلاف ہے۔ پھر بعضے ایسے بھی ہیں کہ ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے امراء میں شہرت ہوتی ہے لوگ بڑا بزرگ سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کو ریاء کار کہنا زیادہ زیبا ہے اور بعض لوگ واقع میں اپنے کو مقدس اور دوسروں کو گنہ گار سمجھتے ہیں اس لیے ان سے نفرت کرتے ہیں ایسے کو متکبر کہنا بجا ہے۔ (تجدید تعلیم ص:۵۴-۵۵)

فصل (۳)

طلبہ کو استغناء کی تعلیم

فرمایا آج ایک صاحب نے فرمایا کہ جو کام طالب علموں کے متعلق ہو تو مجھے اطلاع دے دی جایا کرے، حضرت نے فرمایا کہ طالب علموں کا کام خدا کے فضل وکرم سے چل ہی جاتا ہے، دوسرے موقع پر فرمایا کہ خدا نہ کرے جو طالب علموں کی حاجت ان کے سامنے پیش کی جائے، شرم آتی ہے طالب علموں کی بابت کسی سے کہتے ہوئے، یوں دل چاہتا ہے کہ طالب علم بادشاہ بن کر رہیں تاکہ ان میں استغناء کی شان پیدا ہو اور دوسرے لوگ بھی اس استغناء کو دیکھ کر سبق حاصل کریں۔

(حسن العزیز ۲/۲۱۲)

طلبہ کو ذلت اور بدنامی سے بچانے کا اہتمام

فرمایا ایک مرتبہ کانپور میں سب طالب علم ایک جگہ دعوت میں جارہے تھے

میں نے خود اپنے کانوں سے بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ خدا خیر کرے دیکھئے کس کے گھر چڑھائی ہوئی ہے فرمایا کہ بس جب ہی سے یہ سن کر طالب علموں کا کسی کے مکان پر دعوت کھانے کے لیے جانا بالکل بند کر دیا۔ (حسن العزیز:۴۳/۲)

طلبہ کو گھروں میں کھانا لینے یا دعوت کھانے جانا

اکثر جگہ جہاں طلبہ کو لوگ ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں طلبہ کے لیے معیوب ہے کہ کسی کے گھر پر کھانا لینے جائیں، اس میں علم اور اہل علم کی سخت تحقیر واہانت ہے، نیز اس میں ایک اخلاقی خرابی ہے وہ یہ کہ دوسرے سے مانگنے میں انقباض طبعی یعنی جھجک نہیں رہتی دل کھل جاتا ہے اور یہی انقباض طبعی حیاء کی ایک بڑی فرد ہے جو انسان کو ذلت کے سوال سے روکتی ہے جب وہ نہ رہی تو اس شخص کو جب موقع ہوگا بے تکلف لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا گویا عمر بھر کے لیے اس کا ایک فطری کمال برباد ہوگیا، اسی طرح دعوت میں بھی طلبہ کو نہ بھیجا جائے جس شخص کو کھلانا ہو مدرسہ میں لاکر کھلائے، اس سے ان کی عزت بھی محفوظ رہے گی اور خود ان میں بھی ایک شان استغناء واولوالعزمی وحیاء پیدا ہوگی جس کا اثر لوگوں پر اچھا ہوگا۔ پہلے بزرگوں نے طلبہ کے لیے اس کو گوارا رکھا ہے، لیکن اس وقت دنیادار اہل علم کو ذلیل نہ سمجھتے تھے، بلکہ وہ لوگ ان حضرات طلبہ کے آنے کو اپنے گھر کے لیے موجب برکت سمجھتے تھے، اور اب عوام کے حالات وخیالات اکثر بدل گئے، اس لیے یہ مفسدہ حادث ہوگیا اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس امر میں مفسدہ ومصلحت دونوں ہوں وہ واجب الترک ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا مقام ہو جہاں یہ مفسدہ تحقیر کا نہ ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

اور اسی کی فرع ہے طلبہ کے لیے فراہمی چندہ کے لیے سفر کرنا اس کے بھی وہی آثار ہیں جو گھروں پر کھانا لینے جانے کے ہیں۔ (حقوق العلم ص:۸۹)

طلبہ کی دعوت اور حضرتؒ کا معمول

طالب علموں کو میں کسی کے یہاں جانے نہیں دیتا اگر کوئی دعوت کرتا ہے تو اگر کھانا یہیں پہنچادے تو لے لیا جاتا ہے ورنہ دروازہ پر جا کر کھانے میں طالب علموں کی ذلت ہوتی ہے۔ اگر عزت کے ساتھ خود کھانا یہاں بھیج دیا جائے تو ان کو دے دیا جاتا ہے، لوگوں کو طلبہ سے محبت نہیں ہے، صرف اس نیت سے طلبہ کو ایسے موقعوں پر کھلاتے ہیں کہ کوئی الا بلا ہو تو دور ہو جائے۔ وجہ یہی ہے کہ ان کو فضول اور بیکار سمجھا گیا ہے سو ہمارے یہاں کے طلبہ گو غریب ہیں لیکن ایسے گرے پڑے نہیں، یہی وجہ ہے کہ میں نے یہاں قانون مقرر کیا ہے کہ کسی کے دروازے پر طالب علم کھانے نہیں جائیں گے۔ جسے کھلانا ہو کھانا بھیج دے، قانون مقرر کرنا اس لیے ہوا کہ لوگ طالب علموں کو ذلیل سمجھتے ہیں، یہی باتیں افسوس کے قابل ہیں طالب علموں نے کیا قصور کیا ہے۔ یہ لوگ نائب رسول ہیں کیا رسول کی یہی قدر ہوتی ہے؟ جب رسول کی قدر نہیں تو نائب رسول کی یہ قدر ہے، لوگ انہیں حقیر سمجھتے ہیں ہم بادشاہ سمجھتے ہیں آخر انہوں نے کیا جرم کیا ہے یہ لوگ وہ کام کر رہے ہیں جو رسول نے کیا اس کا یہی انعام اور قدر ہے کہ ان کو ذلیل سمجھا جائے، مجھے واللہ بڑی غیرت آتی ہے۔

آپ ہی انصاف کیجئے یہ وقت ہے دعوت کا اور کیا کھانے کے وقت دعوت کو کہا کرتے ہیں، یہ ان کے ذلیل سمجھنے کی نشانی ہے، بس یہ سمجھا گیا کہ غریب ہیں، جس وقت کہا جائے گا فوراً آمادہ ہو جائیں گے، زیادہ افسوس یہ ہے کہ بعض اہل علم نے بھی اپنی قدر اپنے ہاتھوں ضائع کر رکھی ہے، میرٹھ میں ایسا ناگوار قصہ ہوا کہ ایک رئیس نے طلبہ کی دعوت کی، طلبہ کی تعداد معین کر دی لیکن عدد سے زیادہ جا پہنچے، دیکھئے! جب ہم اپنے ہاتھوں ذلیل ہوں گے، تو لوگ کیوں نہ ذلیل سمجھیں۔ وہ لکھ

پتی رئیس تھے مگر کم ہمتی کی، باضابطہ پابندی کی کہ انہوں نے زیادہ دیکھ کر سب طلبہ کو واپس کر دیا۔ خیر اچھا کیا اپنی حرکت کی سزا بھگتی، بعد میں لوگوں نے رئیس کو ملامت کی کہ تم نے یہ کیا کیا، اس نے پھر آدمی بلانے کے لیے بھیجا، بے شرمی دیکھئے کہ وہ لوگ پھر آ گئے، ڈوب مرنے کی بات ہے عزت سے روکھی روٹی کھانا اس سے اچھا ہے کہ بریانی اور متنجن کھائیں مگر ذلت ہو۔ (حسن العزیز ۱/۳۷۵)

یہاں تک انتظام کیا ہے کہ طلبہ کی دعوت بھی جس میں کسی جگہ گھر جانا پڑے قبول نہیں کی جاتی اگر چہ دعوت کا کھانا لینا بھیک نہیں ہے مگر چونکہ آج کل طلبہ کی دعوت اکثر لوگ ان کو ذلیل سمجھ کر کرتے ہیں، اس لیے ہم نے اس کو بھی قبول نہیں کیا اور میں دینے والوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ اگر وہ طلبہ کو کچھ دیں تو عزت کے ساتھ دینا چاہیئے، وہ آپ کے مہمان ہیں دیکھئے اگر آپ کا کوئی مہمان مسجد میں آ کر ٹھہرے اور کھانے کے وقت گھر جانے سے انکار کر دے تو آپ کیا کریں گے آیا اس مہمان سے کہیں گے کہ دروازہ پر جا کر کھانا لے آؤ یا مسجد جا کر خود اس کو کھانا دیں گے؟ پھر طلبہ کے ساتھ یہ کیوں نہیں کیا جاتا۔ (دعوات عبدیت ۷/۶۱)

اگر واقعی اکرام کے ساتھ طلبہ کی دعوت کی جائے تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں

میں نے مدرسہ کانپور میں ایک قانون مقرر کر دیا تھا کہ طلبہ دعوت کھانے کہیں نہیں جائیں گے جس کو کھلانا ہو یہیں لا کر کھلا جائے، لوگ کہتے ہیں کہ بڑے متکبر ہیں، اچھا صاحب متکبر ہی سہی کیا کیا جائے جب لوگ طلبہ کو ذلیل سمجھتے ہیں (تو ایسا کرنا ہی پڑتا ہے)۔

ہاں اگر کوئی اکرام کرے تو وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں مگر اب تو کچھ پوچھو نہیں کہ لوگ کیسا سمجھتے ہیں (لیکن پھر بھی) اگر کہیں عزت ہوتی ہو اور اہانت نہ ہوتی ہو تو جاؤ کچھ حرج نہیں بلکہ وہاں نہ جانا تو ایک قسم کا تکبر ہے۔

(وعظ التبشیر ملحقہ دعوت و تبلیغ ص: ۳۷۰)

اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں بھی طلبہ کو دعوت میں نہ بھیجا جائے

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت آج میرے گھر طلبہ کی دعوت ہے ان کو بھیج دیجئے، فرمایا یہ کہیں نہیں جاتے اگر تم کو کھلانا ہوتا تو یہیں لے آتے۔ اور میں ان کو کسی کے گھر نہیں جانے دیتا خود میرے بھائی کے یہاں شادی تھی اور انہوں نے گھر بلا کر کھلانے کو کہا مگر میں نے اجازت نہیں دی، حالانکہ ماشاء اللہ عقلمند ہیں، بہت تعظیم سے کھلاتے ہیں مگر میں نے بھائی سے کہا کہ اگر آج تمہارے گھر جائیں گے تو کل دوسرا شخص بھی تقاضا کرے گا وہ شخص کچھ دیر بعد بولا کہ اچھا میں یہاں لے آؤں (حضرت نے) ایک شخص سے فرمایا کہ ان کو سمجھا دو کہ تم مجبوری سے کہہ رہے ہو، ورنہ جی تمہارا یہی چاہتا ہے کہ گھر چلیں اور جس دعوت میں مجبوری ہو وہ بھی قبول نہیں کی جاتی رمضان کے بعد اگر تم نے اسی طریقہ سے کہا تو منظور کر لیں گے۔

طلبہ کو لوگ ذلیل سمجھتے ہیں اس واسطے میں ان کو کسی کے گھر نہیں جانے دیتا مگر معلوم نہیں ان میں کے علاوہ کیا عیب ہے کہ یہ اللہ کی راہ میں لگ رہے ہیں وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُّؤْمِنُوْا۔ (کلمۃ الحق ص: ۴۰)

شروع شروع میں یہاں کے قصبہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم طلبہ کو کھانا دیں

گے میں نے کہا جیسے مہمانوں کے پاس سینی بھیجتے ہو اگر اسی طرح یہاں لاکر دینا منظور ہو تو بہتر ہے ورنہ منظور نہیں چونکہ درخواست ان کی طرف سے تھی اس واسطے ہم کو شرط لگانے کا حق تھا اور اگر درخواست ہماری طرف سے ہوتی تو ان کو شرط لگانے کا حق تھا۔ (کلمۃ الحق ص:۴۵)

امام مالکؒ کا استغناء

ہارون رشید نے امام مالکؒ سے درخواست کی تھی کہ شہزادوں کو حدیث شریف پڑھایا کیجئے انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی کے خاندان سے علم دین کی عزت ہوئی ہے اور آپ ہی بے عزتی کرتے ہیں۔ ہارون نے کہا کہ اچھا شہزادے وہاں ہی حاضر ہوں گے مگر اس وقت عام رعایا الگ کر دیئے جایا کریں۔ ہارون رشید کو یہ خیال ہوا کہ اگر شہزادے سب سے الگ پڑھیں گے تو ان کا رعب باقی رہے گا اس لیے امام مالک سے عرض کیا کہ شہزادوں کے ساتھ کسی کو نہ بٹھائیں۔ امام صاحب نے فرمایا یہ بھی نہیں ہوسکتا، غرض بالآخر شہزادے ہی حاضر ہوا کرتے اور حدیث شریف سنا کرتے تھے تو اس وقت بادشاہ ایسے تھے کہ ایک عالم نے ٹکا سا جواب دے دیا اور اس کو بادشاہ نے قبول کرلیا۔ اس وقت بھی علماء کو چاہئے کہ اپنے کو ذلیل نہ کریں لیکن بہت زیادہ اجتناب بھی نہ کریں اس میں اہل دنیا بالکل ہی محروم رہیں گے یعنی اگر کوئی شخص انتفاع دین کے لیے اہل علم کو قدر کے ساتھ بلالے تو چلا جانا مناسب ہے۔

(دعوات عبدیت ضرورۃ العلماء ۱۱/۶۷)

حضرت سلیم چشتیؒ کا استغناء

حضرت سلیم چشتی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ پیر پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے کہ بادشاہ مع وزیر کے آیا، بادشاہ کو دیکھ کر آپ اسی طرح بیٹھے رہے، وزیر کو آپ کا یہ

انداز گراں گذرا، اس نے کہا کہ حضرت پیر پھیلا کر بیٹھنا کب سے سیکھ لیا ہے، فرمایا کہ جب سے ہاتھ سمیٹ لیا ہے، اس کے بعد وزیر نے کہا کہ بادشاہ اولی الامر میں داخل ہے اس کی تعظیم آپ کو کرنی چاہئے فرمایا کہ بادشاہ تمہارے اولی الامر میں داخل ہوگا میرے تو غلام کا غلام ہے وزیر نے کہا کہ حضرت یہ کیسے؟ فرمایا کہ خواہشات نفس میرے غلام ہیں اور بادشاہ خواہشات نفس کا غلام ہے لہٰذا میرے غلام کا غلام ہوا۔ (حب العاجلۃ دعوات عبدیت ۸۳/۱۰)

مولانا شہیدؒ کا قصہ

مولانا شہید کا واقعہ ہے کہ جب آپ لکھنؤ تشریف لائے تو ایک شہزادہ خدمت میں حاضر ہوا اور زمین بوس سلام کیا، آپ نے اس سلام کے جواب میں اس کو انگوٹھا دکھلا دیا آخر یہ کیا بات تھی آج تو اگر کوئی معمولی زمیندار مرید ہوجائے تو غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ بات یہی تھی کہ ان حضرات کے دل میں دنیا کی نہ وقعت تھی نہ محبت۔ (دعوات عبدیت ص:۸۳)

ایک بزرگ کا استغناء

ایک بزرگ کے پاس ایک بادشاہ گئے وہاں خدام کا پہرہ تھا بادشاہ نے اندر جانے کی اجازت چاہی خادم نے اجازت نہ دی اور کہا کہ شیخ سے دریافت کرلوں اگر وہاں سے اجازت ہوگئی تو اجازت دوں گا۔ چنانچہ شیخ سے جا کر عرض کیا اور شیخ کے اجازت دینے پر بادشاہ کو اجازت دے دی، بادشاہ کو چونکہ اس قسم کی روک ٹوک کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی اس لیے سخت ناگوار ہوا، اور شیخ کے روبرو کہنے لگا، درویش رادرباں نباشد۔ اس کو سن کر شیخ نے اس کے تکبر کے مقابلہ میں نہایت بے باکانہ انداز سے فرمایا، بباید تا سگ دنیا نیاید۔ اور وجہ اس بے پرواہی اور استغناء کی یہ ہوتی

ہے کہ: طمع بکسل و ہر چہ خواہی بگو۔ یعنی حرص اور لالچ چھوڑ کر پھر جو جی میں آئے کہو۔ (دعوات عبدیت ۱۰/۸۳)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا استغناء

ایک دفعہ رامپور گئے تو اب صاحب کو خبر ہوئی تو بلایا مگر مولانا نہیں گئے، اور یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں، آداب شاہی سے واقف نہیں خدا جانے کیا بے ادبی ہو جائے نواب صاحب نے کہا کہ آپ کو آداب وغیرہ سب معاف ہیں، آپ تشریف لائیے ہم کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے کہ ملنے کا اشتیاق تو آپ کو ہو، اور آؤں میں۔ غرض نہ گئے۔ باوجود ایسی آزادی کے روڑکی میں مجسٹریٹ سے ملنے سے انکار نہ کیا کیونکہ اس سے ملنے میں دینی مصلحت تھی۔ (حسن العزیز ۴/۳/۱۷)

حضرت گنگوہی کا استغناء

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے پاس ڈیڑھ سو روپیہ کا پوستین ایک جگہ سے آیا ایک نواب آپ کے یہاں آئے ہوئے تھے، آپ نے ان کو دے دیا اور فرمایا کہ یہ میرے کام کا تو ہے نہیں اور آپ کے کام آجائے گا، مولانا اس طرح نہ رہتے تھے کہ کسی نواب یا امیر سے گردن نیچی کرنی پڑے بلکہ ایسا برتاؤ کرتے تھے کہ ان کو ہی گردن نیچی کرنی پڑتی تھی، اور کبھی آپ لباس بھی عمدہ پہنتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نواب اور والی ملک ہیں، ہزاروں روپیہ بھی نہ لیتے تھے اور ویسے روپیہ دو روپیہ بھی قبول فرمالیتے، ایک بادشاہ نے ایک دفعہ شاید دس ہزار روپیہ بھیجے تھے، آپ نے واپس کر دیئے اور فرمایا کہ ضرورت کے لائق میرے پاس روپیہ موجود ہے میں اس قدر روپیہ لے کر کیا کروں گا سو امیروں کے ساتھ تو یہ برتاؤ تھا اور غریبوں سے ایک

دو روپیہ بھی لے لیتے تھے۔ (التبلیغ ۱۵/۱۰۹، ۱۱۱، احکام المال)

صاحب ملفوظ (حضرت تھانویؒ) کا استغناء

(۱) ایک رئیس نے میرے پاس دو سو روپے مدرسہ کے لیے بھیجے اور لکھا کہ میرا ارادہ ہے کہ آپ کو یہاں بلانے کی تحریک کروں۔ اگر یہ جملہ نہ ہوتا تو میں لے لیتا، میں نے لکھ دیا کہ روپیوں کے ساتھ بلانے کی درخواست کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روپئے بھیجنے سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ میں ان سے متاثر ہوکر آپ کی درخواست کو منظور کرلوں اس لیے میں نے وہ روپئے نہیں لئے، ڈاکخانہ میں جمع کر دیئے ہیں، اگر آپ کے جواب سے یہ شبہ رفع ہو گیا تو لے لوں گا، ورنہ واپس کر دوں گا، آخران کا خط آیا کہ مجھ سے بدتمیزی ہوئی آپ سے یہ درخواست نہیں کرتا، میرا یوں جی چاہتا ہے کہ کسی کا احسان رکھ کر نہ لیا جائے۔ (التبلیغ ۱۵/۱۱۰)

(۲) ایک مرتبہ مجھے بھوسہ کی ضرورت تھی اور میرے بھائی کے یہاں بھوسہ تھا کیونکہ الحمدللہ وہ زمیندار ہیں میں نے ان کے یہاں سے بھوسہ تک بھی نہیں منگایا، یا بعض لوگوں نے اس کی مصلحت پوچھی میں نے کہا کہ یہ انتظام کے بالکل خلاف ہے ان کا کام ملازموں کے ہاتھ میں رہتا ہے میری وجہ سے دو نقصان ہوں گے، ایک تو ان کو خیانت کا موقع ملے گا، دوسرے ان کو ان سے محاسبہ پر قدرت نہ ہوگی، کیونکہ انہیں یہ بہت اچھا موقع ملے گا کہ آپ کے بھائی کے یہاں جایا کرتا ہے۔ (مزید المجید ص:۱۷)

(۳) میرے بھائی نے ایک دفعہ مجھ سے کہا آپ کی خدمت کے لیے میں کچھ مقرر کرنا چاہتا ہوں میں نے انکار کر دیا اس میں کئی مفسدے ہیں ایک تو یہ کہ

مجھے ہمیشہ تاریخیں شمار کرنی پڑیں گی، اور یہ خیال رہے گا کہ آج آئے کل آئے اور دوسرے یہ کہ آپ نے اگر کوئی تنخواہ مقرر کر دی تو ممکن ہے کہ کبھی آپ کو ایسی ضرورت پیش آئے کہ اس میں خرچ کرنا ضروری ہو، مثلاً کبھی ایسا موقع ہوا کہ جائداد خریدنی ہو تو ایک حصہ تنخواہ کا میرے لیے نکال دیا تو اس وقت ممکن ہے کہ یہ خیال ہو کہ اتنے روپئے اس وقت وہاں نہ جاتے تو کام آسانی سے ہو جاتا، بھائی نے کہا آپ آخر اوروں کی خدمت تو قبول کر لیتے ہیں میں نے کہا بے شک مگر اتنا فرق ہے کہ مقرر نہیں ہوتی۔ نہ مجھے انتظار ہوتا ہے نہ انہیں بار ہوتا ہے اس طرح آپ بھی دے دیا کیجئے، ضرور لے لوں گا، چنانچہ وہ کبھی مجھے بیس کبھی تیس کبھی پچاس روپئے دیتے ہیں میں لے لیتا ہوں۔ (مزید المجید ص:۱۷)

(۴) میاں جی مظہر (جو حضرت تھانویؒ کے بھائی تھے اور ان کے پاس ایک سواری تھی) کبھی کبھی میں اس میں سوار ہوتا تھا مگر ان کو کرایہ دیا کرتا تھا اور میاں مظہر انکار کرتے تھے میں نے کہا کہ نہیں بھائی اس میں میرا نقصان ہے اور تمہارا بھی۔ میرا تو یہ نقصان ہے کہ جب مجھے ضرورت ہوگی بے تکلف نہ منگا سکوں گا اور تم کو یہ ضرر ہوگا کہ اگر تمہیں بھی اس وقت ضرورت ہوئی خود یا تو کرایہ دے کر سواری کرو گے باوجود اپنی چیز کے ہوتے ہوئے کرایہ دینا بار ہوتا تو وہ بے دھڑک کہہ دیتے کہ کرایہ لاؤ اور لے جاؤ۔

(ملفوظات حکیم الامت)

باب (۹)

فصل (۱) صیانۃ العلماء

طلبہ وعلماء میدان میں کیوں نہیں آتے

فرمایا اب تو یہ حالت ہے اور اسی کی فکر ہے کہ میدان میں آنا چاہئے ، میدان میں آنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حجرہ بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور میدان بھی ہاتھ نہیں آتا ، پھر ان لوگوں کے نزدیک میدان میں آنے کے نہ کچھ شرائط ہیں نہ حدود ہیں ، یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ زبانوں پر یہ آتا ہے کہ مسائل کا وقت نہیں کام کا وقت ہے کام کرنا چاہئے ۔ (الافاضات الیومیہ ۱۳/۱)

سخت افسوس ہے کہ بعضوں کی تو یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ علم دین میں مشغول ہونے کو فضول اور بیکار سمجھتے ہیں نہ معلوم یہ سبق کہاں سے حاصل کیا ہے ، یورپ میں بھی تو یہ طریقہ نہیں وہاں بھی بعض اوقات اس قسم کی تحریکات ہوتی ہیں مگر جو جماعت علم کی تحصیل میں مشغول ہے اس کو ان تحریکات میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی ۔ ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے جوش سے اول تو کام نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے ۔ (الافاضات ۹۵/۱)

اگر حدود سے گذر کر ترقی کی جائے تو وہ ایسی ہوگی جیسے فرعون نے ترقی کی تھی تو ایسی ترقی سے ایک مسلمان ایمان والے کو کیا فائدہ ، ایسی ترقی مسلمانوں کی ترقی کہلانے کے قابل کب ہوگی ، یقیناً کفار کی ترقی کہلائے گی ، مسلمانوں کے لیے ایسی

ترقی میں کون سی خوبی ہوگی ان کی خوبی تو اسی ترقی میں ہے کہ حدود کا تحفظ ہو اور پھر ترقی ہو یہ خوبی کی بات ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۲/۱۵)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حجروں میں رہنے اور بیٹھنے کا وقت نہیں میدان میں آنے کا وقت ہے مگر بے طریقہ کام کرنے سے حجرہ بھی ہاتھ سے جائے گا اور میدان بھی۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ اور حدود شرعیہ کے تحفظ کے بغیر اگر کامیابی ہو بھی گئی تو یہ خود ایک مسلمان کے لیے نہایت زبردست ناکامی ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ۲/۱۴)

میں میدان میں آنے کا مخالف نہیں

میں علماء کے میدان میں آنے کا من کل وجہ مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ سب کو میدان میں نکلنا جائز نہیں، ہاں جب علماء علم دین کو اچھی طرح حاصل کرلیں تو جن کو میدان میں نکلنے کا شوق ہو وہ آئیں۔

مگر کچھ لوگ حجرہ نشین بھی ہونا چاہئے جن کا کام سوائے قال اللہ وقال الرسول اور سوائے کتابیں پڑھنے پڑھانے کے کچھ نہ ہو کیونکہ تجربہ ہے کہ کتابی استعداد اور فتویٰ دینے کی قابلیت بدون اس کے کامل نہیں ہوتی، جو علماء میدان میں آئے ہوتے ہیں ان میں اکثر تو وہ ہیں جن کی کتابی استعداد بالکل نہیں اور اگر کسی کو یہ قابلیت حاصل ہے تو یہ حجرہ نشینی ہی کی برکت ہے کہ وہ ایک مدت تک حجرہ نشین ہو کر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا ہے مگر آپ اس حجرہ ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند روز میں قرآن وحدیث وفقہ کو سمجھنے والے اور ان کو صحیح طور پر حل کرنے والے دنیا سے ناپید ہو جائیں گے۔ اگر اس کی ضرورت کو آپ محسوس کرتے ہیں اور یقیناً ہر شخص اس کی ضرورت کو تسلیم کرے گا تو ضروری ہے کہ سب علماء میدان

میں نہ آئیں کچھ میدان میں آئیں اور کچھ مناظرہ کریں کچھ تبلیغ کریں۔
(التبلیغ غایۃ النجاح ۱۷۰/۲)

اور ایک جماعت ایسی ہو کہ جو ان سب کاموں سے الگ رہ کر قرآن وحدیث وفقہ اور ضروریات کی تعلیم دیں، ان کے سوائے تعلیم وتعلّم کے کچھ نہ کرنا چاہئے، ورنہ قابل علماء ہرگز نہ پیدا ہوں گے، تقسیم خدمات بہت ضروری ہے، اور تمام عقلاء اور متمدن اقوام اس کی ضرورت پر متفق ہیں، پھر حیرت ہے کہ ہمارے بھائی اس کو نظر انداز کر کے سب کو ایک کام میں کیوں لگانا چاہتے ہیں، بس یہ کہنا غلط ہے کہ علماء کام نہیں کرتے، علماء کا جو کام ہے جس کا انہوں نے بیڑہ اٹھایا ہے وہ اس کو بحمد اللہ بخوبی کر رہے ہیں آپ کو ان کے کام میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔
(التبلیغ غایۃ النجاح ۱۷۱/۱۲)

علماء کا کام

میں نے بتلا دیا کہ جو خدمت مولویوں کے ذمہ میں ہے یعنی قرآن وحدیث کے معانی کا حل کرنا، احکام شرعیہ بیان کرنا وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں علماء کا کام صرف یہی ہے کہ وہ قانون شرعی کے موافق آپ کو تدبیر اور جواز یا عدم جواز کا طریقہ بتلا دیں، اس سے زائد علماء کا کچھ کام نہیں اور بتلایئے اس کام سے علماء نے کب پہلو تہی کی ہے۔ (التبلیغ الحدود والقیود ۱۴۰/۱۵)

سب کو مل کر کام کرنے کا مطلب

بعض لوگ علماء کو یہ رائے دیتے ہیں کہ ان کو لیڈروں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے کیونکہ مل کر کام کرنے سے قوت ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ انہوں نے مل کر کام کرنے کا مطلب ہی نہیں سمجھا، سب کو مل کر کام کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ سب ایک

ہی کام میں لگ جائیں، یا ایک کا کام دوسرا کرنے لگے، جیسے ایک مکان تیار کیا جائے اس کی تیاری کے لیے معمار کی بھی ضرورت ہے، بڑھئی کی بھی ضرورت ہے، مزدور کی بھی ضرورت ہے، اب بتلاؤ سب مل کر جو تعمیر کا کام کررہے ہیں اس کا کیا طریقہ ہے؟ یہی کہو گے کہ معمار اینٹ لگائے، بڑھئی آرہ چلائے، مزدور گارا اینٹ پہنچائے، اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سب مل کر اینٹ ہی لگانے لگیں گے یا سب کے سب آرہ ہی چلانے لگیں گے یا سب کے سب گارا ہی پکڑنے لگیں گے کیا مکان تیار ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ اسی طرح یہاں ہونا چاہئے کہ علماء الگ اپنا کام کریں اور لیڈر الگ اور پھر دونوں کام جمع ہوجائیں، مل کر کام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تجربہ کا کام تو لیڈر کریں اور احکام بتلانے کا کام علماء کریں اس طرح ہر ہر شخص اپنے فرض منصبی کو انجام دے۔ (التبلیغ الحدود والقیود ۱۵/۲۴۲، الافاضات الیومیہ ۱/۱۳)

کام کی تقسیم

ہر قوم کے لیے تقسیم خدمات ضروری ہے اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تمام اہل تمدن اس کی ضرورت پر متفق ہیں، چنانچہ جنگ میں فوج جاتی ہے فوجی افسر جاتے ہیں منشی محرر کلکٹر اور جج وغیرہ نہیں جاتے۔ پھر نہ معلوم مولویوں کے ذمہ سارا کام کیوں رکھا جاتا ہے کہ وہ حدیث وفقہ وتفسیر کا علم بھی حاصل کریں فتویٰ بھی دیں وعظ بھی کہیں درس وتدریس بھی کریں، مدرسے بھی قائم کریں اور لیڈر کے ساتھ جھنڈا لے کر سیاست میں بھی شریک ہوں۔

ہم کو لیڈروں سے یہ شکایت نہیں کہ انہوں نے قومی سیاست کو اپنے ہاتھ میں کیوں لے لیا بلکہ شکایت اس کی ہے کہ وہ اس کام میں دخل دینے لگے، جو مولویوں کا تھا، وہ یہ کہ لوگ احکام شرعیہ کا فیصلہ بھی اپنی رائے سے کرتے ہیں، ان کو لازم تھا کہ

یہ جو کچھ قومی ترقی کے طریقے سوچیں ان کو پہلے مولویوں کے سامنے پیش کر کے شرعی فتویٰ حاصل کرلیا کریں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز، جب علماء فتویٰ دے دیں اس کے بعد ان سیاسی تدابیر پر عمل کیا جائے، لیڈر علماء سے استفتاء کر کے کام کریں، تجربہ کا کام لیڈر کریں اور کام کرنے سے قبل علماء سے جائز ناجائز معلوم کرلیا کریں اور احکام بتلانے کا کام علماء کریں، یہ نہیں کہ مولوی صاحب بھی لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لے کر پہنچ جائیں، تقسیم خدمات بہت ضروری ہے، قومی ترقی کے اسباب ووسائل لیڈروں کو سوچنا چاہئے اور ہر تدبیر کے جواز وعدم جواز کو اپنی رائے سے طے نہ کریں بلکہ علماء سے استفتاء کرلیا کریں ورنہ محض ترجمہ پڑھنے سے قرآن حل نہیں ہوسکتا، علماء کا کام مسائل بتانا ہے۔ (التبلیغ ص:۱۵، الحدود والقیود الافاضات ۱۴/۲)

سیاست اور تحریکات میں طلبہ کی شرکت

میری رائے ہے کہ کسی تحریک میں بھی طالب علموں کو شرکت کی اجازت نہ ہونی چاہئے آئندہ کے لیے اس میں سخت مضرت ہے جو اس وقت محسوس نہیں ہوتی۔ آخر میں پوچھتا ہوں کہ پڑھنے پڑھانے میں جب کوئی مشغول نہ رہے گا تو پھر کام کرنے والی یہ علماء کی جماعت کہاں سے پیدا ہوگی، تم سب کچھ ہو علماء ہو، مقتداء ہو، پیشوا ہو، جو کرنا ہے تم ہی کرو، مگر طلبہ کو تو اپنے کام میں لگا رہنے دو، تاکہ آئندہ دین کے احکام بتلانے والی جماعت کا سلسلہ جاری رہے کیا یہ خیال ہے کہ آئندہ دین کی ضرورت ہی نہیں رہے گی جیسا کہ کہتے ہیں کہ مسائل کا وقت نہیں کام کا وقت ہے، کوئی ان حضرات سے پوچھے کہ آپ جو مقتداء پیشوا بنے وہ لکھنے پڑھنے ہی کی بدولت اور اب اس کی جڑ کاٹ رہے ہو۔ (الافاضات الیومیہ: ۱۳/۱)

طلبہ کو اس قسم کی کمیٹیوں اور جلسوں میں شرکت کی اجازت ہرگز ہرگز نہ دینا

چاہئے سخت مضر ہے، کیا ان کاموں کے لیے طلبہ ہی رہ گئے ہیں اور مسلمان کچھ کم ہیں ان سے کام لو۔ (الافاضات الیومیہ ۱/۹۹)

علماء سیاست میں کیوں نہیں حصہ لیتے؟

اگر تم یہ چاہو کہ وہ اس سے آگے بڑھ کر سیاسیات میں عملاً بھی حصہ لیں اور تمہارے سیاسی جلسوں اور مظاہروں میں شریک ہوا کریں تو یہ کام ان کا نہیں اور نہ تم کو اس پر انہیں مجبور کرنے کا حق ہے، تم نے مولویوں کو سمجھا کیا ہے، علماء جس کام کو کر رہے ہیں وہ اس قدر اہم وضروری ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہو اور جہاد شروع ہو جائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں کیونکہ علماء اگر مر جائیں گے تو علم دین کو کون سنبھالے گا، اسی لیے ہمارے حاجی صاحب علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے کہ اگر تم ہندوستان کو چھوڑ دو گے تو ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوگا، اب لوگ اس کو تو دیکھتے نہیں کہ علماء کو سیاسیات میں پڑنے سے خود فقہاء اسلام نے منع کیا ہے۔ بس ان کو تو الزام دینے سے کام ہے، مسلمانوں پر جو بھی مصیبت آئے اس کا الزام سب سے پہلے علماء پر ہے۔ (التبلیغ الحدود والقیود ۱۵/۲۴۱)

جو کام علماء کا ہے وہ کریں، علماء سے دوسرے کام کی توقع ایسی ہے جیسے کوئی شخص حکیم محمود خاں کے پاس جا کر ٹوٹے ہوئے جوتے کے سینے کی ترکیب پوچھے وہ کہیں گے کہ دہلیز پر چمار بیٹھا ہے یہ کام اس کے سپرد کرو، ہمارا یہ کام نہیں ایسے ہی یہاں سمجھو، علماء سے مسائل پوچھو! دنیا کی حصول کی تدابیر انہیں کیا معلوم۔

(ملفوظات حکیم الامت ۲/۱۵)

سیاست کے دو حصے ہیں ایک سیاست کے احکام شرعیہ، یہ بے شک شریعت کا جزء ہے، اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہیں چنانچہ ابواب فقہیہ میں سے کتاب

السیر ایک مستقل جزء ہے جس کی درس وتدریس پر دوام والتزام ہے۔

اور دوسرا حصہ سیاست کا اس کی تدابیر تجربیہ ہیں جو ہر زمانہ میں حالات وواقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر وتبدل سے بدلتی رہتی ہیں اور یہ حصہ شریعت کا جزء نہیں اور علماء کا اس میں ماہر ہونا ضروری نہیں۔ اس کی مہارت کے دوسرے ذرائع ہیں جن کا حاصل تجربہ ومناسبت خاصہ ہے، لیکن اوپر جو عرض کیا گیا کہ سیاست کا یہ حصہ یعنی تدابیر تجربیہ شریعت کا جزء نہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حصہ شریعت سے مستغنی ہے اور اس کے استعمال کرنے والوں کو شریعت کے علماء کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں۔ کوئی واقعہ اور کوئی عمل اور کوئی تجویز ورائے دنیا میں ایسی نہیں جس کے جواز و عدم جواز میں شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو، گو وہ شریعت کا جزء نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

شرعی دلیل

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاءِ مِنۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَاءِیۡلَ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ الآیۃ، (سورۂ بقرہ پ:۲)

ان آیتوں سے اثبات مدعا کی تقریر یہ ہے کہ قرآن مجید میں نص ہے کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے ان نبی سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے قائد بنئے بلکہ اس مقصود کے لیے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی، سو اگر نبی کافی سمجھے جاتے تو ایسی درخواست کیوں کی جاتی، اور اگر یہ شبہ ہو کہ یہ بنی اسرائیل کی غلطی تھی تو اس غلطی پر ان کے نبی نے متنبہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں کافی ہوں بلکہ بادشاہ مقرر کرنے کا انتظام شروع فرمادیا، اور اگر کوئی جسارت کرکے یہ کہنے لگے کہ ان نبی سے بھی لغزش ہوگئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس غلطی پر تنبیہ کیوں نہیں فرمائی بلکہ اس درخواست کو بلا نکیر قبول فرمالیا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہر نبی کے لیے بھی سیاسیات میں تجربہ ومناسبت

لوازم میں سے نہیں تا بہ دیگراں از علماء ومشائخ چہ رسد (چہ جائیکہ علماء ومشائخ کے لیے لازم ہو) بلکہ مفسرین کی نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے سنۃ اللہ زیادہ یہی رہی کہ وہاں کے سیاسی معاملات بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے، اور بادشاہ انبیاء کے حکم اور مشورہ کے مطابق چلتے تھے، چنانچہ تفسیر مظہری نے بھی **ابعث لنا ملکاً** کے تحت یہی لکھا ہے۔ (البدائع ص:۲۵، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ:۹۱)

علماء کو مستقل وعلیحدہ سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت

البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی نہ ہو جو علماء سے احکام پوچھ کر عمل کیا کرے، جیسا کہ اس وقت غالب ہے تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہیں، ورنہ محبان دنیا دینی مقاصد کو تباہ کر دیں گے، بلکہ وہ خود اپنے میں سے ایسی جماعت بنائیں جو علماً وعملاً سیاست وشریعت کے جامع ہوں مگر یہ حکم کچھ سیاست مدنیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سیاست بدنیہ یعنی طب بلکہ اسباب معاش میں سے جتنے فرض کفایہ ہیں، مثلاً تجارت وزراعت سب کا یہی حکم ہوگا، البتہ جس چیز کا ضرر دین میں قریب ہو اس میں دخل اصلاحی کا وجوب اقویٰ وآکد ہوگا، اور ان سب مفاسد کی اصلاح کے لیے جماعت کا انتظام کرنا ہر حال میں استطاعت کے ساتھ مشروط ہوگا۔ یہ ایک تحقیق کلی ہے اس سے آگے کچھ جزئیات ہیں)۔

(البدائع ص:۲۴، افادات اشرفیہ ص:۹۵)

علماء کی سیاسی جماعت کی نوعیت

مضمون بالا میں جو بعض حالات میں علماء کو سیاست میں حصہ لینے کا مشورہ دیا گیا ہے اس سے مراد وہ صورت نہ سمجھی جائے جو اس وقت بعض علماء نے اختیار کی ہے۔ اس سے دین کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصول شرعیہ وتجربیہ سے اس کا بھی ایک

خاص طریقہ ہے جس کے نافع ہونے کی امید غالب ہے، اور وہ خاص طریقہ ایک عزیز کی تحریر میں نظر پڑا مفید سمجھ کر اس کو بالفاظہ نقل کرتا ہوں۔ **وھو ھذا** ....۔

''اس وقت طریق کار یہ مفید ہوسکتا ہے کہ سیاسی جماعت علیحدہ ہو، اور مذہبی علیحدہ اور مذہبی جماعت اپنا اصلی کام تبلیغ کا اس طرح انجام دے کہ مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی نگرانی کرے کہ یہ سیاسی جماعت مسلمانوں کے حقوق کا گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے وقت شریعت کے خلاف عمل نہ کر بیٹھے (اور ان کو مفید مشورے دے) اور چونکہ موجودہ زمانہ میں سیاسی جماعت مذہبی جماعت سے پوچھ کر عمل کرنے کی عادی نہیں رہی اس لیے علماء کے ذمہ تھا کہ خود اس جماعت کے پاس پہنچتے اور احسن طریقہ سے تبلیغ کرتے، اگر علماء اپنا اصلی کام تبلیغ رکھتے (اور اصل یہی تھا کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنا دیا جائے) تو عظمت ووقار میں چار چاند لگ جاتے اور تبلیغ کا ثواب مزید براں۔ اس زمانہ میں موجود طریقہ پر علماء کا سیاسی لیڈر کی حیثیت سے شریک ہونا میرے نزدیک سخت مضر ہو رہا ہے، اگر یہ حضرات تبلیغ فرما کر لیڈر کو سنبھالتے اور ان کو مفید مشورے اور طریق کار سے رہنمائی کرتے) تو اس طرز میں شرعی طریقہ پر مسلمانوں کے حقوق کی محافظت بھی ہوتی اور علماء کی عظمت بھی بڑھتی۔ (البدائع ص: ۲۸، افادات اشرفیہ ص: ۹۴)

سیاسی لیڈر اور علماء

شاید کوئی یہ کہے کہ مولوی خود تو سیاست میں پڑتے نہیں، اور کام کرتے نہیں اور دوسروں کو بھی کرنے نہیں دیتے کہ ان کو برا بھلا کہتے۔

اس شبہ کا جواب میں نے میرٹھ کے ایک جلسہ وعظ میں دیا تھا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ مسائل سیاسیہ میں یہ لال ٹوپی والے ہمارے امام ہیں، ان

مسائل میں ہم ان کو امام تسلیم کرتے ہیں مگر امام کو قرآن صحیح یاد نہیں اس لیے مقتدی کو لقمہ دینا واجب ہے، ورنہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی، پس امام کو چاہئے کہ یا تو نماز سے پہلے ہی ہمارے پاس آ کر قرآن صحیح کر لے، ورنہ جب غلطی کرے گا تو ہم نماز ہی میں لقمہ دیں گے، اور اس کو غلطی پر ٹوکیں گے، مثلاً اگر تم چندۂ بلقان کے لیے یہ تجویز کرو کہ مسلمان قربانی کو ترک کر دیں اور اس کی قیمت چندہ میں دے دیں تو ہم اس کا رد کر دیں گے، یا تو زکوٰۃ کا روپیہ بدون تملیک کے بھیجنے لگے تو اس کی بھی ہم مخالفت کریں گے۔ تم کو چاہئے کہ ہم سے مل کر کام کرو، اور مل کر کام کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جیسے بڑھئی اور لوہار و معمار مل کر مکان بناتے ہیں جس کی صورت یہ نہیں ہوتی کہ سب کے سب ایک ہی کام کو لپٹ جائیں بلکہ ایک لکڑی کا کام کرتا ہے اور ایک اینٹ گارے کا اسی طرح یہاں مل کر کام کرنے کے یہ معنی نہیں کہ مولوی صاحبان بھی جھنڈا لے کر سیاست کے میدان میں کود پڑیں، بلکہ صورت یہ ہے کہ جھنڈا تو لال ٹوپی والے اپنے ہاتھ میں رکھیں مگر جو کام کرنا چاہیں اور جو تجویز پاس کریں اس کو شائع کرنے سے پہلے علماء سے پوچھ لیں کہ یہ شریعت کے خلاف تو نہیں پس آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہم لیڈروں کو کام کرنے سے منع نہیں کرتے ہاں تنہا کام کرنے سے منع کرتے ہیں، اگر وہ ہم سے قرآن وحدیث کو پوچھ کر امامت کریں، تو ہم ان کے مقتدی بننے کو تیار ہیں، لیکن غلط قرآن پڑھ کر امامت کریں گے تو بے شک نہ ہم ان کی اقتداء کر سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو اقتداء کرنے دیں گے، بلکہ ان کی نماز فاسد ہونے کو ظاہر کر دیں گے، میں بقسم کہتا ہوں کہ جو کام مولوی کرتے ہیں وہ تم نہیں کر سکتے، یعنی احکام کا سمجھنا اور جو کام تم کرتے ہو وہ مولوی بھی کر سکتے ہیں بلکہ تم سے اچھا کر سکتے ہیں چنانچہ جو مولوی جھنڈا لے کر سیاست کے میدان میں کودے وہ تم سے کچھ کم نہیں رہے بلکہ آگے ہی بڑھ گئے گو انہوں نے اس طرح اپنی علمی شان کو برباد کر دیا، الا ماشاء اللہ۔ (التبلیغ ۱۶۷/۵)

مولویوں کے حریص اور پست حوصلہ ہونے کا اشکال اور اس کا جواب

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل مولوی لالچی کیوں زیادہ ہونے لگے؟ فرمایا سب تو نہیں عرض کیا کہ اکثر، فرمایا اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ عربی پڑھنے والے زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو پہلے طماع اور مفلس ہیں، پڑھ لینے کے بعد بھی ان کی وہی عادت رہتی ہے، طبیعت سے وہ بات جاتی نہیں، اگر عالی خاندان کے لوگ امراء، حکام، نواب، رئیس اپنے بچوں کو عربی پڑھائیں اور پھر وہ لوگ تبلیغ کریں دیکھئے کیا اثر ہوتا ہے۔

میں جس وقت ڈھاکہ گیا تھا وہاں کے ایک مدرسہ کے پرنسپل نے مدرسہ میں مدعو کیا انہوں نے مجھ سے یہی شبہ پیش کیا کہ اکثر علماء میں یہ مرض ہے میں نے کہا اس کی جڑ انتخاب کی غلطی ہے اکثر غرباء کے بچے علم دین پڑھتے ہیں، ان کا حوصلہ ان کا ظرف ایسا ہی ہوگا، اگر امراء کے بچے علم دین پڑھیں ان کا حوصلہ ان کا ظرف ویسا ہی ہوگا، پرنسپل صاحب نے کہا کہ حضرت آج میرا ایمان محفوظ ہوا، ورنہ مجھ کو اپنے ایمان کا اندیشہ ہوگیا تھا میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ علم دین کا تو اثر نہیں ہے، میں نے کہا توبہ کیجئے کیا علم دین ایسی چیز ہے۔

میں نے کہا یہ امراء کے بچے انگریزی کے اثر سے بگڑ گئے اگر انگریزی نہ پڑھتے تو ان کے اخلاق اس حالت کی نسبت اور اچھے رہتے، اور غرباء کے بچے علم دین پڑھ کر کسی قدر سنور گئے، اگر عربی نہ پڑھتے تو ان کے اخلاق اس حالت کے نسبت اور زیادہ خراب ہوتے، مطلب میرے کہنے کا یہ تھا کہ غرباء کے بچے جتنے خراب ہونے چاہئے تھے عربی کی بدولت اتنے خراب نہیں رہے، اور امراء کے بچے

جس قدر اچھے ہونے چاہئے تھے انگریزی کی بدولت اتنے اچھے نہیں رہے اور یہ انتخاب کی غلطی مشاہدہ میں آرہی ہے کہ خود ایک ہی شخص کے بچوں میں جو سب سے زیادہ بیوقوف، کند ذہن، بدفہم، کم عقل، بدصورت ہو اس کو عربی پڑھنے کے لیے تجویز کیا جاتا ہے۔اور جو سمجھدار، عقلمند، ذہین، خوبصورت ہوں اس کو انگریزی کے لیے تجویز کیا جاتا ہے، اس گفتگو کے بعد پرنسپل صاحب کہنے لگے واقعی آپ نے سچ فرمایا اس وقت میں مدرسہ کے رجسٹر کی جانچ کرتا ہوں تو قریب ڈھائی سو طلبہ ہیں مگر جو عربی پڑھتے ہیں ان میں اکثر گاؤں کے اور کم درجہ کے لوگوں کے بچے ہیں، اور انگریزی خواں عالی خاندان اور امیروں کے بچے ہیں، میں نے کہا اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ایسے لوگوں میں بلند حوصلہ ذی لیاقت غیر طماع کیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔

(الاضافات الیومیہ ۲/۴۴۴)

بعض اہل علم کی بدنیتی، پست حوصلگی اور بداخلاقی کی وجہ

بلند حوصلگی وغیرہ جس قدر اوصاف ہیں، یہ علو خاندان پر موقوف ہیں یعنی جو عالی خاندان ہوگا ان میں یہ صفات ہوں گے وہ خواہ عربی پڑھے یا انگریزی اور جو عالی خاندان نہ ہوگا اس میں یہ صفات نہ ہوں گے اگرچہ وہ انگریزی کے اعلیٰ پایہ کی ڈگری حاصل کرلے بلکہ اکثر واقعات اور مشاہدات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پست خاندان آدمی اگر عربی پڑھ لیں تو کم وبیش ان کے اخلاق درست ہوجاتے ہیں، اور اگر انگریزی پڑھیں تو بالکل ہی برباد ہوجائیں۔

عربی انگریزی کے آثار کا پورا مقابلہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ ایک خاندان کے ایک طبیعت کے دو بچے لیے جائیں ایک کو انگریزی شروع کرائی جائے اور دوسرے کو عربی اور دس برس کے بعد دونوں کا موازنہ کیا جائے، اور جب انتخاب ہی ایسا پاکیزہ ہو کہ عربی کے لیے گھٹیا قسم کے لوگ اور انگریزی کے لیے شرفاء تو عربی

کہاں تک اپنا اثر کرے اور کس حد تک ان کی پستی کو مٹائے، اور اگر شرفاء میں سے کوئی بچہ عربی کے لیے دیا بھی جاتا ہے تو ایسا جو بالکل ہی بیوقوف ہو تو جب عربی میں سارے کودن ہی کودن منتخب ہوں گے پھر ان سے علو حوصلگی کی کیا امید ہوگی۔

(دعوات عبدیت ۵۳/۵)

(۲) فرمایا کہ یہ سب کچھ خرابیاں نا اہلوں کے علم کی بدولت ہو رہی ہیں ان میں اکثر طماع ہیں اور بعض جگہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ امراء نے اپنے بچوں کو علم دین پڑھانا چھوڑ دیا، غرباء علم دین پڑھتے ہیں تو وہ کہاں سے بلند حوصلہ لائیں سو یہ انتخاب کی غلطی ہے جس کی ذمہ دار قوم ہے۔ (الافاضات الیومیہ ۸۰/۲)

(۳) ہم نے دین کی بے وقعتی کر رکھی ہے کہ ان کی تنخواہیں بہت قلیل مقرر کی جاتی اور مُردوں کے کھانے کپڑے سے ان کی امداد کرتے ہیں، ان کے واسطے کفن کا چادر اور جائے نماز اور تیجہ دسویں کا کھانا مقرر کرلیا ہے، اس لیے ان کی نیتیں بگڑ گئیں، لالچ اور حرص پیدا ہوگئی، اب وہ کسی کے اچھا ہونے سے اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا کسی کے مرنے سے خوش ہوتے ہیں۔ اس میں جس طرح ان کا قصور ہے خود قوم کا بھی قصور ہے کہ ان کو ایسا تنگ کیوں رکھا ہے جس سے ان کی نیت بگڑ گئی۔

(التبلیغ اسباب الفتنہ ۷۰/۱۰)

علم دین کے لیے عالی دماغ ہونے کی ضرورت ہے

آج کل معیار انتخاب یہ ہے کہ جو بہت زیادہ غبی اور کم عقل ہو اس کو عربی کے لیے تجویز کیا جاتا ہے حالانکہ دنیا کمانے کے لیے بڑے عالی دماغ ہونے کی ضرورت نہیں یہ تو چکی پیستا ہے جس کو تھوڑی سی بھی مناسبت ہوگئی وہ بھی اس کام کو بخوبی کرسکتا ہے، دماغ کی زیادہ ضرورت اس کام کے لیے ہے، جس کے لیے انبیاء علیہم السلام

بھیجے گئے، اللہ اکبر! کتنا قلبِ موضوع ہو گیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء کرام کیا چیز ہیں، دنیا کی عقل بھی ان کے برابر کسی کو نہیں ہوتی، ان حضرات کو ہر قسم کا شرف عطا فرمایا جاتا ہے، جو کام نیابتِ انبیاء کا ہے اس کے لیے بھی تو اس ہی عقل کامل کی ضرورت ہے، اب بتلایئے کہ اولاد کا انتخاب کس قاعدے پر ہونا چاہئے، اور بنیاد اس کی یہ ہے کہ سمجھتے ہیں کہ عربی پڑھ کر لڑکا کھانے کمانے کے قابل نہیں رہے گا۔

(دعوات عبدیت، ضرورۃ العماء ۸۹/۱۱)

موجودہ صورت حال

آج کل رؤساء اول تو اپنی اولاد کو عربی پڑھاتے ہی نہیں اور جو کوئی عربی پڑھاتا بھی ہے تو لڑکوں میں جو سب سے زیادہ نکما، بیوقوف ہو، اسے عربی کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے، اور ہوشیار لڑکوں کو انگریزی پڑھائی جاتی ہے، جب کوئی دوست ان کے گھر آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ آپ کے لڑکے کیا کیا پڑھتے ہیں تو سب سے پہلے انگریزی پڑھنے والوں کو پیش کیا جاتا ہے کہ یہ بی اے پڑھتا ہے، یہ انٹر کے درجہ میں ہے، یہ مڈل پاس کرنے والا ہے، آخر میں عربی والے کو پیش کیا جاتا ہے کہ یہ ذرا ملانی طبیعت کا احمق سا ہے اس کو عربی پڑھادی ہے، سبحان اللہ! آپ نے دین کی خوب قدر کی، کیا رسول اللہ کے علوم کی یہی قدر ہے، خدا تعالیٰ کے کلام کی یہی عظمت ہے؟ بھلا خدا اور رسول کے علم کو سمجھنے والے یہی بیوقوف ہو سکتے ہیں، جن کا آپ انتخاب کرتے ہیں، اسی کا تو نتیجہ ہے کہ علماء کے اندر وہ بات آج نہیں ہے جو ان میں ہونی چاہئے، اس پر لوگ کہتے ہیں کہ آج کل رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے، میں کہتا ہوں تم یہ الزام کس کو دیتے ہو ان بیوقوفوں کو رازی غزالیؒ کون بنا دے، ذہین لڑکوں کو عربی پڑھاؤ، دیکھو وہ غزالی، رازی بنتے ہیں یا نہیں۔ (التبلیغ: ۱۸۴/۲۱)

ایک شخص کہنے لگے آپ نے اپنے بھتیجہ کے لیے کیا تجویز کیا؟ میں نے کہا عربی پڑھتا ہے تاکہ دین کی خدمت کرے کہنے لگے مدرسہ دیوبند میں ڈیڑھ سو آدمی فارغ ہوتے ہیں وہ دین کی خدمت کے لیے کافی ہیں، آپ نے ان کے لیے انگریزی کیوں نہ تجویز کی تاکہ دنیوی ترقی کرتا؟ میں نے کہا جناب خادم دین ہونا اگر خسارہ کی بات ہے تو کیا وجہ ہے کہ دیوبند کے طلبہ کے لیے یہ پست حالت پسند کی جائے، بلکہ چلو اور یہ مشورہ دو کہ سب چھوڑ کر انگریزی میں مشغول ہو جاؤ، آخر وہ بھی قوم ہی کے بچے ہیں اور اگر خادم دین ہونا کوئی نافع امر ہے تو کیا وجہ ہے کہ میرے بھتیجے کے لیے اس کو تجویز نہ کیا، آخر خاموش ہو گئے، افسوس کہ دیوبند کے طالب علم ایسے ذلیل کہ جس شغل کو آپ بیکار سمجھ رہے ہیں وہ ان کے لیے تجویز کیا جائے، اور آپ کی اولاد ایسی محبوب و معزز کہ اس کے لیے ڈپٹی، کلکٹر تجویز کیا جائے۔

(دعوات عبدیت ۱۰/۵۷)

اصل ذمہ داری مالداروں، سرمایہ داروں کی ہے

البتہ جو طبقہ متمول (مالداروں) کا ہے جن کو خدا نے ہر طرح سے دنیا کی فراغت عطا کی ہے کہ نہ ان کو ملازمت کی ضرورت ہے نہ کھانے پینے کی فکر ہے، خدا کا دیا ہوا ان کے پاس سب کچھ ہے اور اتنا ہے کہ کئی پشتوں کے لیے کافی ہے، ان کے ذمہ ضرور یہ حق ہے کہ یہ لوگ متبحر عالم بنیں کیونکہ آج کل جو لوگ علم حاصل کرتے ہیں ان کو بہت جلد اہل و عیال کے نفقہ کی فکر ہو جاتی ہے اس لیے وہ کمال تبحر حاصل نہیں کر سکتے، مگر نہایت افسوس ہے کہ ان لوگوں کو کچھ بھی فکر نہیں، یہ تو اگر ساری عمر علم میں گذار دیں تو ان کو بہت آسان ہے اور سب سے زیادہ بے توجہ یہی طبقہ ہے۔ ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ جب خدا نے ان کو فراغت دی تھی تو بے فکر ہو کر دین کی خدمت

میں لگتے، اور ساری عمر اسی میں ختم کردیتے پھر آپ دیکھتے کہ علماء میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ علم میں مشغول ہو کر ان کو وہ لذت آتی ہے کہ کبھی سیری نہ ہوتی، یہ خدا کا راستہ ہے کہ قطع کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے۔

افسوس کہ سب سے زیادہ علم سے بے فکر بڑے طبقہ کے لوگ ہیں، حالانکہ خدا نے جو ان کو نعمتیں دی ہیں اس کا شکر یہی تھا کہ یہ لوگ فارغ ہو کر علم دین میں تبحر حاصل کرتے اور اپنی اولاد کو عربی پڑھاتے۔ (التبلیغ ۱۸۲/۲۱-۱۷۵)

اولاد کی زکوٰۃ

جس طرح مال میں زکوٰۃ ہے اس طرح اولاد میں بھی زکوٰۃ ہے، پس اولاد کی بھی زکوٰۃ نکالو، مگر یہاں چالیس کا عدد نہیں ہے، آپ زکوٰۃ کا نام سن کر خوش ہوئے ہوں گے کہ بس جب چالیس لڑکے ہو جائیں گے اس وقت زکوٰۃ نکال دیں گے، نہیں یہاں دو میں سے ایک زکوٰۃ میں نکالو، اسے عربی پڑھاؤ، مگر نہایت التجاء کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ خدا کے لیے چھانٹ چھانٹ کر بیوقوفوں کو عربی کے لیے انتخاب نہ کرنا۔ (التبلیغ، تعمیم التعلیم ۱۸۳/۲۱)

مولوی امیر اور مالدار کیسے بنیں

بعض لوگ اپنی اولاد کو علم دین اس لیے نہیں پڑھاتے ہیں کہ مولوی غریب ہوتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم دین غریب ہی پڑھتے ہیں اگر امراء کے بچے علم دین پڑھنے لگیں تو مولوی امیر ہونے لگیں، تو تم اس کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟ پھر تم امیر ہی مولویوں سے وعظ کہلایا کرنا ان ہی سے مسائل دریافت کرنا پھر غریب مولویوں کا تعلق صرف غریبوں ہی سے رہ جائے گا۔

(التبلیغ الہدی والمغفرۃ ۵-۱۰/۲۲۰)

علم دین اور اہل علم کے معزّز اور قابل قدر ہونے کا طریقہ

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جو کام معزز طبقہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے وہ عام نظروں میں بھی معزز اور ضروری سمجھا جاتا ہے، لہٰذا امراء کے ذمہ بہ نسبت غرباء کے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اس خدمت کے لیے وقف کر دیں پھر اولاد میں بھی جو ذہین وفطین وسلیم فہیم ہوں جو لوگ دینی مکتب اور مدارس قائم کرتے ہیں اسلامی قومی خیر خواہی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر اس کام کے لیے اپنی اولاد کو کبھی نہیں تجویز کرتے، اولاد کے لیے ڈپٹی کلکٹری منصفی و بیرسٹری ہی تجویز ہوتی ہے، اور مولویت کے لیے جس کو بزعم خود ذلیل کام سمجھتے ہیں ذلیل لوگوں کو منتخب کیا جاتا ہے، غور کا مقام ہے کہ جس کام کے لیے غریب لوگ منتخب کئے جائیں اس کی وقعت ان کے قلب میں کیا ہوگی اگر یہ کام ضروری اور باوقعت ہے اور اس کا اہتمام کرنا قومی واسلامی خیر خواہی ہے تو اس شرف کے لیے خود اپنی اولاد کو کیوں نہیں تجویز فرمایا جاتا۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۲۴)

اس الزام کا زیادہ مورد معزز طبقہ ہے جس کے علم دین سے اعراض کرنے کی بدولت ادنیٰ خاندان کے لوگ اہل علم میں زیادہ پائے جاتے ہیں، جن کو دیکھ کر بقاعدہ للاکثر حکم الکل سب پر یہی گمان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر خاندانی لوگ اپنی اولاد کو علم دین میں کامل بناتے تو ان میں کثرت سے علماء پائے جاتے اور عالی خاندان ہونے کی وجہ سے ان میں فضائل طبعیہ زیادہ ہوتے، جب اکثر علماء ایسے نظر آتے تو عام طور پر علماء کو فضائل واخلاق کا جامع سمجھا جاتا اور علم دین سے بدگمانی نہ ہوتی۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۳۳)

آج کل رازی وغزالی کیوں نہیں پیدا ہوتے؟

اعتراض کر دینا کونسا مشکل کام ہے زبان ہی ہلانی پڑتی ہے حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ نہ معلوم آج کل رازی غزالی جیسے کیوں پیدا نہیں ہوتے، میں نے کہا کہاں سے پیدا ہوں، کم حوصلہ لوگ تو علم دین پڑھنے لگے اور جو لوگ خاندانی، بلند حوصلہ، عالی دماغ تھے انہوں نے علم دین پڑھنا چھوڑ دیا، انتخاب کا اختیار ہم کو دو، انتخاب ہم سے کراؤ پھر دیکھو ہم غزالی اور رازی پیدا کر کے دکھلا دیں گے۔ (الافاضات ۴۴۵/۲)

مگر جب ہم احمقوں کو دین کے واسطے منتخب کرو گے تو ظاہر ہے کہ تمہارے مقتداء یہی احمق بنیں گے ان میں عقل ہم کہاں سے پیدا کر دیں گے، مگر ان احمقوں کو تو ان کی حماقت مبارک ہوگئی، خدا کو راضی کرنے کا طریقہ ان کو معلوم ہو گیا، اور انشاء اللہ وہ جنت کے مالک ہوں گے۔ قیامت کے دن ان کی حماقت ان کے کام آئے گی اور دنیا میں بھی وہ علم دین کی برکت سے تمہارے مقتداء ہو گئے۔ (التبلیغ ۱۸۵/۲۱)

مولوی منفعت علی صاحب سے ایک شخص نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ علماء میں اب رازی، غزالی نہیں پیدا ہوتے؟ انہوں نے کہا اس وقت انتخاب کا قاعدہ یہ تھا کہ قوم میں جو سب سے ذہین اور ذکی ہو وہ علوم دین کے لیے منتخب ہوتا تھا اور اب انتخاب کا یہ قاعدہ ہے کہ جو سب سے احمق اور غبی ہو وہ اس کے لیے تجویز ہوتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اب بھی جو ذہین و ذکی پڑھتے ہیں وہ غزالی و رازی سے کم نہیں ہوتے، میرے ساتھ چلو اور علماء کی حالت دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت بھی غزالی اور رازی موجود ہیں، اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن عدد میں کم ضرور ہیں، اور وجہ اس کی یہی ہے کہ جو لوگ قابل ہیں وہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے، ورنہ میں سچ

کہتا ہوں کہ اگر بیس آدمی ایسے پڑھیں تو ان میں پندرہ غزالی اور رازی ضرور نکلیں گے اب بیچارے غریب غرباء پڑھتے ہیں، ان کی جیسی سمجھ ہوتی ہے ویسے ہی نکلتے ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ غریب غرباء کے بچوں کو نہ پڑھایا جائے کیونکہ امراء نے خود چھوڑا اور ان سے ہم چھڑادیں تو پھر علم کس کو پڑھائیں، غریب غرباء کیا کریں انگریزی تو پڑھ نہیں سکتے کیونکہ اس کی تعلیم نہایت گراں ہے اور عربی ہم نہ پڑھائیں تو یہ بیچارے تو بالکل کورے ہی کے کورے رہیں اور واقعی علم دین ایسی چیز ہے کہ اس میں محنت بھی کم اور خرچ بھی کم بخلاف انگریزی کے۔ (دعوات عبدیت ۶/۹۰)

علم دین کی ارزانی دیکھئے کہ اگر کوئی شخص میزان سے اخیر تک ایک کتاب بھی نہ خریدے تو ہر کتاب اس کو میسر آسکتی ہے اور آپ ایک شخص کو بھی نہیں بتلا سکتے کہ اس نے بی اے تک پڑھا ہو، اور اس کو قریب قریب کل کتابیں نہ خریدنی پڑی ہوں، اس سے معلوم ہوا دینی تعلیم نہایت ارزاں اور دنیوی تعلیم نہایت گراں ہے اور یہی دلیل ہے اس کے معزز ہونے کی، کیونکہ فطرت کا قاعدہ ہے کہ جتنی ضرورت کی چیز ہوتی ہے، اسی قدر سستی ہوتی ہے (جیسے ہوا پانی) اور جس قدر بیکار ہوتی ہے اسی قدر گراں اور کم یاب ہوتی ہے، یہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔ (دعوات عبدیت ۶/۹۰)

رازی وغزالیؒ ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں

اس وقت بھی رازی، غزالی موجود ہیں اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں، ہے تو بے ادبی مگر میں بے ادبی نہیں سمجھتا اس لیے کہ یہ عرفاً بے ادبی سمجھی جاتی ہے، حقیقت میں بے ادبی نہیں وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے امام غزالیؒ اور رازی سے افضل موجود ہیں، دیکھ لیجئے امام غزالیؒ و رازی کی بھی مصنفات موجود ہیں اور اس وقت کے بعض بزرگوں کی موجود ہیں موازنہ کرلیا جائے۔ حضرت نبوت ختم ہوئی ہے

اور ولایت ختم نہیں ہوئی۔ (الافاضات ۲/۴۴۵)

خدا کی قسم غزالی ورازی اب بھی ہوسکتے ہیں کیا مولانا قاسم صاحب اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ غزالی اور رازی سے کچھ کم تھے۔ واللہ بعض تحقیقات میں یہ حضرات ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ (التبلیغ ۲۱/۱۸۴)

اہل علم کے سامنے انگریزی پڑھے لکھے

حقیقت میں علماء کے سامنے انگریزی منطق پڑھے ہوئے خاک بھی وقعت نہیں رکھتے وہ استحالہ واستبعاد، امتناع وتعذر میں، ثبوت اور نظیر تک میں فرق نہیں کرسکتے، مگر علماء ان میں فرق کرتے ہیں اور ہر ایک کی حقیقت کو الگ الگ جانتے ہیں۔ (التبلیغ ۱۲/۱۸۶)

میں ترقی کرکے کہتا ہوں میں نے دیکھا ہے کہ جولوگ ایم اے ہیں مگر عربی کی استعداد نہیں رکھتے ان سے لیاقت (صلاحیت) میں عربی خواں جوانٹر بھی نہیں پڑھے، بڑھے ہوتے ہیں۔ (دعوات عبدیت ۱۱/۷۰)

علوم عربیہ کے پڑھنے سے استعداد میں ترقی ہوتی ہے اور اس استعداد سے انگریزی تعلیم میں بہت مدد ملتی ہے کیونکہ اس میں احتمال آفرینی کی استعداد ہوجاتی ہے۔ (دعوات عبدیت ۶/۹۲)

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ

فرمایا: لوگ عربی پڑھنے والوں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ عمر ضائع کرتے ہیں اس سے کوئی دنیاوی ترقی نہیں ہوتی، میں کہتا ہوں کہ انگریزی والے زیادہ مارے مارے پھرتے ہیں ہم نے بہت سے بی اے والوں کو دیکھا ہے انہیں کوئی

پوچھتا بھی نہیں، یہ نوبت عربی پڑھنے والوں کی نہیں آتی دیکھئے سب سے کم تعلیم اذان کا سیکھ لینا ہے اگر وہی آ جاوے تو پھر روٹیوں کی کمی نہیں روٹیاں دونوں وقت مل جاتی ہیں۔ ایک انگریزی کا طالب علم بی اے کے امتحان میں فیل ہوگیا تو شرم کی وجہ سے ریل کی پٹری پر لیٹ گیا خاتمہ ہوگیا، لوگ شکایت کرتے ہیں کہ عربی والوں کوانگریزی والے ذلیل سمجھتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ تم بھی ان کو ذلیل سمجھنے لگو یہ نوح علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے فرمایا: ''اِنْ تَسْخروْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ''۔

میرے برادر زادہ کی بچپن میں ایک انگریزی داں پولس کے افسر سے ملاقات ہوئی اس زمانہ میں یہ عربی پڑھتے تھے اور سر منڈا ہوا تھا کیونکہ میرا معمول ہے کہ امردوں کے سر منڈوا دیا کرتا ہوں، انہوں نے ان سے کہا کیوں جی کیا بات ہے کہ جتنے عربی والے دیکھے سر منڈاتے ہیں، انہوں نے کہا کیوں جی! یہ کیا بات ہے کہ جتنے انگریزی والے ہیں سب ڈاڑھی منڈواتے ہیں، بس یہ جواب سن کر چپ ہوگئے۔ (ملفوظات جدید ملفوظات ص:۷)

فصل (۳)

علماء پر اعتراضات اور ان کے جوابات

دنیا میں ترقی نہ کرنے کو پست خیالی اور اس ترقی کی فکر نہ کرنے کو جو کہ واقعتاً قناعت ہے کم ہمتی اور اخلاق میں جاہ و کبر حاصل نہ کرنے کو وضع میں سادگی اختیار کرنے کو ذلت پسندی، اور اسراف نہ کرنے کو دناءت (بخل) اور دنیوی فضولیات میں انہماک نہ ہونے کے سبب اپنے مصالح میں فروگذاشت کو قوت انتظامیہ کی کمی کا نام رکھا ہے۔

سو اکثر اہل علم میں ان امور کا ہونا مسلم مگر یہ رذائل ہیں یا فضائل۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس فیصلے کے لیے قرآن مجید وحدیث کافی ہے، آیات وروایات میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ صفات مذکورہ جو اہل علم میں پائے جاتے ہیں، فضائل ہیں، معترضین نے ان کا نام رذائل رکھ کر (اعتراض شروع کردیا)۔

اور بعض محصلین علم میں اگر رذائل پائے بھی جاتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ علم دین کا خدانخواستہ اثر ہے یا کسی اور چیز کا؟ اس کا فیصلہ نہایت آسان ہے کہ یہ اخلاق رذیلہ سب اہل علم میں پائے جاتے ہیں یا بعض میں پائے جاتے ہیں، اور بعض میں نہیں۔ شق اولیٰ مشاہدہ سے غلط اور دوسری شق سے اتنا تو ثابت ہوگیا کہ یہ علم دین کا اثر نہیں، ورنہ سب میں ہوتا، تو ضرور یہ کسی دوسری چیز کا اثر ہے جو میری تحقیق میں خاندان وصحبت کی کمی ہے، یعنی بعضے خاندانی حیثیت سے پست ودنی ہوتے ہیں اب اگر صحبت بھی نصیب نہ ہوگی تو محض تعلیم کافی نہ ہوگی، لامحالہ ان میں خاندانی رذائل موجود اور ظاہر ہوتے رہیں گے لیکن ان کے مقابل میں ان اہل علم کو

کیوں نہیں دیکھتے جو عالی خاندان یا فطرۃً سلیم ہیں، یا صحبت نے ان کو درست کر دیا۔

(تجدید تعلیم ص:۳۲)

اہل علم کی خستہ حالی اور بدوضعی پر تذلل کا شبہ اور اس کا جواب

اہل علم کی وضع، لباس اکثر سادہ، کبھی اپنے گھر کا دھلا ہوا کبھی پیوند لگا ہوا کبھی بند یا بٹن کھلا ہوا دیکھا جاتا ہے اس سے ان پر تذلل کا شبہ کیا جاتا ہے حالانکہ یہ تواضع ہے۔ یہ شخص تو قومی انجن کا ڈرائیور ہے ڈرائیور کو غسل اور صابون ملنے اور کوئلوں کے جھاڑنے کی فرصت کہاں اگر فسٹ اور سیکنڈ کلاس کے متنعم اس پر اعتراض کر دیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم ولایت اسی کی بدولت پہنچے ہیں اور وہاں سے ڈگریاں حاصل کر کے فسٹ وسکنڈ کلاس میں سفر کر رہے ہیں تو نادانی کے سوا کیا ہے۔

(تجدید تعلیم ص:۳۴و۳۵، حقوق العلم ص:۳۱)

عزت وذلت کا معیار

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عزت کا مدار استغناء پر ہے اور تذلل کا احتیاج پر ہے لباس ووضع کو اس میں دخل نہیں اگر کپڑے پرانے ہیں اور ہفت اقلیم کا بھی دست نگر نہیں تو وہ معزز ہے اور اگر لباس ووضع نوابوں کا سا ہے، ہزاروں روپیہ تنخواہ ہے، ہزاروں روپیہ جائداد کی آمدنی ہے، سامان امیرانہ ہے، مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ اور مل جائے فلاں معاملہ میں کچھ اور ہاتھ آجائے تو ایسا شخص بالکل ذلیل ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۳۴، حقوق العلم ص:۲۹)

پس اہل علم کی یہ وضع تو محض تواضع کے سبب سے ہے کہ اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے اور کبھی غایت مشغولی مہمات اس کا سبب ہوتا چنانچہ مشاہدہ اور امر طبعی ہے کہ جو شخص

کسی مہتم بالشان اور جلیل القدر کام میں منہمک و مستغرق ہوگا اس کو اپنی تن آرائی اور شکم پری کی فرصت بھی نہ ملے گی، چنانچہ تقریبات کے مہتممین اور سرکاری وقتی خدمات کے منتظمین کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ وقت پر کھانا بھی یاد نہیں رہتا، کئی کئی روز کپڑے بھی بدلنے میں نہیں آتے کیا یہ تذلل ہے؟ غایت عزت ہے؟ کہ اپنے فرض منصبی کو کس اہتمام سے انجام دے رہا ہے۔ (حقوق العلم ص: ۳۸، تجدید تعلیم ص: ۳۸)

بدتہذیبی کا شبہ اور اس کا جواب

ایک شبہ یہ تھا کہ اہل علم میں تہذیب کم ہوتی ہے پہلے تہذیب کا کوئی معیار مقرر کیجئے، تہذیب کا معیار آج کل یورپ کا رسم و رواج سمجھا گیا ہے سو خود اس معیار کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے کیا اہل یورپ کی کوئی رسم تہذیب سے گری ہوئی نہیں؟ معیار دو ہی چیزیں ہوسکتی ہیں عقل سلیم یا مذہب صحیح۔ مگر سلیم ہونے کے لیے پھر بھی کسی معیار کی ضرورت ہوگی کیونکہ عقلیں متفاوت ہیں، بس معیار ہونے کی صلاحیت صرف مذہب صحیح میں ہوسکتی ہے جب تہذیب کا معیار مذہب صحیح اور دین الٰہی قرار دیا گیا تو خلاف تہذیب کا مصداق دین ہوا، تو اب دیکھ لیجئے کہ دین کے خلاف علماء میں زیادہ افعال پائے جاتے ہیں یا غیر علماء میں، اس سے معلوم ہوجائے گا کہ بے تہذیب کہلانے کا کون مستحق زیادہ ہے، اور اگر کسی میں کوئی امر خلاف تہذیب واقعی پایا جاتا ہے تو اس کا سبب قلت تربیت ہے۔ (حقوق العلم ص: ۳۸، تجدید تعلیم ص: ۳۸)

بخل و دنائتِ طبع کا شبہ اور اس کا جواب

مثلاً بعض علماء و طلبہ کو دیکھا جاتا ہے کہ لکھے ہوئے لفافے دوسری طرف سے الٹ کر گوند سے جوڑ کر کام میں لے آتے ہیں لوگ اس کو دنائت سمجھتے ہیں حالانکہ غور

کر کے دیکھا جائے تو اس کی حقیقت مال کو ضائع ہونے سے بچانا ہے گو اس درجہ کی حفاظت واجب نہ ہو، لیکن محمود اور اولیٰ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔ متمدن اقوام کی مدح کی جاتی ہے کہ کوئی چیز بیکار نہیں چھوڑتے، حتیٰ کہ چیتھڑے گودڑوں کا کاغذ بنتے ہوئے خود احقر نے دیکھا ہے، تعجب ہے کہ اس پر تو مدح ہو اور اس کی نظیر پر خردہ گیری کی جائے، نہایت بے انصافی ہے اور مثلاً اہل علم پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں، اس سے بخیل مشہور کر دیئے جاتے ہیں، مگر اس کو بخل سمجھنے والوں کی حالت اس مصرعہ کی مصداق ہے ع

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء

جہاں اپنے پیسہ پیسہ کی حفاظت کرتے ہیں وہاں کسی کی ایک کوڑی اپنے پاس رہ جانا گوارہ نہیں کرتے۔ (حقوق العلم ص: ۲۵)

معاملات میں گڑبڑی اور بے وفائی کا شبہ

(بعض اہل علم) پرائے مال میں ذرا احتیاط نہیں کرتے، دوسروں کے حقوق ٹالتے ہیں، کسی کی کتاب لے کر نہیں دیتے یا بے پرواہی سے ضائع کر دیتے ہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ سب اقتضاء علم کے خلاف ہے ایسا شخص ہمارے نزدیک علماء میں داخل نہیں ہے۔ (حقوق العلم ص: ۲۷)

کم عقلی کا شبہ

ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ طالب علموں کو عقل کم ہوتی ہے معاملات کو نہیں سمجھتے اکثر دنیا کے قصوں سے بے خبر ہوتے ہیں، اگر ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس کا تعلق کسی معاملہ سے ہو تو اس کو سمجھ نہیں سکتے، اگر کوئی انتظامی کام ان کے سپرد

کیا جائے تو اس کو کر نہیں سکتے۔

اس شبہ میں نہایت عدم تدبّر سے کام لیا گیا ہے اس معترض نے عقل اور تجربہ کو ایک قرار دیا ہے حالانکہ ان دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، کیا اگر کسی بڑے عاقل فاضل شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ فلاں کارخانہ میں فلاں نمبر کا جوتہ کس قیمت کا ہے تو کیا اس کو اتنی بات پر بے وقوف کہہ دیں گے؟ اگر کوئی اس طرح کہے تو وہ خود اس لقب کے قابل ہوگا، اسی طرح اہل علم کو جن معاملات سے سابقہ کم پڑتا ہے یا نہیں پڑتا، ان کے متعلق ان کی معلومات کم ہوتی ہیں یا نہیں ہوتیں۔ اگر اہل علم کسی طرف ادنی توجہ کرتے ہیں تو وہ ان دنیا کے کاموں کو بھی ایسا اچھا کرتے ہیں کہ بڑے بڑے تجربہ کار دنگ رہ جاتے ہیں۔ (حقوق العلم ص:۵۴)

کیا مولوی بے حیاء و بے شرم ہوتے ہیں؟

لوگ آج کل علماء کی بے حیائی اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات شرمناک مسائل فقہیہ کھلے کھلے لکھ دیتے ہیں اس کا الزامی جواب یہ ہے کہ میڈیکل کالج میں عورتوں کو تشریح کی تعلیم دینے میں جتنی (بے حجابی) ہوتی ہے یہاں تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں، یہاں تو صرف الفاظ ہیں، اور وہاں ان الفاظ کے معانی کا مصداق، تعجب ہے کہ یہ تو بے حیائی ہو، اور گوارہ نہ کیا جائے اور وہ بے حیائی نہ ہو اور گوارہ کیا جائے۔

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ اگر معترض صاحب ان مسائل کو دین سمجھنے یا دین کے محفوظ رہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تب تو پہلے اسی کو ثابت کیا جائے گا اور اگر اس کو دین جانتے ہیں اور دین کے بقاء کو بھی ضروری جانتے ہیں تو ان سے درخواست ہے پھر اور کوئی طریقہ ان مسائل کے محفوظ رہنے کا ارشاد فرمائیں تاکہ اس کو اختیار کیا جائے۔ (حقوق العلم ص:۴۱)

باہمی اختلاف اور ردّ وقدح کا شبہ

ایک شبہ یہ کہ مولویوں میں اکثر مسائل میں اختلاف ہوتا ہے جس سے لوگوں کو عمل کرنے میں سخت حیرت ہوتی ہے کہ کس پر عمل کریں۔

جواب یہ ہے کہ اطباء میں باہم تشخیص وتجویز میں اختلاف نہیں ہوتا؟ اور کیا کوئی شخص اپنے مریض کو بلا علاج ہی چھوڑ دیتا ہے محض اس وجہ سے کہ اختلاف کی حالت میں کس کا علاج کریں، لاؤ سب ہی کو چھوڑ دیں بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون طبیب زیادہ تجربہ کار اور ماہر فن ہے اور کس کے ہاتھ سے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جس امر کو ضروری سمجھتا ہے اس میں ایسے اختلافات سنگ راہ نہیں ہوتے۔ (تجدید تعلیم ص:۳۹، حقوق العلم ص:۴۶)

اہل علم کا باہمی حسد وبغض

ایک شبہ یہ کہ اہل علم میں باہم تحاسد وتنافس دیکھا جاتا ہے۔

اگر سب علماء کو کہا جائے تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے اور بعض کی نسبت کہا جائے تو ہم بھی متفق ہیں مگر اس کا سبب قلت تربیت ہے، میں کہتا ہوں کہ اگر تحصیل معاش کے لیے کوئی شخص اپنے بیٹے کے لیے طبیب بننے کو ضروری قرار دے اور شہر کے اطباء میں (آپس میں) تحاسد وتنافس بھی دیکھے تو کیا محض اس سبب سے وہ اپنی رائے بدل دے گا یا رائے کو بحال رکھ کر اس کی کوشش کرے گا کہ میرے بیٹے کے ایسے اخلاق نہ ہوں؟ اسی طرح یہاں بھی چاہئے کہ علم دین کا اہتمام کرو، اور اخلاق کو درست کرو۔ (حقوق العلم ص:۴۱)

بعض اہل علم بڑے بدعمل ہوتے ہیں

اگر ایسا عالم کوئی ہو بھی تب بھی وہ اپنے لیے ضرر رساں ہے یا دوسرے کم فہموں کے لیے؟ اس عالم کی مثال بدپرہیز طبیب کی سی ہے کیا اس کی بدپرہیزی ان کے نسخوں کو بھی غیر مفید کر دے گی، جو اس نے اپنی حذاقت ومہارت فن سے کسی مریض کے لیے تجویز کیے ہیں، کیا اس حالت میں اس سے نسخہ نہ پوچھا جائے گا؟ وہ اگر ماہر ہے تو نسخہ تو مفید ہی بتلائے گا۔ اسی طرح اگر خدانخواستہ کوئی عالم حسد وعناد کی بلا میں مبتلا ہو مگر تم کو مسئلہ صحیح بتلائے گا۔ (حقوق العلم ص: ۴۵)

مولوی کنجوس کیوں مشہور ہوتے ہیں

فرمایا کہ مولوی بیچارے کنجوس اسی وجہ سے مشہور ہیں کہ ان بیچاروں کی نظر کارروائی پر ہے بعض مرتبہ میں نے سینک سے خط لکھ لیا ہے، اسی طرح مولوی کاغذ بھی ذرا سا ہی لے کر اس سے کام چلا لیتے ہیں۔ (حسن العزیز ۲/۱۴۸)

باب (۱۰)

دینی مدارس میں دستار بندی کے سالانہ جلسوں کا ثبوت اور فضیلت

سنئے! حق تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' اس آیت میں اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے اور دعوت دینے کا امر ہے اور تعلیم و تعلّم کا خیر الاعمال ہونا ثابت ہو چکا تو اس کی ترغیب دینا بھی ضروری ٹھہرا، اور ترغیب کی دو صورتیں ہیں ایک تو ان کی اعانت کرنا، ان کی خدمت کرنا، ان کی عزت و عظمت کرنا اور ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کو دستار بندی کی جائے۔ اس سے بھی فارغین کو مسرت ہونے کے سبب قرآن کی تعلیم کی طرف اور ان کے سرپرستوں کو تعلیم قرآن کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے اور تعلّم کا سبب بن جاتا ہے یہ بھی ایک تعلیم کا مصداق ہے پس یہ عمل خلاف سنت نہیں ہے، کیونکہ اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے اور یہ بھی اسباب رغبت میں سے ہے پس صراحتاً تو نہیں مگر دلالۃً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔ غرض اس دستار بندی سے خود لڑکوں کو بھی رغبت ہوتی ہے کہ اگر اچھی طرح یاد کریں گے تو ہماری دستار بندی ہوگی نیز والدین کو بھی اس سے خوشی ہوتی ہے۔ نیز اگر لڑکوں میں صلاحیت ہوئی تو ان کو خیال ہوگا کہ اب ہم بڑے بنا دیئے گئے، اب ہم کو تقویٰ و طہارت اختیار کرنا چاہئے یہ قرآن سے دستار بندی کا ثبوت اور فضیلت معلوم ہوئی۔

حدیث سے ثبوت

ایک حدیث سے بھی اس کا ثبوت بیان کرتا ہوں، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص طہارت قلب سے قرآن پڑھے تو اس کے والدین کو قیامت میں ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی کے سامنے چاند وسورج بھی ماند پڑ جائیں گے، یہ حدیث صحاح میں موجود ہے گو اس میں حافظ کے لیے کسی بات کی تصریح نہیں بلکہ اس کے والدین کا اجر مذکور ہے مگر جب حافظ کی بدولت والدین کا یہ حال ہوگا تو اس کے لیے یہ فضیلت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ تاج کو خصوصیت ہے اور عمامہ بھی تاج ہے اس لیے اشارۃً اس عمل کا مستحسن ہونا حدیث سے بھی ثابت ہوگیا۔

اور طبرانی کی ایک روایت تو اس مضمون میں بہت ہی صریح ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو حاکم بناتے تو اس کے سر پر اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھ دیا کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ حافظ و عالم بھی قوم کا مقتداء ہونے کی وجہ سے حاکم کے مثل ہے۔ تو فراغت کی سند کے ساتھ اس کی دستار بندی بھی اس حدیث کے موافق ہے، مگر چونکہ مجھے اس حدیث کی سند کا حال معلوم نہیں، اسی لیے میں نے اس کو سب کے بعد بیان کیا، اگر یہ حدیث صحیح ہو تب تو دلیل اس فعل کے مقبول ہونے کی بہت صریح ہے اور اگر صحیح نہ ہو تو گذشتہ دلائل بھی مدعا کے اثبات میں کافی ہیں غرض یہ عمل خلاف سنت نہیں۔ (التبلیغ ۲۴۵/۲۱)

مدارس کے متعارفہ جلسوں کے بعض منکرات ومفاسد

موانع شرعیہ کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک غور کر کے اور تجربہ کی شہادت سے دیکھا جاتا ہے تو ان جلسوں کے انعقاد کی بڑی غرض دو معلوم ہوتی ہیں (۱) فراہمی

چندہ، اور اپنی کارگزاری کی شہرت یا یوں کہیے کہ مدرسہ کی وقعت ورفعت جس کا حاصل حبِّ جاہ اور حبِّ مال نکلتا ہے، جس سے نصوص کثیرہ میں نہی فرمائی گئی ہے۔ اگرچہ مال وجاہ اگر دین کے لیے مقصود ہوں تو مذموم نہیں مگر کلام اس میں ہے کہ ایسے مواقع پر یہ امورِ دین کے لیے مقصود ہیں یا دنیا کے لیے؟ سو گو نفس تاویل کر کے دین ہی کے بتلاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قصد کے لیے ایک خاص معیار بنایا ہے، جس سے صحت یا فسادِ قصد معلوم ہو جاتا ہے ان مواقع میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے طلبِ دنیا کی علامت غالب ہوتی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر دین مقصود ہوتا تو اس کے اسباب وطرق میں کوئی امر خلاف رضائے حق تعالیٰ اختیار نہ کیا جاتا، اور جب ایسے امور اختیار کیے جاتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مقصود ہے۔ ان امور میں سے بعضے بطور نمونہ کے درج ہیں۔ (امداد الفتاویٰ جلد۴ ص:۶۵)

بعض مفاسد کی تفصیل

(۱) اپنے مدرسہ کو اصلی حالت سے اکثر زیادہ ظاہر کیا جاتا ہے تصریحاً یا ایہاماً جس کا حاصل کذب وخداع ہے۔

(۲) تکثیر سواد طلبہ ومحصلین کے دکھلانے کو نا اہلوں کو اہل دکھلایا جاتا ہے۔

(۳) کارروائی میں کارگذاری کا اظہار، اپنی مدح، اپنے کام کی ترجیح، اپنے کام کی خوبی وکثرت دکھلانا اور اس کی وجہ سے تعلیم کی کمیت کا کیفیت سے زیادہ اہتمام کرنا۔ اور کتابیں بلا استعداد گھسیٹنا کہ کارروائی دکھلا سکیں، خواہ طالب علموں کو آئے یا نہ آئے، یہ سب حبِّ جاہ اور حبِّ مال کی علامتیں ہیں۔

(۴) حکم شرعی ہے کہ ریا حرام ہے اور اکثر ایسے موقعوں پر دینے والوں کے دل میں ریا ہوتی ہے اور ریا کا سبب بن جانا بھی معصیت ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص مدرسہ پر کسی قسم کا اعتراض کرے اور وہ حق بھی ہو تو ہرگز اس کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے درپے ہو کر رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، گو دل میں اس کو حق سمجھتے ہیں جس کا حاصل بَطَرِ حق ہے۔

(۶) اگر اور کوئی مدرسہ مقابلہ میں ہو جائے گو اس کی حالت واقع میں اچھی ہو مگر ہمیشہ وہ مثل خار نظر آتا ہے اور دل سے اس کے انعدام (نیست و نابود ہو جانے) کے متمنی رہتے ہیں، ورنہ خوش ہونے کی بات تھی کہ دین کا کام کئی جگہ ہو رہا ہے، لیکن محض اس وجہ سے کہ اس کی شہرت نہ ہو جائے اور اس میں کمی نہ ہو جائے ناگواری ہوتی ہے۔

(۷) اکثر ایسے جلسوں میں اسراف ہوتا ہے جن لوگوں کے بلانے کی کوئی ضرورت نہیں ان کے اور ان کے رفقاء و خدام کے کرایہ میں بہت سے روپئے جاتے ہیں، بعض اوقات طعام وغیرہ کا بھی مدرسہ سے اہتمام ہوتا ہے، جس میں تکلفات ہوتے ہیں اور ساتھ میں غیر مہمان بھی کھاتے ہیں اور غالباً بلکہ یقیناً روپئے دینے والوں سے اذن نہیں لیا جاتا اور دلالۃً اذن کا دعویٰ بھی مشکل ہے، کیونکہ اہل عطا (دینے والے حضرات) خود ایسے مصارف کی خدمت کرتے ہیں۔

(۸) بعض جگہ مسجد میں ایسے جلسے ہوتے ہیں اور مسجد کے ساتھ بیٹھک کا سا برتاؤ ہوتا ہے، شور و شغب، دنیا کی باتیں، اشعار مذمومہ اور بہت سے منکرات جو مشاہدہ سے متعلق ہیں (پیش آتے ہیں)۔

(۹) چندہ کے حاصل کرنے میں قواعد شرعیہ کی رعایت نہیں کی جاتی کیونکہ حکم شرعی ہے **لا یحل مال امرئ الا بطیب نفسہ**۔ چندہ میں سوچ سوچ کر وہ طریق اختیار کئے جاتے ہیں جس سے مخاطب کے قلب پر اثر پڑے گو وہ اثر

دباؤ یا شرم کے لحاظ سے کیوں نہ ہو، شرکت جلسہ میں اصرار کیا جاتا ہے اور یقیناً معلوم ہے کہ بڑے آدمیوں کو خالی ہاتھ آنے میں سبکی و کم وقعتی کا اندیشہ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (امداد الفتاوی ۶۶/۴)

غلط مشورہ

فرمایا ایک اضرار دین یہ ہے جس میں اہل مدارس مبتلا ہیں کہ کسی طالب علم نے کسی سے مشورہ لیا کہ میں کون سے مدرسہ میں پڑھوں؟ ہر مدرسہ والا اپنے ہی مدرسہ کا مشورہ دیتا ہے گو جانتے ہیں کہ اس کا نفع دوسرے مدرسہ میں زیادہ ہے، افسوس آج کل اہل علم بھی غلط مشورہ دینے لگے ہیں اور پہلے زمانہ میں کفار بھی غلط مشورہ نہ دیتے تھے۔ (التبلیغ ص:۱۴، خیر الارشاد ص:۱۲۹)

مسجد دار العمل ہے اور مدرسہ دار العلم ہے سو جس طرح مساجد متعدد (کئی ایک) ہونے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح مدارس کے متعدد ہونے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، مگر حالت یہ ہے کہ مدرسوں کے متعدد (زیادہ) ہونے سے گرانی ہوتی ہے۔ سو ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ خوشی ہونی چاہئے کہ کام کرنے والے بہت ہو گئے، مگر چونکہ مدارس میں اکثر غلبہ امراض نفسانیہ کا ہوتا ہے اس لیے ان کے تعدد سے گرانی ہوتی ہے۔ (الکلام الحسن ص:۵۴)

باب (۱۱)

فصل

چندہ کا بیان

میں چندہ کی تحریک کا مخالف نہیں ہوں

فرمایا میں چندہ کی تحریک کا مخالف نہیں ہوں، مگر طریقہ کار کا مخالف ہوں، میرے نزدیک طریقہ یہ ہے کہ اس کی تحریک رؤساء کریں، مولوی نہ کریں کیونکہ رؤساء خود بھی دیتے ہیں اور ان کی تحریک سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا، اور مولوی چونکہ خود نہیں دیتے اس لیے شبہ ہوتا ہے کہ اپنے کھانے کے واسطے (چندہ) کر رہے ہیں۔

(کلمۃ الحق ص:۴۶)

چندہ کی مشروعیت اور اس کا ثبوت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ'' اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت اور بھلی باتوں کا حکم کرے۔

اس لیے چندہ کی ترغیب کا مضائقہ نہیں کیونکہ حفاظت دین ضروری امر ہے اور بغیر تعلیم و تعلّم کے سلسلہ کے ممکن نہیں، اور یہ سلسلہ اس وقت عادۃً بدون اعانت کے چل نہیں سکتا، پس اعانت کرنا ایک امر خیر کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہے لہٰذا خیر ہے

بلکہ امر ضروری کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے۔ (دعوات عبدیت ۱۲۲/۵)

اس کے متعلق اس آیت میں کافی فیصلہ موجود ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:
”هَاانْتُم هٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنكُم مَنْ يَبْخَلُ وَمَنْ يَبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ الخ“ دیکھئے سوال کی تو نفی کرتے ہیں اور دعوت الی الانفاق کا اثبات فرماتے ہیں اور سوال کرنے پر بخل کرنے میں زیادہ مذمت نہیں فرماتے۔ اور دعوت الی الانفاق میں بخل کرنے کی مذمت فرماتے ہیں ”وَمَنْ يَبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ، وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ الخ“ اگر روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے بجائے دوسری کسی قوم کو پیدا کردے گا جو تمہاری طرح بخیل اور جان چرانے والے نہ ہوں گے۔

دیکھئے ترغیب پر بخل کرنے سے کسی قدر دھمکایا ہے۔ (تجارت آخرت ص: ۶۵)

عوام کو اہل مدارس کی اعانت کرنا اور چندہ دینا ضروری ہے

دین کی خدمت کرنا قوم ہی کی تو خدمت کرنا ہے کیونکہ دین سب مسلمانوں کی مشترک چیز ہے جس کی خدمت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے جس کو طلبہ (علماء) آپ کی طرف سے ادا کررہے ہیں، اگر قرآن وحدیث سے یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو دوسری قوموں کی شہادت سے سہی، کیونکہ آج کل دوسری قوموں کی تقلید کی عادت ہوگئی ہے، دیکھئے غیر قومیں بھی اپنی مذہبی جماعت کی دینی خدمت کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ مذہبی جماعت ساری قوم کی طرف سے ایک اہم اور ضروری کام انجام دے رہی ہے اسی لیے مشنریوں کی خدمت تمام عیسائی اور گروکل کی خدمت تمام ہندو سب چھوٹے بڑے کرتے ہیں، ہر ہر شخص اپنا کام سمجھ کر اس میں حصہ کچھ نہ کچھ ضرور لیتا ہے، افسوس ہے کہ مسلمان اس بات میں دوسروں کی

بھی تقلید نہیں کرتے، پھر چندہ میں بھی قوم فراخ دلی سے حصہ نہیں لیتی، حالت یہ ہے کہ جب کوئی چندہ مانگتا ہے تو رئیس صاحب یہ کہہ کر چل دیتے ہیں کہ میں ذرا گھر جاتا ہوں پھر جب تک مولوی صاحب کے بیٹھے رہنے کا احتمال رہے گا نکلنے کے ہی نہیں۔
(التبلیغ ۱۵۰/۱)

عوام پر اعانت کرنا کیوں ضروری ہے؟

دیکھئے اگر ایک جائداد کئی آدمیوں میں مشترک ہو کہ ایک کے اس میں آٹھ آنے ہوں دوسرے کے چار آنے، تیسرے کے دو آنے، چوتھے کا ایک آنہ اور کوئی ظالم اس جائداد پر دستبرد کرے تو کیا ایک آنہ کا شریک خاموش ہو کر بیٹھے گا ہرگز نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مشترک چیز کی حفاظت تمام شرکاء کو کرنا چاہئے، اسی طرح قرآن شریف مسلمانوں کی مشترک جائداد ہے اس لیے اس کی بھی حفاظت سب کو کرنی چاہئے، اور اگر کہئے کہ مشترک نہیں تو مہربانی کر کے یہ لکھ کر دے دیجئے تاکہ ہم اس کو شائع کر دیں پھر ان لوگوں سے ہم ہرگز اس کی حفاظت کا خطاب نہ کریں گے اور انشاء اللہ کوئی بھی نہ کرے گا، اور جب یہ گوارہ نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کے ذمہ بھی ضروری ہے اور دوسروں کو بھی اس کا حق ہے کہ وہ آپ سے جبراً اس کی حفاظت کرائیں خواہ مال لے کر یا دوسرے طریقے سے۔ (دعوات عبدیت ۸۸/۶)

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب کے سب دیندار ہوں اور چونکہ معاش کی بھی ضرورت ہے اس لیے کچھ افراد اس میں بھی لگیں، اور کچھ افراد ایسے بھی ہونا چاہئے کہ وہ محض خادم قوم ہوں کیونکہ اگر سب کے سب تحصیل معاش ہی میں پڑ جائیں تو دین کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا ہے، مثلاً سررشتہ تعلیم ہی کو لیا جائے اگر اس میں کوئی نہ جائے تو ساری نوکریاں بند ہو جائیں گی، اسی طرح دین کے کام میں

بھی اگر کوئی نہ لگے تو یہ کام بند ہو جائے، لہٰذا ضروری ہے ایک جماعت محض خادمان دین کی ہو کہ یہ لوگ اس کے سوا اور کوئی کام نہ کریں۔ (دعوات عبدیت)

خادمانِ دین اور اہل مدارس کی مالی اعانت کرنے کی شرعی دلیل

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ نفقہ احتباس کی جزاء بھی ہوتا ہے یعنی جو شخص کسی کی مصلحت یا خدمت کے لیے محبوس و مقید ہو اور اس احتباس کے سبب وہ اپنی معیشت کا انتظام نہ کرسکتا ہو تو اس شخص کا نفقہ اس پر واجب ہوگا جس کی مصلحت ومنفعت کے لیے محبوس ہوا، چنانچہ اس کی مشہور مثال جو فقہاء نے ذکر کی ہے قاضی کا رزق ہے چونکہ عام مسلمین کے لیے قضاء کی خدمت میں محبوس ہے اس لیے اس کا رزق عام مسلمین پر واجب ہے جس کی شکل یہ ہے کہ بیت المال میں سے دیا جاتا ہے جس کی حقیقت مسلمانوں سے جمع کیا ہوا مال ہے اور فقہاء نے زوجہ کے نفقہ کو بھی جزاء احتباس ہی کہا ہے۔

علماء ومشائخ حضرات قوم کی دینی خدمت میں محبوس ہیں کیونکہ علوم دینیہ میں تبحّر (مہارت) تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے جب یہ مصلحت عام قوم کی ہے تو ان صاحبوں کے نفقات مجموعہ قوم کے ذمہ واجب ہوں گے پھر جس وقت تک بیت المال منتظم تھا بیت المال سے وصول ہو جانا عام مسلمانوں سے وصول ہو جانے کی صورت تھی اور جب سے بیت المال نہیں رہا اب اس کی صورت صرف یہی ہے کہ مسلمان متفق ومجتمع ہو کر ان حضرات کی خدمت بقدر کفایت کریں۔ (اصلاح انقلاب ۱۹۲/۲)

اگر مسلمان اہل مدارس کی مالی اعانت نہ کریں اور چندہ نہ دیں

جب اس کا انتظام قوم پر واجب ہے تو اگر ان کی خدمت میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی۔ (اصلاح انقلاب ۱۹۲/۲)

لیکن یاد رکھو! اگر تم نہ بھی کفالت کرو گے بلکہ تمام لوگ اس جماعت کے مخالف ہو جائیں اور سب لوگ ان کو دینا اور مدد کرنا بند کر دیں تب بھی یہ جماعت قائم رہے گی اور مولوی کھاتے ہی رہیں گے اگر کہئے کہ کیوں کر اور کہاں سے کھاتے رہیں گے اور کہاں سے ان کو ملے گا تو لیجئے میں بتلاتا ہوں قرآن شریف میں ارشاد ہے: ''هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. الآية'' حاصل ترجمہ یہ ہے کہ تم کو انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے) بلایا جاتا ہے مگر بعضے بخل کرتے ہیں اور اس بخل سے اپنا ہی نقصان کر رہے ہو، ورنہ حق تعالیٰ غنی اور تم محتاج ہو، اگر تم اس سے بے توجہی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دیں گے اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے، تو حاصل جواب کا یہ ہوا کہ اگر تم نہ دو گے تو خدا تعالیٰ دوسری قوم کو پیدا کر دیں گے جو کہ دین کی خدمت کرے گی، اب اگر کسی کو شبہ ہو کہ قوم کہاں سے پیدا ہوگی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ روزانہ یہ سلسلہ خلق جاری ہے دوسرا جواب یہ کہ اس وقت جو لوگ مسلمان ہیں وہ اسلام کے احکامات اور تعلیمات کو چھوڑ چھوڑ کر دور ہو رہے ہیں، اور غیر مسلم لوگ اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتے چلے جا رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہید ہے اس دن کی جس دن کو عجب نہیں کہ ایسے مسلمان خارج از اسلام ہو جائیں اور ایسے غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور اگر مسلمانوں کو اس کا خیال ہے کہ یہ روز بد نہ دیکھنا پڑے تو سنبھالو اور کام میں مشغول ہو جاؤ۔ (دعوات عبدیت ۶/۸۴)

لوگوں کو چندہ کا ذکر ناگوار ہونے اور چندہ مانگنے والوں سے بدگمان ہونے کی معقول وجہ اور اس کا شرعی حل

میں چندہ کا ذکر وعظ میں کبھی نہیں کیا کرتا اور یہ میرے اندر کمی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے کلام پاک میں جا بجا انفاق فی الخیر یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے

کی ترغیب فرمائی ہے تو میں اس میں رکنے والا کیوں ہوں؟

مگر اس کمی میں میں منفرد نہیں بلکہ سامعین بھی شریک ہیں، اور ان کی شرکت اس بناء پر ہے کہ ان لوگوں کو انفاق کا ذکر نا گوار ہوتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو میری کمی کا سبب بھی یہی ہے، اگر لوگوں کو چندہ کا ذکر کرنا نا گوار نہ ہوا کرتا تو میرے رکنے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس لیے میں اس کا بیان بہت کم کرتا ہوں، مگر جب کرتا ہوں تو صاف صاف کرتا ہوں، واعظوں کی طرح ہیر پھیر نہیں کرتا میں ایسا نہیں کرتا کہ چندہ کے ذکر کا کسی مضمون پر جوڑ لگاؤں۔

اب میں یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو چندہ کا بیان کیوں نا گوار ہے؟ اس کی وجہ یہ نہیں کہ چندہ دینے میں ہندوستان کے مسلمان بخیل ہیں، نیز تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا افلاس (تنگدستی وغربت) بھی چندہ دینے میں مانع نہیں بلکہ باوجود افلاس کے ہندوستان کے مسلمان دیگر ممالک کے مسلمانوں سے بہت زیادہ چندہ دینے والے ہیں، پس جب نہ بخل (کنجوسی) مانع ہے اور نہ افلاس (تنگدستی) مانع ہے تو پھر نا گواری کا کیا سبب ہے، سو نا گواری کا سبب یہ ہے کہ ہم واعظوں اور مولویوں اور لیڈروں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے چندہ مانگا، اور لوگوں کی جیب سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا، غریب مسلمان تو اپنا پیٹ کاٹ کر چندہ دیں اور یہ اپنے پیٹ کو دوزخ سے بھریں، چنانچہ ہر طرف سے چندہ کے متعلق اس قسم کی شکایتیں سننے میں آتی ہیں۔ پھر اب لوگوں کو چندہ کا بیان نا گوار کیوں نہ ہو۔

مگر اس نا گواری کا علاج مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، وہ خود اس کا علاج کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ ہر شخص کو (ہر مدرسہ اور محصل چندہ کو) روپیہ نہ دیں، بلکہ ایسے ہاتھوں کو (اور ایسے مدرسہ والوں اور محصلین چندہ کو) دیں جن میں احتیاط کا مادہ ہو (خلاصہ کلام یہ کہ جتنا ہم سے ہو سکے ہم ان کی) مال سے اعانت کرتے رہیں، اگر

اس کے کارکن خیانت کریں گے خدا کے یہاں بھگتیں گے۔ مگر جس کی خیانت کا علم ہو جائے اس کو پھر چندہ نہ دیں بلکہ اب اس کو دیں جس کی خیانت کا علم ابھی نہیں ہوا (بہتر یہ ہے کہ مدرسہ واہل مدرسہ کے حالات کی خود تحقیق کرلیا کریں، اور اطمینان ہو جانے کی صورت میں مالی اعانت سے دریغ نہ کریں) اور جو لوگ مالی اعانت نہ کرسکیں وہ دعا کرتے رہیں یہ بھی بڑی امداد ہے، اور جس سے دعا بھی نہ ہو سکے تو خدا کے واسطے اس کام میں روڑے تو نہ اٹکائیں۔

بچوں سے یا ان کے مال سے چندہ

فرمایا کہ: اس وقت چندہ جمع کرنے والے نابالغ بچوں سے بھی چندہ لے لیتے ہیں یہ بالکل جائز نہیں، جو مال بچہ کی ملک ہے وہ اگر کسی کو خوشی سے بھی دینا چاہے تو نہیں دے سکتا، اور نہ اس کا ولی دے سکتا ہے۔

البتہ اگر ماں باپ اپنی طرف سے روپئے دیں اور بچہ کی ملک نہ کریں مگر اس کے ہاتھ سے دلوائیں اس میں مضائقہ نہیں لیکن اس کی ملک ہو جانے کے بعد کسی کو بھی نہ دینا جائز ہے نہ لینا۔ (کمالات اشرفیہ ص:۱۰۱)

چندہ وصول کرنے کے شرائط

(۱) اسی موقع پر ایک اور امر کو جو کہ ہدیہ صدقہ وغیرہ میں مشترک ہے سمجھ لینا چاہئے کہ ہدیہ، صدقہ، چندہ قرض وغیرہ حرام مال میں سے نہ ہونا چاہئے اگر کوئی حرام مال سے دینا چاہے تو صاف انکار کردے۔

(۲) دوسرا امر یہ ضروری ہے کہ وسعت سے زیادہ نہ لے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے وسعت سے زیادہ نہیں لیا سوائے ان لوگوں کے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اطمینان تھا کہ ان کی قوت توکل کامل

ہے، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کل سرمایہ قبول فرمالیا۔

(۳) ایک شرط یہ کہ چندہ دینے والے کی طبیعت پر گرانی نہ ہو یعنی ان طریقے سے بچے جن میں دینے والے کی طبیعت پر بار پڑنے کا احتمال ہو کیونکہ حدیث میں ہے ''**لایحل مال امرئ الا بطیب نفسه**'' (دلی رضامندی کے بغیر کسی کا مال حلال نہیں)۔

(۴) ایک شرط یہ کہ (چندہ لینے میں) اپنی ذلت نہ ہو کیونکہ بعض طریقے ایسے بھی چندہ لینے کے ہیں کہ ان میں دینے والے پر تو بار نہیں ہوتا مگر لینے والا نظروں سے گر جاتا ہے۔ حدیث شریف میں جو سوال کی ممانعت آئی ہے وہ اسی بنا پر ہے۔ اور اسی وجہ سے جہاں نہ گرانی ہو اور نہ ذلت ہو، وہاں حاجت کے وقت طلب کرنا درست ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر مانگو تو صلحاء سے مانگو، یا بادشاہ سے مانگو۔

خلاصہ یہ ہے کہ یا تو اہل اللہ سے مانگو یا بہت بڑے امیر سے مانگو۔

(تجارت آخرت ص:۵۹)

حرمت کی دو وجہ

اس کا راز یہ ہے کہ سوال کی حرمت کی دو وجہ ہیں۔ ایک ذلت، دوسرے مخاطب کی طبعی گرانی کا احتمال، اور جب علت مرتفع ہوگی معلول بھی مرتفع ہوگا، تو جب بادشاہ سے مانگا، نہ تو ذلت ہوئی نہ گرانی۔ گرانی تو اس لیے نہ ہوگی کہ جس کے پاس کروڑوں موجود ہیں، وہ اگر پانچ دس دے دیں تو اس کے خزانہ میں کیا کمی آتی ہے، اور ذلت اس لیے نہیں کہ یہ اس کی نظر میں چڑھا ہی کب تھا کہ آج نظروں سے گر گیا۔

اور بزرگوں سے مانگنے کی اجازت بھی اس لیے ہے کہ ان سے مانگنے میں ذلت تو اس لیے نہیں ہوسکتی کہ وہ سب سے کم اپنے کو سمجھتے ہیں، ہر ایک پر ان کو ترحم ہوتا ہے وہ کسی کو کیوں ذلیل سمجھنے لگے، اور گرانی اس لیے نہیں ہوگی کہ وہ ہر چیز سے بالکل آزاد ہیں، اگر ان کو نہ کرنا ہوگا وہ آزادی سے جواب دے دیں گے، کسی سے وہ کیوں دبیں گے، اس لیے گرانی ان کے پاس بھی نہیں آتی۔

چندہ کے حلال ہونے کی اصل شرط

فرمایا اگر کسی قسم کا بھی دباؤ ہو تو میں اس چندہ کو حلال نہیں سمجھتا کیونکہ حدیث شریف میں یہ حکم صاف موجود ہے کہ ''أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ'' (بیہقی) یعنی کسی انسان کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے حلال نہیں۔

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل فرما رہے ہیں پھر ایسا چندہ کیسے حلال ہوسکتا ہے، پھر فرمایا کہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ چندہ دینا ناگوار نہ ہونا چاہئے، گو ریاء کے طور سے ہی دینا ہو، کیونکہ ریا کی صورت میں طیب خاطر (دلی رضامندی) تو ہوتی ہے جس سے وہ رقم حلال ہوجاتی ہے لیکن ریاء کی وجہ سے عمل مقبول نہیں ہوتا۔

(الافاضات الیومیہ ۱/۱۸۳، ق:۹)

فصل (۲)

چندہ کی جائز اور ناجائز صورتیں

چندہ کی ترغیب کرنا جائز اور زور دباؤ اور اصرار کے ساتھ مانگنا ناجائز ہے

فرمایا: مدارس کے چندوں کے متعلق ہمیشہ سے میری رائے یہ ہے کہ زور دے کر اور دباؤ ڈال کر وصول نہ کئے جائیں اور اس طرز کو میں ابتداء سے ناجائز کہتا تھا، لیکن اب اس کے متعلق ایک عجیب تائید تفصیل کے ساتھ قرآن شریف کی آیت سے مل گئی جس پر اس کے قبل کبھی نظر نہ ہوئی تھی، وہ یہ ہے کہ اصرار کے ساتھ چندہ لینے میں ایک سوال کا مرتبہ ہے اور وہ ناجائز ہے اور ایک ترغیب کا مرتبہ ہے وہ جائز ہے اور اس کی دلیل کلام مجید کی اس آیت سے ملتی ہے۔ خدا تعالیٰ سوال سے عفت کی بابت فرماتے ہیں ''لَا يَسْـأَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا'' (لوگوں سے چمٹ کر اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے) اس سے معلوم ہوا کہ اصرار و جبر سے سوال نہ کرنا چاہئے، اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ'' چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو کہ خیر کی دعوت دے اور بھلی باتوں کا حکم کرے، اس لیے چندے میں ترغیب کا مضائقہ نہیں کیونکہ دین کی حفاظت ضروری امر ہے اور وہ تعلیم و تعلّم کا سلسلہ قائم کئے بغیر ممکن نہیں اور یہ سلسلہ اس وقت عادۃً بدون اعانت کے چل نہیں سکتا، پس اعانت کرنا ایک امر خیر کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہے، لہٰذا وہ بھی خیر ہے بلکہ امر ضروری کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے

ضروری ہے۔

فرمایا: جس طرح علماء کو دباؤ ڈال کر سوال نہ کرنا چاہئے اسی طرح اہل دنیا کو ترغیب پر انکار بھی نہ کرنا چاہئے، کیونکہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''اِنْ یَّسْاَلْکُمُوْھَا فَیُحْفِکُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَکُمْ'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر اڑ کر سوال کرنے پر انکار کیا جائے تو کچھ عیب نہیں کیونکہ یہ انسان کا طبعی خاصہ ہے لیکن اگر محض ترغیب پر انکار کیا جائے تو سخت وبال کا اندیشہ ہے۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوال والحاف (یعنی اصرار کے ساتھ اڑ کر چندہ کرنا) برا ہے اور محض دعوت اور چندہ کی ترغیب حسن ہے۔ (دعوات عبدیت، مقالات حکمت ۱۲۳/۵)

حرام چندہ

محصِّلین کی حالت تو یہ ہے کہ ایک محصِّل چندہ صاحب ایک رئیس صاحب کے یہاں آئے جہاں میں مقیم تھا تو انہوں نے دس روپئے دے دیئے تو محصل صاحب کہتے ہیں کہ جناب آپ تو ہر سال بیس روپیہ دیا کرتے تھے اب کی دس کیوں؟ یہ طریقہ تھا ان کے چندہ کرنے کا جس میں سب کے سامنے وہ دینے والے کو ذلیل کرتے تھے۔ چندہ کا یہ طریقہ بالکل خلاف شریعت اور حرام ہے، اور آج کل زیادہ تر چندہ کے طریقے حرام ہی ہیں، مگر محصلین چندہ اس کو دین سمجھتے ہیں کچھ نہیں اس کا نام تو بے حسی ہے کہ مال کے واسطے نہ آبرو کی پرواہ ہے نہ دین کی۔

(التبلیغ ۱۲۵/۴)

زبردستی کا چندہ

فرمایا بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مساجد اور مدارس کے لیے زبردستی چندہ وصول کرتے ہیں یہ اس سے بھی بدتر ہے، اس واسطے کہ اگر اپنے نفس کے لیے کرتا تو

اپنے کو دنیوی نفع پہنچتا اور جب حق تعالیٰ کے لیے ایسے کیا تو خدا تعالیٰ بھی راضی نہ ہوئے اور اپنے پاس بھی نہ رہا، پس **خسر الدنیا و الآخرة** ہوگیا۔ کہ نہ خود منتفع ہوا اور نہ خدا راضی ہوا۔ اور یہ حرام اس لیے ہے کہ حدیث میں ہے کہ ’’**الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفسه**‘‘ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لا تحل اس جگہ مرتبہ حرمت میں مستعمل نہیں لیکن اس دعویٰ کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ (دعوت عبدیت ۳۹/۱۴)

جبر کے ساتھ دیئے ہوئے چندہ کا حکم

اور جبر کے ساتھ چندہ وصول کرنے یا دینے کا حکم

عرض کیا گیا کہ اگر باوجود ناگواری کے کسی کے جبر سے نیک کام سمجھ کر کسی امر خیر میں کوئی چندہ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

فرمایا کہ: دینے والے کو تو ثواب ملے گا لیکن اگر لینے والے کو یہ علم ہو جائے کہ یہ رقم میرے جبر سے دی جارہی ہے تو اس وقت کا لینا بھی جائز نہ ہوگا۔

عرض کیا گیا اگر یہ صورت ہو کہ دینا ناگوار تو ہو لیکن اس خیال سے دے دیا کہ نیک نامی (شہرت) ہوگی، اس صورت کا کیا حکم ہے؟

فرمایا: اس صورت میں ریاء اور جبر دونوں جمع ہیں اس لیے اس رقم کا لینا بھی جائز نہ ہوگا جبر کی وجہ سے، نہ کہ ریاء کی وجہ سے۔

عرض کیا گیا کہ چندہ وغیرہ مروۃً باوجود ناگواری کے جیسا جبر کرنے والے کو لینا جائز نہیں کیا دینا بھی ناجائز ہے؟

فرمایا کہ جی ہاں ناجائز ہے، کیونکہ جب لینے والے کو یہ رقم لینا جائز نہیں تو اس کا دینا بھی ناجائز ہوگا، کیونکہ یہ اعانت علی المعصیت ہے جو ناجائز ہے۔

(الافاضات الیومیہ ۱۸۳/۹)

شرما حضوری کا اور رواجی چندہ

جب کہ چندہ طلب کرنے میں شرمانے سے دباؤ ڈالنے سے بھی کام لیتا ہو، اس وقت مضاعف (دوگنا) گناہ ہوگا، بدلیل حدیث بیہقی ودار قطنی ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أَلاَ لَا تُظْلِمُوا، أَلاَلاَیَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِنْہُ'' بعض کو اس میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہماری کیا وجاہت اور دباء ہے جو شخص دے گا خوشی سے ہی دے گا، حالانکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے، اس کا حال دینے والے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کوئی تیسرا آدمی جو اس سے بے تکلف ہو اس سے قسم دے کر پوچھے کہ تو نے خوشی سے دیا ہے یا ناخوشی سے؟ بہت آسانی سے اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اسی سے حکم معلوم ہو جائے گا ان رقوم (چندوں) کا جو لڑکی والے یا مساجد و مدارس والے شادی کے موقع پر لڑکے والے سے فرمائش کر کے لیتے ہیں وہ لوگ خواہ رسم کی پابندی سے یا مجمع کے شرم یا محرک کے لحاظ سے دیتے ہیں بعض بلا تحریک (از خود) دیتے ہیں لیکن دینے کی بِنا وہی رسم ہے کہ جانتے ہیں کہ نہ دینے سے یا مانگا جائے گا یا بدنام کیا جائے گا سو اس قسم کی رقمیں شرعاً حلال نہیں ہوئیں، اور اس طرح سے مانگنا اور لینا درست نہیں ہوتا اور یہ رقوم سب واجب الرد ہیں (ان کا واپس کرنا ضروری ہے)۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے لیے تو نہیں مانگتے اللہ کے واسطے مانگتے ہیں لیکن یہ عذر باطل ہے اس لیے کہ معصیت ہر حال میں معصیت ہے دین کے واسطے بھی معصیت حلال نہیں ہو جاتی بلکہ اس کی برائی زیادہ سخت ہے عقلاً بھی نقلاً بھی، نقلاً تو اس لیے کہ یہ شخص معصیت کو ذریعہ ثواب بنا رہا ہے تو حرام کو دین کا آلہ بنانا اور ثواب

کا اعتقاد رکھنا اشد معصیت ہے، فقہاء نے تو حرام میں ثواب کی توقع کو کفر تک کہہ دیا ہے اور عقلاً اس لیے کہ جب اس کو خلاف شرع طریقہ سے کیا تو رضائے حق بھی نصیب نہ ہوئی، تو خسر الدنیا و الآخرۃ کا مصداق ہوا۔ (حقوق العلم ص:۶۰)

جوش میں دیا ہوا چندہ

جب یہ بات ہے کہ لوگ جوش میں آ کر ایسا کر گذرتے ہیں تو اگر کوئی شخص لکچر دے یا وعظ کہے اور کسی کے پاس صرف دس ہی روپیہ ہیں اور اس نے جوش میں آ کر دس کے دس دے دیئے تو اس کا چندہ لینا درست نہیں، اس کو ہوش ہونے دو، اس کے بعد اس سے کہو تمہاری آمدنی ایک مہینہ کی دس روپیہ ہے ابھی ایک مہینہ پڑا ہے تمہارے اہل وعیال ہیں ان کو خرچ چاہئے وہ اس سے مقدم ہیں، اگر چندہ دینے کا شوق ہے تو ایک روپیہ کر دو، قومی ہمدردی بھی کوئی چیز ہے، آج کل قومی ہمدردی کو ذبح کیا جاتا ہے چکی پیسنے والے تک چندہ سے نہیں چھوڑے جاتے بعض نے سل بٹہ بیچ کر چندہ دیا ایسی بے جا رقموں میں کیا برکت ہوگی۔

آج ایسے شخص کا چندہ فخر کے ساتھ لیا جاتا ہے جو یوں کہے کہ میں نے اپنے پاس کچھ نہیں چھوڑا اور اس پر کہتے ہیں کہ ان میں ایسی حمیت قومی ہے کہ سارا گھر لا کر رکھ دیا، میں تو ایسے چندہ دینے والوں کو کہا کرتا ہوں کہ کام ہوش سے کرو جوش سے مت کرو۔ (التبلیغ ۴۴/۵، احکام المال)

عمل اور توجہ کے اثر سے چندہ

بعض لوگ اس توجہ سے ایسے کام لیتے ہیں جو ظاہراً خیر ہیں مگر خود ان کے جواز میں بھی تردد ہے مثلاً کسی کی طرف کسی مسجد یا مدرسہ کی اعانت کے خیال سے متوجہ

ہوئے اس پر اثر پڑتا ہے اور وہ اعانت پر مجبور ہو جاتا ہے بعض اوقات بعد کو پچھتاتا بھی ہے وہ شخص اس وقت مغلوب ہو کر حقیقت تو نہیں سمجھتا بس مجبور ہو جاتا ہے، پس یہ لینا ایسا ہی ہے جیسے غصب کر لیا، شراب پلا کر دستاویز لکھوالی۔ (حسن العزیز۲/۳۰۴)

چندہ کی مخصوص صورت اور اس کا شرعی حکم

سوال: پانی پت کے کمبلیوں نے (یعنی کمبل بیچنے اور بنانے والوں نے) اپنی برادری میں پنچایت کر کے مسجد کے لیے چندہ کی ایک صورت یہ نکالی ہے کہ فی کمبل ایک پیسہ لیا جائے اور وہ اس طرح وصول کیا جاتا ہے کہ جب کسی کے یہاں کمبل بکے تو محصل چندہ مسجد کی صندوقچی لیے ہوئے موجود ہو اور فی کمبل حساب کر کے بیچنے والے سے وصول کرے۔ لیکن اس میں جبر (زبردستی واکراہ نہیں کیا جاتا) حتی کہ اگر کوئی بالکل نہ دے تو اس پر کسی قسم کی ملامت نہیں کی جاتی۔

فرمایا یہ صورت بھی جبر کی ہے (اس لیے ناجائز ہے)۔

یوں کرنا چاہئے کہ خریدنے والا یا محصل کوئی اپنی زبان سے کچھ نہ کہے جس کو دینا ہو خود ڈال دے، کیونکہ مانگنے سے گو اس میں یہ تصریح بھی کر دی جائے کہ جبر نہیں ہے تاہم یہ اثر ضرور ہوتا ہے کہ بعض طبیعتیں شرما جاتی ہیں اور انکار نہیں کرسکتیں، حالانکہ رضا قلبی (دل سے رضامندی) نہیں ہوتی یہی جبر ہے۔ (حسن العزیز۳/۲۷)

عورتوں کا اپنے شوہروں کے مال سے چندہ دینے کا حکم

عورتوں کو جائز نہیں ہے کہ شوہر کی چیز شوہر کی بلا اجازت کے چندہ میں دیں، اور جو چیز ان کی ملک ہو اگرچہ بلا اجازت اس کا دینا جائز ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت شوہر سے مشورہ کر کے دے۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ ص:۱۰۳)

عورتوں کے مجمع میں بیان کر کے ان سے چندہ وصول کرنا

بعض چندہ وصول کرنے والے قصداً عورتوں کے مجمع میں بیان کرتے ہیں تاکہ چندہ زیادہ وصول ہو، چنانچہ ان پر واقعی بڑا اثر ہوتا ہے اور چندہ خوب ہوجاتا ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ چندہ دینے میں عورتوں کو کیا لگتا ہے، کچھ بھی نہیں کیونکہ خاوند کا مال ہے اور ''مال مفت دل بے رحم''۔ دوسرے یہ کہ ان بیچاریوں میں عقل کم ہوتی ہے موقع و محل کو نہیں سمجھتیں جوش میں جو کچھ ہاتھ میں آیا دے ڈالا۔ اور ایک تیسری وجہ یہ کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں ذرا کوئی رقت آمیز قصہ سنایا اور یہ پانی پانی ہوگئیں۔ حضرات واعظین کو حدیث بھی ایک ہی یاد ہے ''**یا معشر النساء تصدقن ولو من حلیکن. الخ**'' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے عورتو! خیرات کرو اگرچہ اپنے زیور ہی میں سے ہو کیونکہ مجھ کو دکھلایا گیا ہے کہ زیادہ تر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ کوتاہیوں کے سبب عورتیں دوزخ میں زیادہ جائیں گی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورتیں اپنی نجات سے مایوس ہوجائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوتاہیوں کو دور کیا جائے اعمال صالحہ زیادہ کئے جائیں، اعمال صالحہ میں ایک خیرات بھی ہے یہ نہیں کہ بس خیرات ہی علاج ہے، حدیث مذکور میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **من حلیکن** فرمایا **من حلی الزوج** نہیں فرمایا مطلب یہ ہوا کہ خیرات کی ترغیب اپنے مملوک زیور میں ہے نہ کہ خاوند کے مملوک ہیں۔ (التبلیغ، وعظ کساء النساء ۳۸/۷)

انفرادی چندہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل چندہ کے بارے میں بہت ہی کم احتیاط ہے حتی کہ قریب قریب تمام مدارس میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا اور زیادہ بے

احتیاطی یہ ہے کہ جو فرداً فرداً چندہ کی تحریک کی جاتی ہے اس سے دوسرے پر بار ہوتا ہے گرانی ہوتی ہے نیز نہ دینے پر بخل بھی ثابت ہوتا ہے، جس کا حاصل ایک مسلمان کو متہم کرنا ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں۔ میں جو تحریک عام اور تحریک خاص میں امتیاز کرتا ہوں اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک مسلمان پر بار نہ ہو، گرانی نہ ہو، اور وہ بدنام نہ ہو، دعوت عام اور چیز ہے اور انفرادی صورت میں کسی سے سوال کرنا اور چیز ہے، مجھ کو تجربہ ہے لوگوں کی حالت معلوم ہے۔

اس تحریک خاص کا اثر ظہور بخل قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ''اِنْ یَسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا (الآیۃ) کیونکہ احفاء والحاف خطاب خاص ہی میں ہوسکتا ہے اور اس کے بعد خطاب عام کا اس عنوان سے ذکر ہے ''هَا انتم هٰٓـؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ '' یہ دعوت خطاب عام ہے اور اسی فرق کی وجہ سے احفاء پر جو بخل ہو اس میں نکیر نہیں فرمایا گیا اور دعوت عام پر جو بخل ہو اس پر نکیر فرمائی گئی ہے ''فَمِنْكُمْ مَنْ یَبْخَلُ وَمَنْ یَبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا. الآیة''۔

(ممنوع) سوال یہ ہے کہ جس میں احفاء ہو، غرض جس (صورت) میں ایلام قلب ہو وہ احفاء ہے اور اس پر تبخلوا کا ترتب کچھ بعید نہیں۔ احفاء دو قسم کا ہوتا ہے ایک صوری، دوسرا معنوی جیسے وجاہت سے وصول کرنا یہ بھی احفاء کا ایک فرد ہے غرض جس میں ایلام قلب ہو وہ احفاء ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو صورتیں غیر مشروع ہیں وہ تو سوال میں داخل ہیں، اور جو مشروع ہیں وہ ترغیب میں داخل ہیں، ترغیب میں بخل کرنا مذموم ہے۔

(تجارت آخرت ص:۶۴)

ایک بہت بڑے علامہ سے میری گفتگو ہوئی تحریک خاص پر کہ یہ جائز نہیں

پوچھا کہ کیا دلیل ہے میں نے حدیث پڑھی ''الا لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه'' تو کہتے ہیں کہ ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر اس درجہ کا حرام نہیں، میں نے دل میں کہا کہ کل کو یہ کہے گا کہ گو ماں حرام ہے مگر اس درجہ کی حرام نہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت ۳۵/۲)

پالیسی اور سازش کے تحت چندہ

چندہ میں بعض ناجائز صورتیں تجارت کی اختیار کر رکھی ہیں جو شریعت میں حرام ہیں مثلاً کسی غریب سے ایک روپیہ چندہ میں لے لیا، جب اس نے ایک روپیہ دے دیا اب اس روپیہ کی بولی بولی گئی کہ اس متبرک روپیہ کو جو کہ نہایت جوش وخلوص سے اپنی حیثیت سے زیادہ دیا گیا ہے اس لیے متبرک ہے کون باہمت خریدتا ہے اب کسی نے اس کے دس لگائے اور کسی نے سو، اور کسی نے ہزار، لوگ جوش میں آ کر بڑی بڑی رقمیں بولتے ہیں تو یہ ربوٰ ہونے کی وجہ سے بالکل حرام ہے، نیز اس لیے بھی کہ یہ پالیسی ہے، چندہ وصول کرنے والے کسی غریب کو خود کھڑا کر دیتے ہیں اور اس پالیسی سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں۔ شریعت، پالیسی کو جائز نہیں کہتی، شریعت گندہ سمجھتی ہے ان حرکتوں کو، وہاں تو دارومدار صدق وخلوص اور سادگی پر ہے کہ بات سچی ہو اور یہ چندہ خلوص سے نہیں دیا جاتا ہے بلکہ محض نمائش وسازش سے دیا جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ ایسے جوش کی حالت میں جس میں آدمی مغلوب العقل ہو جائے اور بعد میں پچھتائے خود چندہ لینا ہی ناجائز ہے۔ جوش سے جب کوئی دے تو مت لو، ہاں جب ہوش درست ہو جائے اس وقت لو۔ (ملفوظات حکیم الامت ۵۳/۲)

چندہ کے بعض منکرات

بعض جگہ دوامی چندہ کا وعدہ کرنے والے کی موت کے بعد وارث اس چندہ

کو جاری رکھتے ہیں اور اہل مدارس اس کی تحقیق نہیں کرتے کہ ان لوگوں نے اپنی ملک خاص سے جاری رکھا ہی یا ترکہ مشترکہ سے۔ اور اس ترکہ مشترکہ میں کوئی یتیم یا غائب یا غیر راضی کی ملک تو نہیں شریک ہے۔ اسی طرح میت کے کپڑوں کو مدرسہ میں لیتے وقت میت کے ورثاء اور ان کے بلوغ و رضاء کی تحقیق نہیں کی جاتی۔

دوامی چندہ میں جو آخر سال بقایا واجب رہ جاتا ہے اس بقایا کا طبع کرنا امر منکر معلوم ہوتا ہے اس سے صاحب چندہ کی نادہندی اور خلاف وعدگی کا اظہار (اور غیبت) ہے۔ مدرسہ کانپور میں اس کی اصلاح اس طرح کی گئی تھی کہ روداد میں صرف وصول شدہ چندہ لکھا جاتا تھا اور بقایا کو مدرسہ کے خاص رجسٹر میں رکھ کر بذریعہ خط یاددہانی کردی جاتی تھی، اور یاددہانی میں میرے نزدیک ضروری ہے کہ لزوم و تاکید کے الفاظ نہ ہوں بلکہ تصریح کردی جائے کہ اطلاع دی جاتی ہے، اگر رغبت ہو تو بھیج دیجئے ورنہ آپ آزاد ہیں۔ (التبلیغ، احکام المال ۱۵/۴۵)

آج کل اکثر چندہ میں بھی فہرست پیش کر کے لکھ دیتے ہیں کہ اگر گراں نہ ہو تو دے دیجئے کون سا ایسا شریف ہے جو کہہ دے گا کہ صاحب مجھے گراں ہے کوئی شاذ و نادر ہوگا جو ایسا کہہ دے۔ (حقوق العلم تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۶۸)

چندہ کرنے میں خطاب عام و خطاب خاص کی تفصیل

(۱) فرمایا کہ مدارس کا وجود ضروری ہے اور ان کی بقاء چندہ پر موقوف ہے مگر چندہ جمع کرنے میں آج کل بے شمار خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، جن میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ چندہ جمع کرنے والے علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے جو عوام کے لیے زہر ہے اور پھر چندہ کرنے والے حضرات بھی اکثر محتاط نہیں ہوتے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں کہ دینے والا شرما شرمی کچھ دے ہی دے ایسا

(شرما شرمی کا) چندہ لینا جائز نہیں۔

اس لیے مناسب صورت یہ ہے کہ چندہ کی تحریک عام کی جائے، خطاب خاص سے پرہیز کیا جائے، اور خطاب خاص صرف اس صورت میں جائز ہے کہ خطاب کرنے والا کوئی بااثر شخصیت کا مالک نہ ہو، جس کے اثر سے مغلوب ہوکر لوگ چندہ دینے پر مجبور ہو جائیں۔ (مجالس حکیم الامت ص:۱۲۲)

(۳) چندہ مانگنے والوں کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ دبانے اور شرمانے سے کام نہ لیں محض ترغیب دینے کا مضائقہ نہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں (خطاب عام اور خطاب خاص) خطاب خاص یا تو ہو ہی نہیں اور اگر خاص خطاب ہو تو ایسے بے تکلف دوست سے ہو جو بلا تکلف تم سے انکار بھی کر سکے۔

(دعوات عبدیت ۱۹/۷۷)

(۳) خطاب عام سے ترغیب دینے میں مضائقہ نہیں اور اگر کوئی راغب الی الخیر میسر ہو جائے جو مصارف خیر کا جویاں رہتا ہے اور پورا یقین ہو کہ خطاب خاص سے اس کی آزادی میں ذرا اختلال نہ ہوگا اور جو کچھ کرے گا بطیبِ خاطر کرے گا تو ان قیود کے ساتھ خطاب خاص کا بھی مضائقہ نہیں۔

(حقوق العلم ص:۶۳)

(۴) چندہ کی تحریک خطاب عام سے مناسب ہے لیکن اگر خطاب عام میں بھی وجاہت سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت چندہ نہ لے بلکہ کہہ دے کہ جلسہ کے بعد کسی کے پاس جمع کر دینا۔ (القول الجلیل ص:۸۲)

چندہ کی جائز صورتیں

(۱) ہاں چندہ کا ایک طریقہ جائز بھی ہے کہ مسلمانوں کو اطلاع کر دو کہ فلاں جگہ

مدرسہ اور فلاں شخص کے پاس اس کے لیے چندہ جمع ہو رہا ہے، جس کا جی چاہے وہاں اپنی رقم جمع کر دے۔ (التبلیغ ۱۴/۱۲۵)

(۲) مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کا قصہ ہے کہ میں نے مدرسہ کے لیے چندہ اس طرح مقرر کرایا تھا کہ ایک کاغذ پر یہ لکھ دیا کہ مدرسہ کے اخراجات کے لیے چندہ کی ضرورت ہے جو صاحب اس میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنا نام اور رقم خود اپنے قلم سے لکھ دیں، اس کاغذ پر کسی معین چندہ دہندہ کا نام نہیں لکھا گیا، اور ایک لڑکے عبد الکریم کو وہ کاغذ دے دیا اور کہہ دیا کہ اس کاغذ کو فلاں جگہ لے جاؤ کسی سے کچھ مت کہنا صرف دے دینا اگر وہ کچھ لکھیں تب اور نہ لکھیں تب واپس لے کر چلے آنا۔ یہ چندہ بالکل حلال تھا۔

جو مولوی وعظ کہہ کر نذرانہ قبول کرتے ہیں یا چندہ وصول کرتے ہیں ان کے وعظ و نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ (حسن العزیز ۲/۵)

(۳) جس کام کے لیے چندہ کی ضرورت ہو صرف اس کام کی عام اطلاع کر دینا کافی ہے اس پر اگر کوئی اعانت کرے قبول کرے ورنہ علماء کو امراء کے دروازوں پر جا کر ان سے سوال کرنا نہایت ناپسندیدہ بات ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ۲/۲۳)

اور یہ کبھی نہ خیال کیا جائے کہ اس طرح کون دیتا ہے یہ خیال غلط ہے جتنا آنا ہوتا ہے آتا ہے اس کا کامل تجربہ ہو چکا ہے ہرگز وسوسہ نہ کیا جائے۔

(تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۸۶)

چندہ دینے والوں کو دعا کی درخواست بھی نہ کرنا چاہئے البتہ چندہ لینے والوں کو ازخود دعا دینا چاہئے

بس ادب یہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے وہ یہ کہ دینے والا تو جزاء کا منتظر نہ رہے لیکن لینے والا خود شکریہ ادا کرے، میں کہتا ہوں کہ دینے والے کو اس کی فرمائش ہی نہیں کرنا چاہئے ہاں لینے والے کا کام ہے کہ وہ خود ہی دعا کرے گا تمہاری طرف سے خواہش کیوں ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ''حق تعالیٰ نے جزاء اور شکور کی نفی فرمائی ہے اور دعا بھی ایک قسم کی جزاء یا شکور ہے، کیونکہ دعا سے مکافات کرنا یہ عوض ہے، پس یہ بھی حکماً جزاء ہے اور لاشکورا سے معلوم ہوا کہ شکریہ بھی نہیں چاہئے ہاں لینے والے کو دعا کرنے کا حکم ہے وہ خود دعا کرلے چنانچہ قرآن کریم میں ہے ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَکِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ، الآیة''۔(پ۱۰)

(حسن العزیز۳۰/۳)

☆ جو لوگ مقتداء (سمجھے جاتے ہیں مثلاً علماء ومشائخ) ان کے لیے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ وہ نظروں سے نہ گریں اور یہ امر حاصل ہوتا ہے استغناء سے، البتہ جب کبھی چندہ کی ضرورت ہو تو تحریک عام کا مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی ذلت نہیں ہے، رہی تحریک خاص اس میں اگر یہ یقین ہو کہ نہ میں ذلیل ہوں گا اور نہ مخاطب پر گرانی ہوگی تب تو جائز ہے اور اگر ان میں سے ایک کا بھی احتمال ہو تو ناجائز۔

اور میں جو ہمیشہ ممانعت کیا کرتا ہوں وہ اسی تحریک خاص کی بعض صورتوں میں، یہ تو تحقیق ہے اس کی جو میں سمجھتا ہوں، رہا عمل تو عمل کرنے میں اپنی اپنی رائے ہے میں نے اپنے لیے یہ تجویز کرلیا ہے کہ تحریک عام میں تو کبھی رکا نہ جائے اور

تحریک خاص کو مع دونوں قسموں کے ترک کردیا جائے ....اس وقت میں تحریک عام کررہا ہوں اس میں بحمد اللہ کوئی مضائقہ نہیں اور نہ یہ سوال ہے کہ بلکہ دعوت الی الدین ہے۔ (تجارت آخرت ص:۸۸)

علماء کے چندہ کرنے کا طریقہ

☆ پس اول تو یہ چاہئے کہ علماء چندہ کا کام ہی نہ کریں اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو کم از کم چندہ میں استغناء ہی کا طریقہ اختیار کریں، کسی کی خوشامد اور للو پپو نہ کیا کریں۔ (انفاس عیسی ۱/۲۸۸)

اہل علم کے چندہ کرنے کی بابت بعض اکابر کا ارشاد

فرمایا مولانا مملوک علی صاحب (سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الہند مولانا محمود حسن کے سامنے کسی نے یہ اشکال پیش کیا کہ مدارس اسلامیہ کے لیے چندہ جمع کرنے میں بہت سے منکرات پیش آتے ہیں لوگوں میں علم وعلماء کی تحقیر پیدا ہوتی ہے اور چندہ نہ کریں تو ان مدارس کا کام کیسے چلے، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ چندہ کرو مگر غریبوں سے۔

حضرت نے یہ روایت نقل کرکے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح علاج ہے وجہ یہ ہے کہ غریب لوگ چندہ جمع کرنے والے علماء کو حقیر نہیں سمجھتے، تعظیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور جو کچھ دیتے ہیں خوش دلی کے ساتھ دیتے ہیں جس میں برکت ہی برکت ہوتی ہے مگر اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غریبوں سے چندہ ملے ہی گا کتنا؟ مگر یہ خیال اولاً تو یوں غلط ہے کہ دنیا میں ہمیشہ غریبوں کی تعداد مالداروں سے زیادہ رہی ہے اگر سب غریب آدمی ایک ایک آنہ دینے لگیں تو لاکھوں کی رقم جمع ہوجائے گی، دوسری بات یہ کہ اگر فی الواقع چندہ کم وصول ہو تو کام کو اسی پیمانہ پر کرو، زیادہ نہ

بڑھاؤ، کیا ضروری ہے کہ قدرت سے زیادہ بار اٹھایا جائے۔ (تجارت آخرت ص:۸۸)

چندہ صرف غرباء سے کیا جائے، غرباء سے مراد

ایک شخص کہنے لگے کہ امراء سے تعلق رکھے بغیر مدارس وغیرہ کا کام نہیں چلتا، میں نے کہا انا عند ظن عبدی بی (یہ حدیث ہے) میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں) چونکہ تمہارا یہی خیال ہے تو تمہارا کام نہ چلتا ہوگا۔

اگر اہل علم استغناء اختیار کرلیں تو تمام امراء ان کے دروازوں پر آنا شروع ہوجائیں میں اہل مدارس کو چندہ کرنے سے منع نہیں کرتا لیکن اس میں دو چیزیں ضروری قابل التزام ہیں ایک تو یہ کہ چندہ کا خطاب عام ہو، کسی خاص تحریک سے نہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ (چندہ کی تحریک) صرف غرباء سے کی جائے اور غرباء سے مراد مفلس (غریب) نہیں بلکہ مخلص امراء بھی ان میں داخل ہیں، امراء (مالداروں) میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود ہیں، اہل دنیا بھی اور اہل دین بھی سو یہ مسکنت مال کی نہیں بلکہ وہ مسکنت تواضع اور خلوص کی ہے اور ایک مسکنت "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ" کا مصداق ہے تو یہ مسکنت عتاب ہے۔

اسی طرح فقر دو طرح کا ہے ایک فقر اختیاری جس کی حقیقت زہد ہے اور ایک فقر اضطراری یہ عذاب ہے۔ (الافاضات الیومیہ ۶/۴۱۸)

علماء کرام کے چندہ کرنے کے متعلق حضرت تھانویؒ کی ذاتی رائے

مولویوں کے چندہ سے تو دین کی بڑی بے وقعتی ہورہی ہے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا دھندا اپنے پیٹ کے واسطے کیا جارہا ہے اس لیے میری رائے یہ ہے کہ علماء کو چندہ کا کام ہرگز نہ کرنا چاہئے بلکہ جو کام دین کا کرنا ہو اس کے لیے قوم کے معزز آدمیوں کو جمع کرکے یہ کہہ دیا جائے کہ صاحبو! دین کی حفاظت کے لیے اس کام کی

ضرورت ہے آپ بھی غور کرلیں کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر وہ ضرورت کو تسلیم کرلیں تو ان سے کہا جائے کہ سب مل کر اس کا انتظام کریں، علماء اصل کام کریں اور معززین روپیہ کا انتظام کریں، اور روپیہ بھی جمع کریں اور اگر وہ یہ کہیں کہ یہ کام ضروری نہیں فضول ہے تو علماء کو چندہ کی ضرورت نہیں، بس وہ کام بند کر کے اپنے گھر پر رہیں، اور تجارت وزراعت یا کسی اور شغل میں لگیں اور فرصت کے وقت میں جتنا ہو سکے دین کا کام کریں، اس صورت میں قیامت کے دن ان پر مواخذہ نہ ہوگا یہ صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے مسلمانوں کے سامنے دینی خدمت کی ضرورت ظاہر کردی تھی انہوں نے اس کو فضول بتلایا اور روپیہ کا انتظام نہ کیا اور ہمارے چندہ کرنے سے دین کی بے وقعتی ہوتی تھی، اس لیے ہم نے چندہ نہ کیا معاش کے ساتھ جتنا ہم سے ہو سکا اس قدر دین کی خدمت کرتے رہے اس کے بعد ان لوگوں کی گردنیں نپیں گی جو دین کی خدمت کو فضول بتلاتے تھے، ذرا علماء اس طرح کر کے تو دیکھیں انشاء اللہ عوام سب سیدھے ہو جائیں گے، اور خود چندہ کر کے روپئے لا لا کر دیا کریں۔

میری رائے یہ ہے کہ علماء سے چندہ کی تحریک بھی مت کراؤ، انہیں چندہ وصول کرنے کے لیے مت مقرر کرو، اس میں بھی ان کا اعتبار جاتا رہتا ہے، میری رائے یہ ہے کہ چندہ کی تحریک رؤساء کریں، ان کی تحریک کا اثر زیادہ ہوگا کیونکہ وہ خود بھی دیں گے، علماء کی طرف تو یہ خیال ہوگا کہ وہ دوسروں ہی سے کہتے ہیں خود کچھ بھی نہیں دیتے، رؤساء پر یہ بدگمانی نہیں ہو سکتی کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص پچاس روپیہ اپنی جیب سے دے گا تو وہ اوروں سے پچیس لے سکتا ہے، اور یہ رؤساء کر سکتے ہیں، اس لیے علماء کو چاہئے کہ وہ اس کام کو نہ کریں، پھر یہ تحریک علماء کے فرض منصبی میں بھی مخل ہوتی ہے۔

علماء سے وہی کام لو جس کام کے لیے وہ ہیں یعنی ان سے دین سیکھو مگر آج

کل علماء سے وہ کام لیا جاتا ہے جوان کا نہیں ہے، کانفرنسوں میں لوگ علماء کو صرف اس لیے بلاتے ہیں کہ ان کے قال اللہ وقال الرسول کے ذریعہ خوب چندہ ہوگا، سبحان اللہ! مولوی کیا ہوئے بھاڑہ کے ٹٹو ہوئے، علماء کو بھی چاہئے کہ وہ ان امور سے احتراز کریں۔ (التبلیغ ۲/۷۰، وعظ خیر المال)

خدام دین اور چندہ سے متعلق چند فوائد

''لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. الخ''اس آیت سے اور بھی چند فوائد معلوم ہوئے ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو (یعنی جو جماعت خدمت دین کے لیے محبوس ہے) جو مدلول ہے''اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کا، ایسے لوگوں کو کسی دنیا دار کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرنا چاہئے بلکہ اغنیاء کی طرح مستغنی رہیں ''یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ''اس پر دال ہے۔

ایک یہ کہ اموال کا سوال (چندہ) کسی سے نہ کرے''یدل علیه لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا'' چندہ کی ترغیب کرنا اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ دعوت الی الخیر ہے اس میں اور سوال میں یہ آیت فرق بتلا رہی ہے''لا یسئلکم اموالکم، الی قوله، ھٰاَنْتُمْ ھٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ''۔

ایک یہ کہ گو وہ سوال نہ کریں مگر دوسروں کو چاہئے کہ اس کا تجسس رکھیں اور فراست وقرائن سے پہچان کر ان کی خدمت کر کے احسان نہ رکھیں، کیونکہ وہ اپنے نفع کے لیے ہے یدل علیہ قولہ تعالیٰ''وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ''۔

(حقوق العلم ص:۱۶)

مسلمانوں کے لیے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ مقتداء دین اور علماء بھیک مانگیں؟

مگر اب تو غضب یہ ہے کہ مسلمان یوں چاہتے ہیں کہ علماء خود ہی روپیہ جمع کریں، آپ کو شرم نہیں آتی کہ جن علماء کو مقتداء سمجھتے ہو ان ہی سے بھیک منگوانا چاہتے ہو۔ آپ کو لازم ہے کہ رقم کا انتظام خود کرو، اور کام کے لیے علماء سے عرض کرو۔ (التبلیغ ۱۶/۹۷)

آج کل اہل علم کو چندہ سے روکنا تو مشکل ہے اور یہ سوال کی رسم دنیا سے اٹھنا دشوار ہے، مگر قوم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے دین کی بے عزتی کیوں کرتے ہو، علماء کے سپرد تم نے یہ خدمت کیوں کی جس سے وہ ذلیل ہوئے، اور ان کے ساتھ علم اور دین بھی ذلیل ہوا، غیرت قومی کیسے گوارہ کرتی ہے کہ اپنے علماء کو لوگوں کی نظروں میں بے وقعت دیکھا جائے۔ (التبلیغ ۱/۱۵)

اہل مدارس چندہ لے لیتے ہیں یہ ان کا احسان ہے

فرمایا: مدارس کے لیے عادۃً چندہ ضروری ہے مگر ہم آپ سے مانگتے نہیں، اور بے مانگے اگر ہم لے لیں تو اس میں عامل لغیرہ ہیں، عامل لنفسہ نہیں (اپنی ذات کے واسطے نہیں لیتے) ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خوامخواہ جھگڑے میں پڑیں، آپ سے مانگیں، وصول کریں، پھر اس کی حفاظت کریں، اور حساب و کتاب لکھیں، پھر سب سے زیادہ مشکل ہے کہ اس کے مصرف میں اس کو صرف کریں، اور غیر مصرف میں اس کو صرف نہ ہونے دیں، یہ سب کام تمہارے ہیں ہمارا احسان ہے کہ تمہاری طرف سے ہم کر دیتے ہیں، اگر ہم پر بدگمانی ہے تو ہم کو ایک پیسہ مت دو،

ہمیں اور سینکڑوں کام ہیں اس کو اگر ثواب کی بات سمجھتے ہو خود کرو ہم ہی کیوں کریں۔

(القول الجلیل ص:۴۴)

چندہ دینے والوں کا ہم پر کوئی احسان نہیں

دینی کاموں میں چندہ دینے والوں کے لیے ہمارے منھ سے قیامت تک یہ پانچ حرف نہیں نکل سکتے، یعنی لفظ ''شکریہ'' کیونکہ ہمارے اوپر چندہ دینے والوں کا کیا احسان ہے، کیونکہ دین کی امداد ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے۔ تو آپ جلسہ میں اپنے کام کے لیے آئے اور امداد اپنے فرض کو ادا کرنے کے لیے کی جس سے مقصود ثواب اور رضاء الٰہی ہے، ہمارے اوپر کون سا احسان ہے جو ہم اس کا شکریہ ادا کریں، بلکہ انصاف یہ ہے کہ پہلے تم کو ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہئے، کیونکہ جلسہ تمام قوم کا ہے اس کے انتظام کا بار جو ہم نے اٹھایا ہے اس کا احسان آپ پر ہے، یا نہیں اور یہ کام ہم نے پہلے کیا اس لیے ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہئے، اس کے بعد ذرا دیر کے لیے آپ بھی جلسے میں آ گئے اور کچھ رقم دے گئے، اور بس فارغ ہو گئے، ہم نے انتظام میں بہت وقت خرچ کیا، اور اب تک ہمارا کام ختم نہیں ہوا ہے، آپ کا کام تو گھنٹہ کا ہے اور ہمارے ذمہ یہ بلا مہینوں برسوں بلکہ تمام عمر کے لیے لگ گئی ہے، اب بتائیے قوم کا کام ہم نے زیادہ کیا یا تم نے اور شکریہ آپ کے ذمہ زیادہ واجب ہے یا ہمارے ذمہ؟　(التبلیغ ۱/۱۶۱)

مدرسہ والے شکریہ کے مستحق ہیں

جو مدارس قرآن پاک کی اشاعت کے لیے قائم ہیں ان کی امداد کرو، لوگوں کو ایسے مدارس کے مہتممین کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ انہوں نے اس فرض کفایہ سے سبکدوش کر رکھا ہے۔ (التبلیغ، وعظ تعیم التعمیم ۲۱/۲۲۷)

علماء عوام کے محتاج نہیں عوام علماء کے محتاج ہیں

آپ اپنے کو کنواں اور ہم کو پیاسا سمجھتے ہیں حالانکہ واقع میں اس کا عکس ہے، دلیل یہ ہے کہ ہمارے پاس دین ہے جس کی تم کو بھی حاجت ہے اور تمہارے پاس دنیا ہے جس کی ہم کو حاجت ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ ہمارے پاس بقدر ضرورت دنیا موجود ہے جس سے ہم تمام عمر تم سے مستغنی رہ سکتے ہیں، اور تمہارے پاس دین بقدر ضرورت بھی موجود نہیں اس لیے تم ہم سے کسی طرح مستغنی نہیں رہ سکتے اور یہ آپ کی بے حسی ہوگی، دین کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ (حسن العزیز ۱۷۱/۴)

عوام ہی مدارس کے محتاج ہیں

میں نے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ تم اگر علماء کو اپنا محتاج سمجھتے ہو تو ان کو دینا بند کردو۔ سب لوگ اتفاق کر کے اپنی امداد روک لو، الحمدللہ ہم کو کچھ پرواہ نہیں ہے، ہم میں سے کچھ چاول کی دکان کرلیں گے کچھ آٹا دال کی کچھ اور چیزوں کی، مگر اس حالت میں تم اپنی اور اپنی اولاد کی فکر کرو، پچاس سال بعد تمہاری اولاد کا کیا حشر ہوگا کچھ یہودی ہوگی، کچھ نصرانی، کچھ آریہ معاذ اللہ، کیونکہ ان آفات سے مانع تعلیم ہے اور اس صورت میں علماء تعلیم کے لیے فارغ نہ ہوں گے۔ (کلمۃ الحق ص:۳۶)

علماء وعوام کا تقسیم کار

چندہ کا کام تو تم خود کرو اور علماء سے وہ کام لو جوان کے کرنے کا ہے، یعنی تعلیم وتبلیغ اور تعلیم وتبلیغ کے متعلق جو نظم ونسق ہو اس میں دخل مت دو، اور مالی انتظامات اپنے ہاتھ میں رکھو، اس میں علماء کچھ دخل نہ دیں، اور دینے والوں کو اور وصول کرنے والوں کو سب کو چاہئے کہ اس کام کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ سوال سے علماء کی تو تحقیر ہوتی

ہے اور قوم کی تحقیر نہیں ہوتی، کیونکہ علماء کے مانگنے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اپنے پیٹ کے واسطے مانگتے ہیں اور قوم کے سربرآوردہ لوگوں (یعنی بڑے لوگوں) کے مانگنے میں یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ اپنے پیٹ کے واسطے مانگتے ہیں، اسی واسطے مولویوں کو چندہ نہیں ملتا اور ایسے لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں تو فوراً ملتا ہے، مولویوں کی تو صورت دیکھ کر لوگ چھپ جاتے ہیں، بھک منگوں کا نام مولوی؟ حیرت کی بات ہے۔

(التبلیغ ۱/۱۵۵)

ہمارے ذمہ تمہارے دین کی خدمت ہے اور تمہارے ذمہ ہماری خدمت ہے، انصاف کی بات تو یہ ہے لیکن اب انصاف نہیں رہا، مگر میں علماء سے کہتا ہوں کہ اس کا استغاثہ (فریاد) کسی انسان کے پاس نہ لے جاؤ بلکہ حق تعالیٰ کے پاس جاؤ، اور اپنا کام کئے جاؤ، حق تعالیٰ خود ہی سنیں گے، میں نے اپنا طرز عمل یہی رکھا ہے۔

(التبلیغ ۱/۱۵۸)

چندہ کرنا علماء کا کام نہیں رؤساء کا کام ہے

چندہ کرنا علماء کا کام نہیں ہے یہ کام دنیا والوں کا ہے علماء اس طرح نہیں کرسکتے اور جو ایسا کرتے ہیں اچھا نہیں کرتے، اس کا انتظام سب مسلمانوں کے ذمہ ہے ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کام بھی کریں اور بھیک بھی مانگیں، اگر بغیر مانگے ہمارے پاس مسلمان روپیہ بھیج دیں گے اس سے ہم کام چلاتے رہیں گے اور نہ بھیجیں گے تو خدا تعالیٰ سے عرض کردیں گے کہ اس کام کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی مسلمانوں نے مالی اعانت پر توجہ نہ کی اور ہم نے بھیک مانگنے میں دین کی ذلت سمجھی اس لیے ہم تو اس جواب کے بعد سبکدوش ہوجائیں گے، اس کے بعد عام مسلمانوں سے مواخذہ ہوگا کہ تم نے مالی اعانت کیوں نہیں کی؟ (التبلیغ ۱۶/۹۷)

(۲) فرمایا: موٹی سی بات ہے کہ جس سے دین کا تعلق ہو اس سے دنیا کا کام لینا ہی نہیں چاہئے۔ (حسن العزیز ۱/۲۵۸)

(۳) فرمایا: چندہ مانگنے کا کام علماء کے ذمہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں ان کی ذلت ہے اور امراء کے لیے ذلت نہیں۔ (القول الجلیل ص: ۸۳)

(۴) میں تو چندوں کی بابت علماء کا زبان سے کہنا بالکل پسند نہیں کرتا، لوگ بڑی تہمتیں لگاتے ہیں، بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کمانے کے لیے مولویوں نے مدرسے کھول رکھے ہیں ان کے دروازہ پر چندہ کے لیے کبھی نہ جائے۔

(حسن العزیز ۱/۵۰۹)

علماء کے ذمہ چندہ کرنا لازم نہیں اور نہ ہی ان کی شان کے مناسب ہے، شرعی دلیل

علماء کا طرز تو وہ ہونا چاہئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم تھا کہ ''وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ'' یہی ان کا بھی طرز ہونا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد خداوندی ہے ''اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ، الآية'' یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔

سو مانگنا علماء کا کام نہیں ان نصوص کی بنا پر ان کی شان کے بھی خلاف ہے، اور ان پر بدگمانی بھی ہوتی ہے۔ (التبلیغ خیر المال ۲/۷۰)

علماء کا کام صرف یہی ہے کہ یعنی قرآن وحدیث کے معانی حل کرنا احکام شرعیہ بیان کرنا، وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ (التبلیغ ۱۵/۲۴۳)

علماء کرام کے چندہ کرنے کی خرابیاں

اگر سوال کسی کار خیر کے لیے ہو تب بھی کچھ نہ کچھ ذلت ضرور ہوتی ہے، لوگ اس کو کار خیر سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو یہ کار شر ہے اس سوال میں طرح طرح کی خرابیاں ہیں، مشترک خرابی تو یہ کہ دین کی ذلت ہے، اوران علماء کے لیے جو سوال کرتے ہیں یہ خرابی ہے کہ ذلیل ہوتے ہیں اور چندروز میں حیا جاتی رہتی ہے، مشاہدہ ہے کہ اکثر سائلوں کے اخلاق خراب ہوجاتے ہیں اور علم کے آثار مٹ جاتے ہیں، ہاتھ پھیلانے کی بدولت علماء نظروں میں ذلیل ہوگئے اسی وجہ سے ان کی باتوں میں اثر نہیں رہا، اوراسی وجہ سے امراء اپنے بچوں کو عربی نہیں پڑھاتے، بعض تو صاف کہتے ہیں کہ ہم کو اپنی اولاد کو گدھا بنانا منظور نہیں، یہ عذر گوان کا کافی نہ ہومگر کچھ اصلیت تو رکھتا ہے، اس واسطے علماء اس اعتراض سے بالکل نہیں بچ سکتے، اور یہ طریقہ فی نفسہ برا ہونے کے علاوہ اس مفسدہ کو بھی مستلزم ہے کہ لوگوں کو مانع عن التعلیم ہے (یعنی اس میں یہ خرابی بھی لازم آتی ہے کہ لوگ دینی تعلیم سے رکنے لگے)۔غرض دونوں طرف سے خرابی ہے مگر زیادہ الزام قوم پر ہے۔

(التبلیغ وعظ امید راحت ص:۱۷۱)

علماء کیوں ذلیل ہوئے، زیادہ قصور کس کا ہے؟

مگراس میں زیادہ قصوران عوام کا نہیں بلکہ ایسے مولویوں کا ہے کہ ان ہی نے اپنے افعال سے عوام کے خیالات کو خراب کیا، اگر علماء اس سے پرہیز کرتے تو عوام کو بھی ایسی جرأت نہیں ہوسکتی، یہ تو اہل علم کی غلطی تھی۔(دعوات عبدیت الرضا بالدنیا ۹/۱۰۱)

فرمایا کہ امراء کی کیا خطا ہم لوگوں نے خود اپنی حالت ایسی کرلی، امراء جواہل

علم کو بے قدر سمجھتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان امراء کو ایسے ہی اہل علم ملے تھے جو قابل ذلت تھے اس لیے میں امراء کو بھی معذور سمجھتا ہوں چونکہ ان میں نسبت مع اللہ راسخ نہیں ہوتی اس لیے اس کے آثار وخواص سے بھی خالی ہوتے ہیں، اور اس سبب سے ایک گونہ مال کی محبت ان کو ہو جاتی ہے، اور اس محبت مال کے سبب ایسے لوگ اہل دنیا کے پاس جا کر اپنی حالت ظاہر کرتے ہیں اور ان کی نظروں میں ذلیل ہوتے ہیں اور ان کی ذلت کی وجہ سے علم دین کی ذلت ہوتی ہے، ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے ''**بئس الفقير على باب الامير**''۔ (کتنا برا ہے وہ فقیر جو امیر کے دروازہ پر ہو)۔

(حسن العزیز ۱/۵۰۸)

واللہ! اگر علماء آج دست کش (یعنی مستغنی) ہو جائیں جیسا کہ اہل حق بحمد اللہ ہیں تو یہ بڑے بڑے متکبرین اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں، بلکہ علماء کے لیے تو یہ مناسب ہے کہ اگر کوئی دنیا داران کے سامنے کوئی چیز پیش بھی کرے تو لینے سے انکار کر دیں، علماء کا وجود فی نفسہ ایسا محبوب تھا کہ اگر یہ کسی کے گھر چلے جاتے تو اس دن عید ہونی چاہیے تھی حالانکہ آج وہ دن یوم الوعید ہو جاتا ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان طماعوں (لالچیوں) کی بدولت ہر عالم کی صورت دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کچھ مانگنے آئے ہوں گے۔ علماء کی تو وہ حالت ہونا چاہیے کہ مال اور جاہ دونوں کو آگ لگا دو، اگر تم ان امراء کے دروازے پر جانا چھوڑ دو تو یہ خود تمہارے دروازے پر آئیں گے۔ (دعوات عبدیت طریق النجاۃ ۱۲/۴۵)

ایک ذی استعداد عالم کا واقعہ بیان کیا کہ دنیا دار فاسق فاجر شرابی کے یہاں کسی کی سفارش کے لیے پہنچے تو وہ ہوا خوری کے لیے ٹم ٹم پر جا رہا تھا، کہا اس وقت فرصت نہیں، پھر آئیے گا مولوی صاحب پھر پہنچے۔ (حسن العزیز ۱/۵۰۸)

یہی وہ جماعت ہے جن کو دیکھ کر اہل دنیا علم دین سے متنفر ہو گئے، علم دین کو

ہم نے خود ذلیل کیا ہے ورنہ وہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں، دربار دہلی میں جب بادشاہ کے سامنے علماء گئے تو ان کو دیکھ کر بادشاہ خود جھک گئے، اب بتلایئے کہ ان کے پاس کیا چیز تھی؟ کون سا ملک تھا، صرف یہ بات تھی کہ یہ عالم ہیں، دین کے پیشوا ہیں، لیکن اگر ہم خود ہی بے قدری کرائیں تو اس میں کسی کا کیا قصور۔ (دعوات عبدیت ۹/۱۰۰)

اگر چندہ نہ کیا جائے تو مدرسے کیسے چلیں

اہل مدارس کہہ دیتے ہیں کہ اگر اس طرح سے سوال نہ کیا جائے تو کام کیسے چلے؟ میں کہتا ہوں تحریک عام کا مضائقہ نہیں اگر خلوص سے کام لیا گیا ہے تو اس تحریک کا بھی اثر ضرور ہوگا، اور اگر اثر نہ ہو تو نہ سہی ہر شخص اتنے کام کا مکلّف ہے جو اس کے بس کا ہو آپ اپنا کام کر چکے کوئی نہیں دیتا مت دینے دو، رہا یہ کہ کام تو بند ہو گیا، میں کہتا ہوں کہ جتنا تھوڑا بہت ہو سکے کرو، اور جو بغیر بڑی رقموں کے نہ ہو سکے اس کو چھوڑ دو، اگر مدرسے مٹ بھی جائیں تو مٹ جانے دو، میں علماء سے کہتا ہوں کہ اس حالت میں اپنے گھر بیٹھو، مزدوری کر کے کھاؤ، کوئی آئے تو پڑھا دو، کھانے کو نہ ملے تو اسی کونے میں مر جاؤ، مگر ہاتھ مت پھیلاؤ اور خدا تعالیٰ کے سامنے کہہ دینا کہ جتنا ہم سے ہو سکا اتنا ہم نے کیا اس سے زیادہ کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی جو ہمارے پاس نہیں تھا جن کے پاس تھا انہوں نے دیا نہیں، اس وقت ساری قوم کی گردنیں نپ جائیں گی۔ (التبلیغ ۱/۱۵۳)

اپنے اختیار و قدرت میں جتنا ہو سکے اتنا ہی کام کرو

......ان صاحب کو یہی حسرت ہے کہ مدرسہ کا کام گھٹ گیا، اہل مدارس کہتے ہیں کہ اگر سوال نہ کیا جائے تو کام کیسے چلے، ارے ہم کہتے ہیں کہ کام سے مقصود کیا

ہے؟ رضائے خداوندی وہ تو نہیں گھٹی جب (۱۰۰) سو طالب علموں کی خدمت اختیار میں تھی (۱۰۰) سو کی خدمت کرتے تھے اب پانچ کی اختیار میں ہے پانچ کی کریں گے، کام ہلکا اور ثواب وہی پھر غم کس چیز کا، حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ بیمار پڑ جاتا ہے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ میرا بندہ معذور ہو گیا ہے، جو نیک عمل یہ صحت کی حالت میں کرتا تھا اب بھی تم وہی (ثواب) لکھتے رہو، دیکھئے ثواب وہی لکھا جاتا ہے حالانکہ عمل نہیں، اگر ہم پانچ (طلبہ) ہی کی خدمت کی قدرت رکھتے ہیں لیکن نیت یہ ہے کہ اگر قدرت ہوتی تو سو کی خدمت کرتے تو ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ سو کی خدمت کرنے میں ملتا ہے بلکہ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ دماغ بھی ہلکا رہا اور ثواب پورا ملا۔

اہل مدارس کو چاہئے کہ بس خدا ہی پر نظر رکھ کر کام کریں

آج کل کے ہدایا اور چندے کسی نہ کسی خرابی کو ضرور مستلزم ہوتے ہیں، اگر آبرو بگڑے یا دینے والے کو یا لینے والے کو ایذا ہو تو وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی طرف اس کی آنکھ اٹھائی جائے، اگر علماء زبان کو چندہ سے روک لیں تو اس طرح حق تعالیٰ بے گمان پہنچا دیں کہ انسان کی عقل حیران رہ جائے جس کا جی چاہے آزما لے، مجھے تو ہر روز تجربہ ہوتا ہے، جب علماء حق تعالیٰ کا کام کریں گے تو کیا حق تعالیٰ ان کو بھول جائیں گے، وہ تو سرکاری ملازم ہوں گے، تو کیا سرکاری ملازم کو کفایت کا سامان نہ ملے گا۔

انسان کو استغناء کی حقیقت اختیار کرنا چاہئے اس میں خود یہ اثر ہے کہ دنیا کھنچی چلی آئے گی، مگر خدارا محض اس نیت سے استغناء نہ کرنا، محض اللہ واسطے مستغنی بننا چاہئے اور کسی کے سامنے سوائے حق تعالیٰ کے ہاتھ نہ پھیلانا چاہئے۔ یہ طریقہ علماء نے چھوڑ دیا اسی وجہ سے ان کی بات میں اثر نہیں رہا۔ (التبلیغ ۱۶۸/۱)

بس خدا ہی پر نظر رکھیں حق تعالیٰ اپنا کام آپ کریں گے۔

بس خدا پر توکل کر کے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ فاقہ کی نوبت آئے گی ہی نہیں، کام کیجئے کام خود لوگوں کو متوجہ کر لیتا ہے، مگر اللہ کے واسطے کیجئے، یہ بھی نیت نہ رکھئے کہ لوگ رجوع ہوں۔ (التبلیغ ۱۵۴/۱)

فرمایا کہ: اپنی ذات سے دین کی جو خدمت ہو سکے وہ کرے، اگر چندہ نہ آئے نہ سہی اگر ہم لوگوں کے قلوب درست ہو جائیں تو سلف صالحین کے طرز پر دین کی خدمت کریں، ان کو بڑے بڑے مکانوں کی ضرورت نہ تھی ہر عالم اپنے اپنے گھر پر درس دیتا تھا، لیکن میں یہ رائے نہیں دوں گا کہ مدرسے موقوف کر دیئے جائیں مدرسوں کا وجود خیر عظیم ہے، یہ موقوف نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے مگر اعتدال سے تو نہ گذرے۔ (حسن العزیز ۵۰۹/۱)

استغناء کے ساتھ مدرسہ چلانے کا طریقہ
حضرت تھانویؒ کا واقعہ

میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر لوگ خالص نیت کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں تو اپنے آپ ہی لوگ آ آ کر خدمت کریں گے، کانپور میں جب میں پڑھاتا تھا تو مدرسہ کی مسجد میں طلبہ کے لیے ایک حوض تیار کرانے کی ضرورت ہوئی اور روپیہ تھا نہیں، اور کسی سے چندہ مانگنے کو طبیعت نے گوارہ نہ کیا بس میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ تم اپنے اختیار کا کام کر دو، اور ایک جگہ متعین کر کے گڑھا کھدوا دیا گیا اور چھوڑ دیا گیا، لوگ دریافت کرتے کہ یہ کیا ہے؟ ہم کہتے کہ حوض ہے جتنی ہمارے اندر طاقت تھی اور جتنا سامان ہمارے پاس تھا اتنا ہم نے کر لیا، آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے، دو ایک دن تو یوں ہی پڑا رہا، اس کے بعد ایک دن محلّہ میں ایک بڑی بی نے مجھ کو اپنے گھر بلایا جو

پہلے بھی کبھی بلایا کرتی تھیں، اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حوض تجویز ہوا ہے، اس کا کیا انتظام کیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ جتنا کام ہمارے اختیار میں تھا اتنا کرا دیا ہے، کہنے لگیں کیا تخمینہ ہے؟ میں نے کہا پانچ سو روپئے کہنے لگیں، میں دوں گی، میرے سوا کسی اور کی رقم نہ لگے، اب اور لوگ آنے شروع ہو گئے کہ صاحب ہمارے پانچ روپئے قبول کر لیجئے، ہمارے دس روپئے قبول فرمائیے، میں نے کہہ دیا کہ ایک بی بی نے ایسا کہہ دیا ہے، ہاں ایک سائبان کی تجویز ہے کہ اس کے اوپر ڈالا جائے کہنے لگے تو پھر ہم اسی کے لیے دیتے ہیں، چنانچہ اس طرح حوض بھی تیار ہو گیا اور سائبان بھی تیار ہو گیا، تھوڑا سا کام شروع کر دینے سے کام قابو میں رہتا ہے۔

(القول الجلیل ص:۳۳)

ہم نے اپنے وطن میں ایک مدرسہ کر رکھا ہے، مگر اس انداز سے کہ نہ کسی سے چندہ مانگا جاتا ہے نہ کسی کو ترغیب دی جاتی ہے، طلبہ سے صاف کہہ دیا ہے اگر توکل کر کے رہیں تو رہیں ہم ذمہ داری نہیں لیتے، خدا تعالیٰ نے دیا تو ہم دیں گے مگر باوجود اس استغناء کے مدرسہ اچھی خاصی طرح چل رہا ہے۔ (دعوات عبدیت ۶۱/۷)

حضرت گنگوہیؒ کا واقعہ

مولانا گنگوہیؒ کے یہاں حدیث کے دورہ میں ستر ستر طالب علم ہوتے تھے ان کا کھانا بھی کپڑا بھی ہوتا تھا مگر کچھ فکر ہی نہیں نہ (چندہ کی) تحریک کی، نہ کبھی کسی سے فرمایا، ایک کمرہ بھی نہیں بنوایا، نہ وہاں چندہ تھا، نہ کچھ تھا پھر بھی ہر وقت خندہ ہی خندہ تھا۔ مولانا کے یہاں لوگوں نے مسجد بنانا چاہی، صاف فرما دیا کہ میرے بھروسہ نہ بنوانا میں کسی سے نہ کہوں گا، جب وہاں کی جامع مسجد تیار ہوئی ہے مولانا کو اس کا بڑا اہتمام تھا مگر اس کے باوجود کسی کو بھی نہیں کہا، نواب محمود علی خاں نے عریضہ بھیجا

کہ تخمینہ کر کے بھجوا دیجئے ، مولانا نے صاف جواب دے دیا کہ مجھے تخمینہ کرانے کی فرصت نہیں، نہ میرے پاس آدمی ہیں اگر آپ کا دل چاہے خود اپنے آدمی سے تخمینہ کرا لیجئے ، لوگ ایسے موقعوں کو غنیمت سمجھتے ہیں، لیکن وہ کیوں غنیمت سمجھتے جس کے پاس اس سے زیادہ غنیمت یعنی حق تعالیٰ موجود ہوں، مولانا نے صاف جواب دے دیا، علماء کی یہ شان ہونا چاہئے ، اگر قلب میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو بادشاہ کی بھی حقیقت نہیں ۔ (حسن العزیز ۱/۵۰۹)

اللہ کی نصرت وحمایت

ایک مرتبہ ایک ڈپٹی صاحب نے اطلاع بھیجی کہ ہم مدرسہ کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں حضرت (مولانا محمد یعقوب صاحب) نے ان کی نشست کا انتظام کرسیوں پر مدرسہ سے باہر ایک مکان میں کر دیا اور ان کی مہمانی کا بھی وہیں انتظام کیا اور خود قصبہ رام پور تشریف لے گئے ، یہاں لوگوں سے فرما دیا کہ آئیں تو مہمان کے اکرام کا لحاظ رکھ کر مدرسہ کا معائنہ کرا دیں کوئی بات خلاف تہذیب نہ ہو، مگر حضرت کا دل یہ چاہتا تھا کہ وہ نہ آویں اور دعا بھی کی ، خدا کی قدرت کہ وہ ڈپٹی صاحب آئے ، تھانہ بھون پہنچے اور مدرسہ تک بھی آئے دروازہ پر کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر واپس چل دیئے ۔ (مجالس حکیم الامت ص: ۳۲۸)

اسی طرح ایک مرتبہ مظفر نگر کا کلکٹر بلا اطلاع آیا، حضرت اٹھ کر دروازہ پر تشریف لے گئے ، کھڑے کھڑے بات کی مدرسہ کا مختصر حال پوچھا وہ بتلا دیا، حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ بیٹھیں کرسی منگا دوں، اس نے کہا فرصت نہیں ، پھر دروازہ سے واپس ہو گیا اور اپنے ساتھ کے لوگوں سے کہا کہ واقعی بزرگ آدمی ہیں مجھ پر ان کی خاص ہیبت اور رعب طاری ہو گیا ۔ (مجالس حکیم الامت ص: ۳۲۷)

مسجد کی تعمیر کا واقعہ

تھانہ بھون کے اسٹیشن پر ایک مسجد بنی ہے جب اس کا کام شروع ہوا تو ہمارے پاس کل آٹھ روپئے تھے، وہاں ایک مولوی صاحب پرانی روش کے تھے، انہوں نے پوچھا کہ مسجد کے لیے کتنے روپئے جمع ہوئے، لوگوں نے کہا کہ آٹھ روپئے، کہنے لگے آٹھ روپئے؟ اور مسجد کا کام شروع کرادیا؟ انہوں نے بڑا تعجب کیا اور یہ کہا کہ جب تک دو ہزار جمع نہ ہوں تعمیر کو ہاتھ نہ لگانا، آٹھ روپئے سے بھی بھلا کہیں مسجد تیار ہوا کرتی ہے؟ مجھے یہ قصہ معلوم ہوا تو میں نے کہا کہ آپ نے اللہ میاں کو اپنے اوپر قیاس کیا ہے، خدا کے پاس تو سارے خزانے ہیں، اس کے یہاں روپئے کی کیا کمی ہے، وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ میں نے ناظم تعمیر سے کہا کہ تم بنیاد کھدواؤ، اور کسی کا کہنا مت مانو، تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھدواؤ، اللہ میاں ہی اس کو غیبی سامان سے بھر دیں گے۔ ان مولوی صاحب نے کہا کہ میاں لڑکے ہو کچھ سمجھتے نہیں، میں نے کہا کہ جب لڑکوں سے کام چل جائے تو بڈھوں کو بولنے کی ضرورت نہیں۔ اور واقعی ان کے اعتبار سے تو ہم لڑکے ہی تھے۔

جب یہ آٹھ روپئے خرچ ہوگئے اور روپیہ نہ رہا تو میں نے ناظم تعمیرات سے کہہ دیا تھا کہ کسی سے چندہ مت مانگنا، وہ کہتے تھے کہ یہ حال ہوگیا کہ میں بازار کسی کام کے لیے جا رہا ہوں اور لوگ پکار رہے ہیں کہ میاں فلاں صاحب ذرا ادھر آیئے، میں کہتا ہوں کہ بھائی مجھے کام کو جانا ہے، وہ کہتے کہ اجی ذرا ٹھہرو، تو پھر وہ خود آتے اور کوئی دو روپیہ اور کوئی چار روپیہ دے جاتا، غرض لوگ بلا بلا کر روپیہ دیتے تھے۔

اس زمانہ میں بیگم بھوپال کے صاحبزادے بیمار تھے اور اس قدر پریشان تھیں کہ ڈاک تک نہ دیکھتی تھیں، اس حالت میں میں نے ناظم تعمیرات سے کہہ دیا کہ تم

ان کے پاس لکھ دو کہ یہاں ایک مسجد بن رہی ہے ایک کارخیر ہے، اگر اس میں آپ حصہ لینا چاہیں تو حصہ لے سکتی ہیں، میں آپ سے چندہ نہیں مانگتا، صرف اس لیے اطلاع کردی کہ شاید علم ہونے پر پھر آپ کو خیال ہو کہ مجھے کیوں نہ اطلاع کی گئی، اس کارخیر میں مجھے کیوں نہ شریک کیا گیا۔

انہوں نے فوراً جواب دیا کہ تعمیر مسجد میں کتنے خرچ ہوں گے تخمینہ کر کے اطلاع کیجئے، ہمارے دوستوں نے کہا کہ کچھ زیادہ لکھ دیجئے کیونکہ خرچ اگر کہیں زیادہ ہو گیا تو زیادہ روپئے کی ضرورت ہوگی، اور تعمیر کا کام ایسا ہی ہے کہ کبھی بڑھ جاتا ہے، میں نے کہا نہیں جی! اللہ میاں کے یہاں کچھ کمی نہیں ہے اگر بعد میں ضرورت ہوگی تو وہ پھر دوسرا انتظام کر دیں گے، غرض ان کو صحیح تخمینہ کی بلاکم وبیش اطلاع کی گئی، روپیہ آ گیا اتفاق سے کام بڑھ گیا اور روپئے کی اور ضرورت پڑی میں نے ناظم سے کہا کہ ایک خط اور لکھ دو بیگم صاحبہ کو اور اس کا مضمون ہو کہ جو روپیہ آپ نے بھیجا تھا وہ تو سب لگ گیا اور اتفاق سے کام بڑھ گیا ہے، آپ کو یہ اطلاع اس لیے نہیں کی جاتی ہے کہ آپ خوامخواہ اس کی تکمیل ہی کریں، بلکہ اس لیے کی جاتی ہے کہ بعد میں آپ کو ناگواری نہ ہو کہ مجھے کیوں نہیں اطلاع کی، آپ سے چندہ کی درخواست نہیں کی جاتی، آپ اگر آزادی سے دینا چاہیں دے دیں۔

چنانچہ خط پہنچتے ہی فوراً روپیہ آ گیا، اس واقعہ سے لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ ایسے استغناء کے ساتھ لکھا گیا تھا اور پھر بھی بہت جلد کامیابی ہوگئی، میں نے کہا کہ میاں یہ سنت انبیاء کی برکت ہے وہ بھی کسی سے چندہ نہیں مانگتے تھے، ہم نے اس پر ہی عمل کیا ہے، اس کی برکت سے خدا نے کام پورا کر دیا۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام ملحقہ محاسن الاسلام ص: ۶۴)

مدرسہ کی رقم باوجود حفاظت کے اگر گم ہو جائے یا چوری ہو جائے

فرمایا مولوی محمد منیر صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم بھی رہے ہیں ایک مرتبہ مدرسہ کی روداد چھپانے کے لیے دہلی گئے راستہ میں ڈیڑھ سو روپیہ کے نوٹ گم ہو گئے، تو مدرسہ کے سب اراکین نے کہا کہ چونکہ امانت تھی اس لیے مدرسہ تاوان نہیں لے سکتا، مولوی صاحب نے کہا کہ میں دوں گا۔ اس میں مولوی صاحب اور اراکین میں اختلاف ہوا، آخر فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ کو لکھا جائے جو وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ لکھا گیا، مولانا نے جواب تحریر فرمایا کہ مولوی صاحب پر ضمان نہیں ہے، مولوی محمد منیر صاحب اس پر بہت متغیر (اور رنجیدہ) ہوئے اور کہا کہ مولانا رشید احمد صاحب نے یہ ساری فقہ میرے ہی واسطہ پڑھی تھی، میں تو تب جانوں اگر یہ روپیہ ان سے ضائع ہو جاتا تو اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لیں کہ وہ کیا کرتے مدرسہ میں داخل کرتے یا نہ کرتے، یقیناً کرتے پھر مجھ کو کیوں روکتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ کیسے مخلص (اور متقی) حضرات تھے۔

(کلمۃ الحق ص:٦٧)

فصل (۴) چندہ کے احکام

امدادی چندہ وقف نہیں بلکہ مُعطین کی ملک ہے

چندہ وقف نہیں معطین کا مملوک ہے، چندہ اہل چندہ کی ملک سے خارج نہیں ہوا۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۵۹۳-۶۱۷، کتاب الوقف)

چندہ مدرسہ میں اگر وقف کیا جائے تو وقف ہوگا یا نہیں؟

احقر کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ نقد رقم کا وقف یا اوقاف کی حاصل شدہ آمدنی وقف کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اس میں ایک زمانے تک مجھے بہت تردد رہا کیونکہ نقود سے انتفاع بغیر ان کے استہلاک کے نہیں ہوتا، اور وقف کے لیے تابید اور بقاء عین شرط ہے اور پھر جب اس پر وقف کی تعریف صادق نہ آئی، تو اس سے لازم آیا کہ یہ واقف کی ملک ہو، اور واقف مرجائے تو اس کے وارثوں میں تقسیم ہو، مگر فتاویٰ عالم گیری کی ایک عبارت نے یہ مسئلہ الحمدللہ حل کر دیا۔

باب الحادی عشر فصل ثانی میں یہ عبارت مذکور ہے ''ان کان یمکن تصحیحه وقفاً یجوز تصحیحه ملکاً للمسجد هبة علی المسجد''

(فتاویٰ عالم گیری کتاب الوقف ۳/۲۴۰)

(اگر چہ نقود کے وقف کو وقف صحیح کہنا مشکل ہے مگر اس کو اس حیثیت سے صحیح کہا جاسکتا ہے) حضرت نے فرمایا کہ میرے نزدیک ملک مسجد تعبیر ہے ایک خاص صورت کی جو وقف اور ہبہ کے بین بین ہے اس کو ملک مسجد سے تعبیر کر دیا گیا ہے فللہ الحمد۔

بہر حال اس عبارت سے اتنا معلوم ہوگیا کہ یہ اوقاف کی نقد رقوم ملک واقف سے نکل گئی ہے، ورنہ ان کا امانت رکھنا ہی مشکل ہو جاتا۔ (مجالس حکیم الامت ص: ۱۹۲)

مہتمم اور اہل مدرسہ چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں

''مہتمم واہل شوریٰ وکیل ہیں اہل چندہ کے''۔ (امداد الفتاوی ۳/۳۳۹، سوال نمبر ۳۰۸)

مہتمم مدرسہ معطین کا وکیل ہوتا ہے۔

(امداد الفتاوی ۳/۳۴۷، سوال نمبر ۳۰۱، ۱۹/صفر ۱۳۳۷ھ)

ظاہراً (مدرسہ کا) مہتمم وکیل معطی کا ہے، اس لیے اس کو مالِ زکوٰۃ تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ (امداد الفتاوی ۳/۳۱۶، سوال نمبر ۲۵۹، ۲۷/رمضان ۱۳۲۹ھ)

اہل مدرسہ پر زکوٰۃ کی رقم کی تملیک فوراً لازم ہے ورنہ اس میں میراث جاری ہوگی، زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔

فرمایا: اہل علم کو چاہیے خصوصاً اہل مدارس کو کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ جو مدرسہ میں دیا جاتا ہے، اس کو فوراً تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرنا چاہیے، ورنہ بصورت عدم تملیک اگر مزکی (زکوٰۃ دینے والا) مر گیا تو اس مال زکوٰۃ میں میت کے ورثاء کا حق متعلق ہو جائے گا، نیز حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی اگر وہ بقدر نصاب ہو (تأمل)۔ (الافاضات الیومیہ ۲/۲۸۸)

مروجہ حیلۂ تملیک شریعت کی روشنی میں

زکوٰۃ کا مصرف فقراء مسلمین ہیں اس میں تملیک واجب ہے لیکن ایک بات اور ہے جس کے بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر ضرورت کی وجہ سے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض مولوی لوگ زکوٰۃ وعشر کے مصرف میں ایک حیلہ کرتے ہیں مثلاً ان کو زکوٰۃ کا روپیہ یا عشر کا غلہ مدرسہ کی عمارت میں یا مدرسین کی تنخواہ میں لگانا ہے تو

ایک غریب طالب علم کو بلاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ ہم تم کو کچھ روپیہ زکوٰۃ کا دیں گے تم اس کو لے کر مدرسہ میں ہبہ کر دینا وہ کہتا ہے بہت اچھا، اب انہوں نے اس کو روپیہ دے دیا اور اس نے مدرسہ میں دے دیا، مولوی صاحب خوش ہیں کہ زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی اور رقم مدرسہ کی عمارت میں یا تنخواہوں میں بھی لگ گئی، مگر یاد رکھو یہ حیلہ محض لغو ہے۔ اہل علم وہ گناہ تو نہیں کرتے جو عوام کرتے ہیں مگر علم کے پردہ میں یہ بھی گناہ کرتے ہیں مولویوں کا گناہ بھی مولوی ہوتا ہے۔

اس تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ بعض اہل علم جو عشر وزکوٰۃ کے مال میں یہ حیلہ کرتے ہیں یہ بالکل واہیات ہے اور اس سے کچھ تبدیل کا حکم نہیں ہوتا، ان اللہ کے بندوں سے کوئی پوچھے کہ یہ تملیک ہے یا ہیرا پھیری، کیا خدا کو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تو دلوں کے حال کو خوب جانتے ہیں ان سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ بھلا تم ہی انصاف کرو کہ جب تم نے غریب طالب علم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم کو زکوٰۃ کا روپیہ دیں گے اس کو مدرسہ میں دے دینا، تو یقیناً وہ روپیہ ہاتھ میں لینے کے بعد اپنے کو اس کے رکھنے کا مجاز (بااختیار) نہیں سمجھتا بلکہ اپنے اوپر واپسی کو لازم سمجھتا ہے پھر تملیک کیا خاک ہوئی۔

واقعی جب تک لینے والا اپنے کو مالک نہ سمجھ لے اس وقت تک تملیک کا تحقق ہی کہاں ہوسکتا ہے، مگر جو لوگ تملیک کے لیے یہ حیلہ کرتے ہیں ان کے ذہن میں تملیک کی حقیقت نہیں ہوتی وہ محض ہیرا پھیری ہی سمجھ کر ایسا کرتے ہیں، اگر ان کے ذہن میں تملیک کی حقیقت ہوتی تو لینے والا اگر آزادی کے ساتھ عمل کرے اور اس رقم کو اپنے خرچ میں لائے تو اس سے ان کو رنج وملال نہ ہونا چاہئے، کیونکہ وہ جب مالک بن گیا تو شرعاً اس کو پورا اختیار ہے کہ وہ اس رقم کو جو چاہے کرے، خواہ مدرسہ میں دے یا نہ دے مسجد میں لگائے یا نہ لگائے، یہ رنج کرنے والے کون ہیں، مگر

مشاہدہ یہ ہے کہ لینے والا غریب اگر اس رقم کو معطی (دینے والے) کی مرضی کے خلاف اپنے خرچ میں لے آئے تو ان کو رنج ہوتا ہے اور اس شخص کو برا بھلا دغاباز، فریبی (دھوکہ دینے والا) کہنے لگتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصود صرف ہیرا پھیری ہے تملیک نہیں اور لینے والا اگر ان کی مرضی کے موافق رقم لے کر مسجد یا مدرسہ کے لیے واپس دے دے تو غالب یہ ہے کہ وہ محض شرم ولحاظ سے یا بدنامی کے اندیشہ سے دیتا ہے اگر اس کو اطمینان ہو جائے کہ میں اس کا مالک بن چکا ہوں اور اپنے خرچ میں لانے سے بدنام نہ ہوں گا نہ مولوی صاحب کا منہ چڑھے گا تو یقیناً بہت سے غریب واپس دینے پر راضی نہ ہوں گے کیونکہ غریب آدمی کو سب سے پہلے اپنی اور اپنے اولاد کی راحت کا خیال ہوتا ہے، جس کے گھر میں فاقہ ہوتا ہو وہ بیچارہ مدرسہ یا مسجد میں روپیہ دینے کی کیا ہمت کر سکتا ہے، اور اگر ہمت بھی کرے گا تو دو چار روپیہ دے گا، پانچ روپیہ دینے کی غریب آدمی کو ہمت نہیں ہو سکتی، جب کہ وہ سمجھ جائے کہ میں اس رقم کا مالک بن گیا ہوں۔ اور جو کوئی ہمت کرے گا سمجھ لو کہ اس نے اپنے کو رقم کا مالک نہیں سمجھا، بلکہ وہ اپنے اوپر اس رقم کا واپس کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اس لیے دے رہا ہے اب بتلاؤ یہ تملیک کدھر سے ہوئی، اس لیے یہ حیلہ محض لغو اور بے ہودہ ہے۔ اور اس سے زکوٰۃ کا ادا ہونا میری سمجھ سے باہر ہے۔

(حقوق وفرائض ص:۵۹۴)

حیلۂ تملیک کی تردید

بعض لوگ جو مدارس یا مساجد کے مصارف عامہ میں صرف کرنے کے لیے ایک حیلہ کیا کرتے ہیں کہ اول کسی مسکین مصرفِ زکوٰۃ کو سمجھا دیا کہ ہم تم کو سو روپیہ دیں گے پھر تم مسجد یا مدرسہ میں دے دینا، اور پھر اس کو دیتے ہیں۔ اور وہ مسجد وغیرہ میں دے دیتا ہے اس کو حیلہ تملیک کہا جاتا ہے، کیونکہ یقینی بات ہے کہ اس میں دینے

والا حقیقتاً اس مسکین کو مالک نہیں بناتا محض صورت تملیک کی ہے اس طور پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم مشکل ہے۔

اور ایک خرابی اس میں یہ ہے کہ وہ مجبور ہو کر پھر واپس کر دیتا ہے تو وہ دینا اس کا بطیبِ خاطر (دلی رضامندی کیساتھ) نہیں ہوتا جو کہ حلّتِ مال کی شرط ہے، غرض لینا دینا دونوں قواعد کے خلاف ہیں۔

بعضوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شریعت کا حکم تو ظاہر پر ہوتا ہے، تو خوب سمجھ لو کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی تفتیش مت کرو، لیکن اگر بلا تفتیش باطن کی اطلاع ہو کہ یہاں تملیک کی نیت نہیں اور طیب خاطر نہیں تو شرع نے یہ کب کہا ہے کہ اب بھی باطن کا اعتبار مت کرو؟ اگر یہ نہ ہوتا تو بعض حدیث میں جو حلت مال کے لیے طیب نفس (دلی رضامندی) شرط لگایا گیا ہے جو کہ امر باطن ہے یہ بے معنی ہوتا ہے۔

(اصلاح انقلاب ۱/۱۵۰)

میرے نزدیک قاعدہ فقہیہ کی رو سے بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ تملیک رکن زکوٰۃ ہے اور تملیک میں جب عاقدین ہازل ہوں تملیک نہیں ہوتی اور صورت متعارفہ میں دونوں بشہادت قرائن قویہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں۔

(امداد الفتاوی ۱/۱۴)

باطل حیلہ

مسجد بن رہی تھی اس کے لیے چندہ جمع ہو رہا تھا وہاں کے ایک واعظ صاحب دہلی سے پانچ سو روپیہ زکوٰۃ کا لائے اور غریب موذن سے کہا کہ میاں تم مسجد میں کچھ نہیں دیتے اس نے کہا کہ حضرت میں غریب آدمی ہوں میرے پاس کیا ہے کہا کہ اگر اللہ تجھے دس روپیہ دے تو مسجد میں دے دو گے؟ کہا جی ہاں! دے دوں گا۔ پھر بیس کو پوچھا اس کا بھی یہی جواب دیا اس طرح پچاس کو سو کو یہاں تک کہ پانچ سو

کو پوچھا وہ سب پر یہی کہتا رہا، خالی بات ہی تو تھی کہہ دینا کیا مشکل تھا، آخر میں اس کو پانچ سو روپیہ دے کر کہا کہ لے یہ اللہ نے تجھ کو دیا ہے اس کو مسجد میں دے دے، اس نے لے کر مجبور ہو کر دے دیا، مگر بیچارے کے دل پر کیا گذری ہوگی کیا اس نے آزادی سے دیا یا طیب خاطر (دلی رضا مندی) سے دیا؟ (الافاضات الیومیہ ۱۶۹/۸)

جائز اور ناجائز حیلہ کا معیار

جس حیلہ سے مقصود کسی مقصود شرعی کا ابطال ہو وہ مذموم ہوتا ہے اور جس سے مقصود کسی مقصود شرعی کی تحصیل ہو وہ محمود ہے، مثلاً ربوٰ کو شرع نے حرام کہا ہے اس کے لیے تدبیر استعمال کرنا گناہ ہے، اور جس جگہ ربوٰ مقصود نہ ہو مگر خود اجناس ہی قیمت میں متفاوت ہوں لیکن اتحاد بدلین کے سبب تفاضل ممنوع ہو اس جگہ حدیث مذکور ''**بع الجمع بالدرهم ثم ابتع بالدراهم** الخ'' کے موافق تصحیح کر لینا جائز اور مشروع ہے۔ (حقوق العلم ص: ٦٦)

حیلۂ تملیک کی جائز اور آسان صورت

فرمایا کہ تملیک زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب آدمی سے کہو کہ مفت کا ثواب لینا چاہو تو تم کسی سے روپئے قرض لے کر فلاں نیک کام میں چندہ میں دے دو، ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے جب وہ قرض لے کر چندہ میں روپیہ دے دے تو پھر تم اس کو اپنی زکوٰۃ یا قربانی کی کھال کا روپیہ دے دو کہ لو اس سے قرض ادا کر دو۔
(ملفوظات اشرفیہ ص: ۱۰۱)

مزید تفصیل

میں جانتا ہوں کہ لوگ حیلہ سے باز نہ آئیں گے اسی لیے میں ایک اور تدبیر بتلاتا ہوں جو حقیقت میں حیلہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور اس سے وہی مقصود حاصل

ہو جاتا ہے جو حیلہ مذکورہ سے مقصود ہوتا ہے۔

اس تدبیر کو ہم نے چندہ بلقان میں استعمال بھی کیا ہے، عوام تو تقلیداً مان لیں کہ یہ حیلہ نہیں اور علماء کو جو کچھ شبہ ہو وہ (استفسار کر کے) تسلی کر لیں۔

اب سنو! اگر کوئی ایسی ضرورت ہو کہ زکوٰۃ یا عشر کی رقم ایسے مصرف میں لگانا ہو جہاں تملیک کا تحقق نہیں ہو سکتا مثلاً مسجد میں لگانا ہے یا تملیک کا تحقق تو ہو سکتا ہے مگر جہاں رقم بھیجنا ہے ان لوگوں پر اطمینان نہیں کہ وہ مصرف میں صحیح طور پر استعمال کریں گے یا نہیں، وہاں پہلی مذکورہ ترکیب نہ کرو، بلکہ یوں کرنا چاہئے کہ مسکین سے کہا جائے کہ اگر تم ثواب چاہتے ہو تو کسی شخص سے اتنی رقم قرض لا کر اس کام میں دے دو اور ہم اس قرض کے ادا کرنے میں تمہاری امداد کریں گے، جب وہ کسی سے یا تم ہی سے رقم قرض لے کر چندہ میں دے دے اب تم اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دو کہ اس سے تم خواہ اپنا قرضہ ادا کر دیا جو چاہو کرو۔

اس صورت میں مسکین سے وہی رقم واپس نہیں لی جاتی جو اس کو زکوٰۃ میں دی گئی ہے کیونکہ زکوٰۃ کی رقم سے تو وہ اپنا قرض ادا کرے گا جو اس کا ذاتی خرچ ہے، تو اس صورت میں تملیک کا تحقق پوری طرح ہو گیا کہ زکوٰۃ لے کر مسکین اپنے خرچ میں بھی لے آیا، البتہ جو رقم اس نے کسی سے قرض لے کر چندہ میں دی ہے وہ خرچ ہونے سے پہلے مسکین کی ملک سی خارج نہیں ہوتی، قبل از خرچ وہ اس کو (اہل مدرسہ سے) واپس لینے کا اختیار رکھتا ہے، مگر یہ اختیار تو اس حیلہ میں بھی رہتا ہے جو عام طور سے کیا جاتا ہے اس لیے یہ نقص اسی تدبیر کے ساتھ خاص نہیں اور اس کا تدارک یوں ہو سکتا ہے کہ جب مسکین قرض کی رقم لا کر چندہ میں دے دے اس کو اسی وقت مدرسہ یا مسجد کے فنڈ میں خرچ کر دیا جائے، ادائے قرض کے لیے اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے۔تو اب واپسی کا حق اس کو نہ رہے گا اور متعارف تدبیر میں کوئی تدارک نہیں۔

(وعظ العشر ملحقہ حقوق وفرائض ص:۵۹۶)

تملیک صحیح ہونے کی ایک شرط

فرمایا کہ جب تک لینے والا اپنے کو مالک نہ سمجھ لے اس وقت تک تملیک کا تحقق نہیں ہوا۔ (ملفوظات اشرفیہ ص:۴۹)

اذن بطیب النفس (دلی رضامندی) کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کو عدم (یعنی اجازت نہ دینے) پر بھی قدرت ہو۔ (انفاس عیسیٰ ص:۳۱۵)

حیلہ تملیک میں لینے دینے والے دونوں ثواب کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟

فرمایا کہ صورت بالا مذکورہ میں ایک شبہ بعض پڑھے لکھوں کو یہ ہوا کرتا ہے کہ اس صورت میں (یعنی حیلہ والی صورت میں) چندہ کا ثواب تو اس مسکین ہی کو ہوگا اور دینے والے کو قرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا، تو سمجھو کہ چندہ میں روپیہ تو اسی نے دیا مگر چونکہ اس کے دینے کا سبب تم ہوئے ورنہ اس غریب کی کیا ہمت تھی کہ چندہ میں روپیہ دیتا اس لیے تم کو بھی اس چندہ کا ثواب اسی کے برابر ملے گا، خدا تعالیٰ کے یہاں اس قدر رحمت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر تم اپنے خزانچی کو کہو کہ ہمارے روپیہ میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دو تو مالک کے برابر خزانچی کو بھی ثواب ملے۔ (مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ، ملفوظات اشرفیہ ص:۱۰۲)

صحیح بدل اور جائز حیلہ

اگر کہیں زکوٰۃ سے امداد کرنے کی ضرورت ہو اس کی ایک اور تدبیر ہے جو کہ بالکل قواعد کے مطابق ہے گو وہ بھی خلوص کے خلاف ہے مگر قواعد کے خلاف نہیں وہ

یہ کہ کسی مسکین (مستحق زکوٰۃ) کو مشورہ دیا جائے کہ تم دس روپیہ مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں سید کو دے دو یا فلاں مسجد اور مدرسہ میں دے دو، ہم ادائیگی قرض میں تمہاری اعانت کریں گے، جب وہ مسکین وہاں دے دے تو تم اس مسکین کو دس روپیہ زکوٰۃ میں دے دو، پھر اس کا قرض خواہ وصول کرے گا، اور اگر نہ دے تو اس سے چھین لینا جائز ہے۔

اس میں مسکین کو دینا بھی حقیقتاً ہوا اور مسکین پر صدقہ دینے میں جبر بھی نہ ہوا کیونکہ وہ آزاد ہے خواہ قبول کرے یا نہ کرے۔

بخلاف مروجہ حیلہ تملیک کے کہ اگر وہ مسکین (تمہاری) موافق نہ دے تو کدورت بلکہ نزاع واقع ہو جائے، اور اگر چہ اس روپیہ کے مل جانے کے بعد قرض خواہ اس سے جبراً لے سکتا ہے مگر قرض تو حق واجب ہے اور اس میں جبر جائز ہے، اور چونکہ وہ روپیہ حقیقتاً اس مسکین کا ہو گیا، اس لیے اس کو جبراً اپنے قرضہ میں لے لینا سہل ہے جیسے اس مسکین کے پاس خاص اس کا کمایا ہوا مال ہوتا اور اس کو جبراً لینا جائز تھا۔ (اصلاح انقلاب ۱/۱۵۱، ملفوظات اشرفیہ ص: ۱۰۲)

دوسرے مدرسہ والوں کی تملیک کرانے کا انتظام اور حضرت تھانویؒ کا معمول

جو لوگ زکوٰۃ یا چرم قربانی کا روپیہ ایسے مواقع (مدارس وغیرہ) میں دینا چاہیں ان کے لیے ایک خاص تدبیر ہے، اور جو لوگ اسے نہ سمجھ سکیں وہ میرے پاس روپیہ بھیج دیں میں درست کر کے بھیج دوں گا، مگر وہ طریقہ بتلائے بھی دیتا ہوں تا کہ سمجھ دار لوگ اس پر عمل کر لیں، وہ تدبیر یہ ہے کہ اول کسی غریب آدمی کو ترغیب اور مشورہ دو کہ اگر مفت کا ثواب لینا چاہتے ہو تو دس روپئے مثلاً کسی سے قرض لے کر

فلاں چندہ میں دے دو، پھر ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے، جب وہ غریب کسی سے قرض چندہ میں دے دے تم اس غریب کو وہ زکوٰۃ کا روپیہ دے دو، کہ اس کو اپنے قرضہ میں ادا کر دے، تو سارا کام ہو گیا، چندہ بھی جمع ہو گیا اور چرم قربانی کی قیمت بھی جائز طور پر ادا ہو گئی، یہ نہایت آسان ترکیب ہے مگر کسی کی سمجھ میں اگر اب بھی نہ آئی ہو تو زکوٰۃ اور قربانی کا روپیہ میرے پاس بھیج دیں میں اسی ترکیب سے درست کروں گا۔ (مفاسد گناہ ص:۱۷۲)

زکوٰۃ کے روپئے اور چرم قربانی کی قیمت میں شرط یہ ہے کہ جس کو دیا جائے اس کی ملک کر دیا جائے، اور ظاہر ہے کہ اس کا انتظام کوئی بھی نہیں کرتا تا کہ اس روپیہ کی تملیک کرائے، اس لیے ضروری بات ہے کہ تملیک کرا کے بھیجا جائے ورنہ دینے والوں کے ذمہ سے واجب ساقط نہ ہوگا۔

خوب سن لو اور سمجھ لو! میں نے اشتہار میں بھی اس کو لکھ دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اگر طریقۂ تملیک سمجھ میں نہ آئے تو روپیہ میرے پاس بھیج دیں یہاں شرعی تملیک کرادی جائے گی، گو میں مالی کاموں میں کبھی نہیں پڑتا۔ لیکن اس خیال سے کہ مسلمانوں کا مال ضائع نہ جائے، اس کام کو اپنی طبیعت کے خلاف گوارہ کرتا ہوں اور وہ صورت تملیک یہ ہے کہ کسی غریب آدمی سے کہو کہ تم کسی کے پاس سے روپئے قرض لے کر اپنی طرف سے اس چندہ میں دے دو ہم تمہارا قرضہ ادا کر دیں گے، جب وہ قرض لے کر چندہ میں دے دے، تو پھر تم اس کو اپنی زکوٰۃ یا قربانی کی کھال کا روپیہ دے دو کہ لو اس کا قرضہ ادا کر دو۔

ایک شبہ بعض پڑھے لوگوں کو یہاں یہ ہوا کرتا ہے کہ اس صورت میں اس چندہ کا ثواب تو اس مسکین ہی کو ملے گا دینے والے کو تو قرضہ ادا کرنے کا ثواب ملے گا تو سمجھو کہ چندہ میں روپیہ تو اسی نے دیا مگر چونکہ اس کے دینے کا سبب تم ہوئے ورنہ

اس غریب کی کیا ہمت تھی جو چندہ میں روپیہ دیتا اس لیے تم کو بھی اس چندہ کا ثواب اسی کے برابر ملے گا، خدا تعالیٰ کے یہاں تو اس قدر رحمت ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم اپنے خزانچی کو کہو کہ ہمارے روپئے میں اتنا فلاں شخص کو دے دو، تو مالک کے برابر خزانچی کو بھی ملے گا۔ (وعظ مواساۃ المصابین، ملحقہ اداب انسانیت ص:۳۸۴)

مدرسہ کی رقم میں بے احتیاطی

بعض لوگ چندہ کی رقوم میں اس طرح بیجا اخراجات اور خلاف اذن تصرفات کرتے ہیں جیسے گویا ان کی ملک ہیں، اس میں بہت احتیاط کرنا چاہئے، اس کی تفصیل خود واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے۔ (حقوق العلم ص:۸۷)

مہتمم واہل مدرسہ کیسے امور میں چندہ صرف کرسکتے ہیں؟

اصل یہ ہے کہ ایسے اموال میں کسی تصرف کا جواز وعدم جواز معطینِ اموال (یعنی چندہ دینے والوں) کی اذن ورضا پر موقوف ہے، اور مہتمم مدرسہ ان معطین کا وکیل ہوتا ہے پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف اس وکیل کو جائز ہے، اگر بتصریح یا بقرائن اس قانون پر اہل چندہ کو اطلاع اور ان کی رضا ثابت ہو، تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ (امداد الفتاوی ۳/۳۴۹، ۳۴۷)

اور زکوٰۃ (وغیرہ) کا روپیہ جو دیا جاتا ہے اس کو فوراً تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرنا چاہئے۔ (الافاضات الیومیہ ۲/۲۸۸)

مدرسہ کی رقم سے طلبہ و مدرسین کو انعام دے سکتے ہیں یا نہیں؟

اگر اہل چندہ صراحۃً یا دلالۃً انعام دینے پر رضامند ہو تو درست ہے، ورنہ نہیں (کیونکہ) چندہ وقف نہیں معطین کا مملوک ہے۔

(امداد الفتاویٰ کتاب الوقف ۲/۵۹۳)

چندہ کی رقم سے مدرسہ کا سائن بورڈ بنوانا درست ہے یا نہیں؟

اگر اس تختہ کی تعلیق (سائن بورڈ لگانے) سے مدرسہ کا کوئی بین (ظاہری) نفع ہو تو مال مدرسہ کا اس میں لگانا جائز ہے، اور اگر کوئی معتد بہ (خاص) مصلحت نہیں ہے محض احتمال ہی کا درجہ ہے تو اپنے پاس سے اس کے دام دینا چاہئے، فقہاء نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ مسجد کا نقش و نگار وقف کے مال سے جائز نہیں لیکن استحکام جائز ہے۔ اسی نظیر پر صورت مسئولہ کا یہ حکم ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۶۳۴)

چندہ کی رقم بطور قرض کے اپنے کام میں لانا

سوال: زید خزانچی ہے اگر چندہ کا روپیہ وہ اپنے کام میں صرف کر دے اور اس کے بجائے دوسرے وقت میں اپنے پاس سے اس کو پورا کر دے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

جواب: اپنے کام میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اپنے صرف میں لانا بلا اذن معطین ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۶۴۹)

اہل مدارس کو مدرسہ سے قرض لینے کی جائز اور آسان صورت

عام طور سے مدارس اسلامیہ کے منتظمین ان کی مشکلات کی وجہ سے (قرض

کے لینے دینے میں) مجبور ہوتے ہیں اور خزانہ وقف سے قرض دینا درست نہیں، حضرتؒ نے دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام کو یہ مشورہ دیا کہ اس کام کے لیے الگ چندہ کر کے ایک قرضہ فنڈ قائم کیا جائے اور اسی میں سے قرض دیا جائے اور پیش قدمی کر کے اپنی طرف سے پانچ سو روپیہ اس مد کے لیے دیئے۔

(مجالس حکیم الامت ص:۱۱۵)

مدرسہ کی امدادی رقم سے مدرسہ کے لیے تجارت کرنا درست ہے یا نہیں؟

باذن معطین درست است (یعنی چندہ دینے والوں کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت سے جائز ہے)۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۷۵۰)

مدرسہ و مسجد کا حساب علیحدہ علیحدہ ہونا چاہئے

فرمایا: میں مدرسہ اور مسجد کی املاک تو الگ الگ رکھنے کی فکر کرتا ہوں جو بہت ضروری ہے اسی لیے مسجد کے پنکھوں پر نشان ڈال دیئے ہیں تاکہ ان کو کوئی اٹھا کر میرے بیٹھنے کی سہ دری میں یا اپنی جائے قیام میں لے جا کر استعمال نہ کرے۔

(مجالس حکیم الامت ص:۷۳-۷۴)

مسجد کا چندہ اور مسجد کا سامان مدرسہ میں نہیں استعمال کر سکتے

سوال: مسجد کا روپیہ مسجد کی حاجت سے بہت زائد ہے یہ خوف ہے کہ روپیہ ضائع نہ ہو جائے، اس روپیہ سے کسی دینی مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ وہ مدرسہ مسجد سے علیحدہ ہو ہاں طلبہ وہاں نماز کے لیے جاتے ہیں۔

جواب: مدرسہ مسجد کی جنس سے نہیں ایک مصرف سے استغناء کے وقت اسی مصرف کے مماثل میں صرف کرنا چاہئے، جیسے مسجد، مسجد، مدرسہ، مدرسہ ونحو ذلک۔ اس لیے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجدوں میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۷۵)

''فی الدر المختار مع الشامی و کذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والحوض الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض الیہ''۔ (شامی ۳/۵۷۴)

ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض شبہات محتملۃ الوقوع کو رفع کر دیا جائے:''

شبہ: فی الدار المختار مع الشامی ویبدأ من غلۃ بعمارتہ ما ھو اقرب لعمارتہ کامام مسجد ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر کفایتھم ثم السراج والبساط کذلک الی آخر المصالح''۔ (۳/۵۸۲)

(اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ مسجد کے مصالح میں سے ہے لہٰذا مسجد کی رقم اور سامان مدرسہ میں صرف کر سکتے ہیں)۔

اس کا حل یہ ہے کہ (اس عبارت کی) مراد یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ میں سے ہے، اور یہ مراد نہیں کہ وقف علی المسجد میں یہ سب مصارف ہیں، بلکہ دو ورق بعد ایک جزئی میں مصرح ہے کہ اگر مسجد کے وقف میں مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو وہ خود مصارف لازمہ سے نہیں وہ جزئی یہ ہے:

قلت انما یکون المدرس من الشعائر لَو مدرس المدرسۃ کما

مر، اما مدرس الجامع فلا لانه لا یتعطل لغیبة بخلاف المدرسة حیث تتعطل اصلاً الخ۔ (امداد الفتاویٰ ۶۲۰/۲)

مدرسہ ومسجد میں غیر مسلم کا چندہ

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر کوئی ہندو مسجد میں بطور امداد رقم دے دے تو لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: فرمایا جائز ہے پھر فرمایا کہ اگر لیا جائے تو دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ وہ دینے والے ایسے نہ ہوں کہ دے کر احسان جتلا دیں، دوسرے یہ کہ اس سے مسلمان متاثر ہو کر ان کے مذہبی چندہ میں شریک نہ ہونے لگیں اس خیال سے کہ انہوں نے ہمارے یہاں چندہ دیا تھا ہم کو بھی دینا چاہئے، ممکن ہے کہ وہ مندر بنانے لگیں تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے مسجد میں دیا تھا تم مندر میں دو تو ایسی جگہ چندہ لینا بھی جائز نہیں، اور اگر ان باتوں کا اندیشہ نہ ہو تو لے لیا جائے کوئی حرج نہیں اور یہ قرائن سے معلوم ہو سکتا ہے۔

عرض کیا گیا کہ اس کا احتمال ہے کہ شاید ایسا ہو کہ وہ اپنے مذہبی چندہ میں شریک کریں، فرمایا تو ایسی صورت میں لینا جائز نہیں۔ (الافاضات الیومیہ ۹۸/۲)

مدرسہ میں کلکٹر وغیرہ کا چندہ

فرمایا میری طالب علمی کے زمانے میں ایک انگریز کلکٹر مدرسہ دیوبند میں آنے والا تھا میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ اگر وہ چندہ دیں تو آپ قبول کرلیں گے؟ فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا کہ پھر اس کو کہاں صرف کریں گے؟ فرمایا ہمارے پاس بہت سے ایسے مصارف ہیں، ہم بھنگیوں کو تنخواہ میں دیں گے۔

میں نے پھر عرض کیا کہ اگر وہ مشورہ دیں تو کیا آپ قبول کریں گے؟ فرمایا

نہیں، ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ہمارا تمام کام مجلس شوریٰ کی رائے سے ہوتا ہے ہم آپ کا مشورہ اس مجلس میں پیش کر دیں گے۔ (مجالس حکیم الامت ص:۱۳۹)

مدارس میں سرکاری امداد لینا

اگر سرکار وعدہ کرے کہ ہم اعانت کر کے (کسی طرح کا مدرسہ میں ابھی یا آئندہ) دخل نہ دیں گے تب اعانت لینا درست ہے (ورنہ نہیں)۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۷۹)

مدرسہ سے مہمانوں کو کھانا کھلانا

فرمایا میری ہمیشہ سے یہی رائے ہے کہ اوّل تو مہمانوں کو مدرسہ کی طرف سے کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں، یہ کسی کے بیٹے کی تقریب تھوڑی ہے جو آنے والوں کو کھانے دے دیا جائے، یہ ایک قومی اور دینی کام ہے، جو آئے اس کو اپنے پاس سے خرچ کر کے بازار میں کھانا چاہئے، جیسے عام قومی جلسوں میں کھانے پینے کا خرچ ہر شخص خود برداشت کرتا ہے۔

اور اگر یہ ہو کہ مہمانوں کو کھانا کھلایا ہی جاوے تو اس کے لیے خاص چندہ کرنا چاہئے۔ جس میں سب شریک ہونے والوں کو اس بات کی صریحاً اطلاع ہو کہ یہ رقم مہمانوں کے کھانے وغیرہ میں صرف ہوگی، عام چندہ سے یہ اخراجات نہ کرنے چاہئے، کیونکہ عام چندہ دینے والے زیادہ تر یہ سمجھ کر مدارس میں چندہ دیتے ہیں کہ ہماری رقم تعلیمی کام میں صرف ہوگی، اس سے طلبہ کو کھانا کپڑا دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں، اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا کھلایا جائے گا جن میں بہت سے امراء اور خوشحال بھی ہوتے ہیں تو شاید بعض لوگ اس اطلاع کے بعد چندہ نہ دیتے، اس لیے میرے نزدیک عام چندہ کی رقوم سے جلسہ کے اخراجات میں صرف کرنا شبہ سے خالی نہیں اور شبہ بھی قوی،

پس یا تو اس کے لیے خاص چندہ کیا جائے، یا کم از کم جلسہ میں جب چندہ جمع کیا اسی وقت اعلان کر دیا جائے کہ اس جلسہ کا خرچ اس چندہ سے نکالا جائے گا جو صاحب اس میں متفق نہ ہوں اس وقت مطلع فرما دیں تا کہ ان کا چندہ علیحدہ رکھا جائے۔

اس طرح بھی شبہ سے بچاؤ ہو سکتا ہے مگر اہل مدارس اتنی سہل صورت سے بھی تساہل کرتے ہیں۔ (التبلیغ الہدی والمغفرۃ ۲۲۶/۱۰)

جلسہ کا چندہ مہمان نوازی میں

پھر ذکر ہوا کہ جلسہ کے مہمان کا خرچ کہاں سے ہوتا ہے؟ خود ہی فرمایا کہ: خدّام خدمت کرتے ہوں گے، مفتی محمد یوسف صاحبؒ نے پوچھا کہ جلسہ کی آمدنی کو مہمان کے لیے صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ لوگ مدرسہ کے لیے دیتے ہیں، فرمایا: اذن پر موقوف ہے، مگر اذن عام کیسے معلوم ہو؟ ہے گڑ بڑی، ہاں مدّات علیحدہ ہوں، اور چندہ دیتے وقت اور لیتے وقت الگ رقمیں رکھی جائیں تو احتیاط ہو سکتی ہے۔ (حسن العزیز ۲۶/۴)

کمیشن پر چندہ

سوال ۳۳۹: اگر کسی محصل چندہ کو اہل مدرسہ چندہ وصول کرنے کے لیے اس شرط پر مقرر کریں کہ جو آمدنی ہوگی اس کا چوتھائی یا پانچواں حصہ دیں گے تو زمانہ کی موجودہ حالت اور ضرورتوں کے لحاظ سے ایسا کرنا شرعاً مباح ہے یا نہیں۔

جواب: حنفیہ کے اصول پر یہ اجارہ فاسدہ ہے اور دوسرے مذاہب کی تحقیق نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۳۷۶/۳)

محصّل چندہ نے کام نہیں کیا تو تنخواہ کا استحقاق ہوگا یا نہیں؟

سوال: مہتمم نے ایک ساعی چندہ کے لیے مقرر کیا اور اس کی تنخواہ مقرر کی، اب جیسا کہ وہ پہلے سعی کرتا تھا نہیں کرتا بلکہ محرر وغیرہ کی نگرانی کرتا ہے۔ پس اس صورت میں وہ سعی چندہ کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

جواب: جب عمل نہیں، استحقاق اجرت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۳/۳۶۲)

مدرّس کی فقہی حیثیت اور اس کی تنخواہ کا مسئلہ

مدرس اجیر خاص ہے تسلیم نفس سے اجر کا استحقاق ہو جائے گا، پس اگر یہ وقت میں حاضر رہا تو مستحق ہے ورنہ نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۳۶۱)

مدرسہ کے اوقات میں ذاتی کام کرنے اور مدرسہ کا خارج میں کرنے سے تنخواہ کا استحقاق ہوگا یا نہیں؟

سوال: مدرسہ کے وقت میں مدرس نے اپنا کام کیا اور خارج از وقت اس نے اس کے عوض تعلیم دی تو اس صورت میں وہ کل تنخواہ کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مدرسی عقد اجارہ ہے اگر باہم معاہدہ اجارہ کے وقت، وقت کی تخصیص ہوئی ہے کہ فلاں وقت میں کام کرنا ہوگا تو دوسرے وقت کام کرنے سے اجر کا مستحق نہیں رہے گا اور اگر صرف مقدار معین ہوئی ہے اور تخصیص نہیں ہوئی تو اجر کا مستحق ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۳۵۶)

مدرسہ کے اوقات میں خالی گھنٹوں میں ذاتی کام کرنا

اگر نوکری کے اوقات معین ہیں تو دوسرے اوقات میں ملازم کو اپنا کام کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ کام آقا کے کام میں مخل نہ ہو، اور اگر نوکری کے اوقات متعین نہیں ہیں تو بلا آقا کی اجازت کے اپنا کام یا دوسرے کام کرنا جائز نہیں۔

(امداد الفتاویٰ ۳/۳۶۲)

بیماری اور چھٹی کے ایام کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

مہتمم واہل شوریٰ وکیل ہیں اہل چندہ کے، پس اگر بتصریح یا بقرائن اس قانون پر اہل چندہ کو اطلاع ہو اور ان کی رضا ثابت ہو تو (بیماری اور چھٹی کے ایام کی تنخواہ) چندے سے دینا جائز ہے، ورنہ ناجائز، اگر رضا نہ ہو اور شرط ہو (یعنی اہل چندہ کی طرف سے زمانۂ تعطیل کی تنخواہ دینے کی اجازت نہ ہو لیکن مہتمم اور مدرس کے درمیان چھٹی اور بیماری کی تنخواہ دینا طے ہو) تو جس نے مدرّس کو نوکر رکھا ہے وہ اپنے پاس سے دے۔

جس مہتمم نے مدرسین کو مقرر کیا ہے اگر اس مہتمم کو معطین نے کچھ اختیارات (صراحۃً یا دلالۃً) دیئے ہیں اور مہتمم نے ان مدرسین سے اس اختیار کے موافق کچھ شرائط کر لیے ہیں تو ان شرائط کے موافق تنخواہ لینا جائز ہے، اور اگر شرائط طے نہیں ہوئے لیکن مدرسہ کے قواعد مدون ومعروف ہیں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہوں گے، اور اگر نہ مصرّح ہیں اور نہ معروف ہیں تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جائے گا، اور اگر یہ آمدنی کسی وقف جائداد کی ہے تو اس کا دوسرا حکم ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۳۴۸-۳۴۹، سوال نمبر ۳۰۸ و ۳۰۲)

ایام تعطیل کی تنخواہ کا مسئلہ

سوال: ۳۰۴: عربی مدارس میں رمضان شریف کی تعطیل ہوتی ہے تو اس کی تنخواہ کا بلا معاوضہ کام ہونا تو ظاہر ہے، باقی وقت بھی مدرس اپنا وقت مدرسہ میں محبوس نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ سے لے سکے اب تنخواہ لینا اس کو کیسے درست ہے؟

اگر مدرسہ کے مہتمم کسی مدرس کو شعبان ۲۹ تاریخ کو مدرسہ کی ملازمت سے علیحدہ کردے تو یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں۔

مدرس مدرسہ میں بحال رہتے ہوئے رمضان کی تعطیل میں رمضان کی تنخواہ کا کب مستحق ہوگا، جب سب رمضان ختم ہو جائے یا ختم شعبان پر؟

الجواب: تنخواہ تو ایام عمل ہی کی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایام عمل کے ساتھ ملحق ہے تا کہ استراحت (آرام) کر کے ایام عمل میں کر سکے اس سے سب اجزاء کا جواب نکل آیا۔

اوّل کا یہ کہ حکماً بلا معاوضہ کام کے نہیں، دوسرے کا یہ کہ شعبان کے ختم پر معزول ہو جانے سے تنخواہ نہ ملے گی، اور عدم عزل (معزول نہ ہونے) میں رمضان کے ختم پر تنخواہ ملے گی، بشرطیکہ شوال میں بھی کام کیا ہو۔

(امداد الفتاویٰ سوال:۳۰۴ ص:۳۴۸)

رخصت کی تنخواہ دینا جب کہ کوئی شرط نہ ٹھہری ہو تبرع اور احسان ہے، البتہ اگر کچھ شرط ٹھہر جائے یا ایسا عرف عام ہو کہ سب اس میں متفق ہوں کہ وہ بھی منزلہ شرط کے ہے، تو اس وقت اس شرط پر عمل کرنا واجب ہے، طلبہ سے یا مہتمم سے تعطیل کا مشاہرہ لینا **المعروف کالمشروط** کے قاعدہ سے جائز ہے۔

(امداد الفتاوی ۳/۳۴۸)

مدارس کی اشیاء بطور عاریت کے دینے کا حکم

حافظ صاحب نے آ کر دریافت کیا کہ سیڑھی کی ضرورت ہے، مدرسہ کی سیڑھی لے لی جائے؟ فرمایا کہ صاحبِ مکان سے کرایہ لیا جائے، مدرسہ کی چیز وقف ہے، حافظ صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ کے کام کے لیے بھی تو اور جگہ سے ایسی چیزیں بطور عاریت کے لے لی جاتی ہیں فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا تبرع ہے، ان کو اختیار ہے وہ نہ دیا کریں، لیکن مدرسہ کی چیزیں وقف ہیں ان کا اس طرح استعمال ناجائز سمجھتا ہوں۔ (حسن العزیز ۱/۹۰)

اہل علم، علماء وطلبہ کے لیے مفید اور کارآمد باتیں کچھ نصیحتیں اور کچھ مشورے

(۱) فرمایا ایک بات اہل علم کے کام کی بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لیے حتی الامکان ان پر اعتراض وتنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہیے۔ (الافاضات الیومیہ ۲/۲۶۵)

(۲) مولوی ہونا کوئی خوشی کی بات نہیں دیندار ہونا خوشی کی بات ہے۔ (مزید المجید ص:۹۱)

(۳) زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے مگر قلب کو تازگی ہوتی ہے۔ (حسن العزیز ۴/۲۳۸)

(۴) علم اور اس کے ساتھ صحبت کی بڑی ضرورت ہے صحبت سے واقفیت بھی ہوتی ہے اور عمل کے ساتھ مناسبت بھی ہوتی ہے بڑی ضرورت ہے شیخ کی، نری کتابیں کافی نہیں۔ (حسن العزیز ۳/۸۹)

(۵) مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے سے زیادہ گننا (سمجھنا)

چاہئے ایک شخص پڑھا ہوا ہے اور ایک گنا (سمجھا) ہو اور دونوں میں بڑا فرق ہے گنا صحبت سے آتا ہے۔ (حسن العزیز ۳/۹۰)

(۶) علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے، جس قوم اور جس مذہب کے علماء امیر ہوئے وہ مذہب برباد ہو گیا۔ (حسن العزیز ۳/۲۲۰)

(۷) آدمی قناعت اور اکتفاء کرے اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ادا کر سکتا ہے۔

(حسن العزیز ۳/۱۵۹)

(۸) دو چیزیں اہل علم کے واسطے بہت بری معلوم ہوتی ہیں حرص اور کبر یہ ان میں نہیں ہونا چاہئے۔ (حسن العزیز ۳/۲)

(۹) مناسب ہے کہ پنسل اور کاغذ جیب میں پڑا رہے جس وقت جو مضمون ذہن میں آئے اس کا اشارہ لکھ لیا جائے پھر دوسرے وقت ان میں ترتیب دے دی جائے، چنانچہ میری جیب میں پنسل اور کاغذ پڑا ہے ورنہ بعض مضامین ذہن میں آتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں۔ (حسن العزیز ۳/۱۰)

(۱۰) امام مالکؒ کی خدمت میں ایک بزرگ نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں بزرگوں کی کیا یہی شان ہوتی ہے؟ حدیثیں موجود تھیں اگر چاہتے تو (جواز) ثابت کر دیتے مگر یہ فرمایا **نعم نفعل و نستغفر** یعنی ہم کرتے ہیں اور اپنے کو گنہگار سمجھ کر استغفار کرتے ہیں کوئی تاویل نہیں کی۔

(حسن العزیز ۳/۱۳۶)

(۱۱) کثیر الاشغال شخص کو زبانی یاد پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے بلکہ ضروری کاموں کو لکھ لینا چاہئے۔ (حسن العزیز ۱/۹۵۹۲)

(۱۲) تحمل سے زیادہ اپنے ذمہ کام نہ لو۔ (حسن العزیز ۱/۳۷۹)

(۱۳) بیکار وقت کھونا نہایت برا ہے، اگر کچھ کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے گھر کے کام میں لگنے سے دل بہلتا ہے، اور عبادت بھی ہے، مجمعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں، کسی کی حکایت (شکایت سے) بعض مرتبہ غیبت کی نوبت آجاتی ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

(الافاضات ۸/۲۶۸)

(۱۴) ملنے جلنے میں ہزار ہا مفاسد ہیں، اختلاط سے سینکڑوں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔ (حسن العزیز ۱/۳۳۰)

(۱۵) آدمی سب کو خوش رکھے یہ ہو نہیں سکتا، جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے تو پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے، جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرط اذن شرعی وہی کرے، کسی کے بھلائی برائی کا خیال نہ کرے، مخلوق کے برا کہنے کا خیال نہ کرے حق تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھنا چاہئے۔

(حسن العزیز ۱/۱۲۵ و ۳۳۸)

(۱۶) فرمایا دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں ایک تو تقریر میں لغت بولنا، دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا کیونکہ تحریر و تقریر سے مقصود افہام ہوتا ہے اور یہاں ابہام ہو جاتا ہے۔ (حسن العزیز ۲/۲۵۲)

(۱۷) جس کے معتقد ہو اس کے کہنے کا برا نہ مانو تھوڑی دیر کے لیے صبر کر لو شاید یہ امتحان ہی لیتے ہوں۔ اگر وہ اس کا امتحان ہونا پہلے ہی سے بتلا دیں تو پھر امتحان ہی کیا ہوا۔ (حسن العزیز ۱/۵۸)

(۱۸) مشغولی بڑی سلامتی کی چیز ہے یہ اللہ کی رحمت ہے کہ کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھیں، بس خدا جس سے کام لینا چاہے وہی کام کرسکتا ہے، خود کچھ نہیں کرسکتا۔ (حسن العزیز ۱/۱۳۵)

(۱۹) آدمی کو اپنی کسی چیز پر ناز نہ کرنا چاہئے نہ علم و فضل پر نہ عقل و فہم پر، نہ زہد و تقویٰ پر، نہ عبادت و اعمال پر، نہ شجاعت و قوت، نہ حسن اور جمال پر، یہ سب حق تعالیٰ کی عطا ہیں پھر ناز کس پر، ناز تو اپنے کمال پر ہوتا ہے اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں تو پھر نیاز کی ضرورت ہے، اگر ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں۔

(الافاضات ۸؍۱۷)

(۲۰) جس کے سر پر کوئی بڑا ہو اس سے پوچھ کر سب باتیں کرنی چاہئے، یہ تاکید لڑکوں کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہئے۔ (ملفوظات اشرفیہ ص:۲۱۳)

(۲۱) بڑوں سے اگر کسی امر میں اختلاف کیا جائے تو وہ علی الاطلاق مذموم نہیں، اگر نیت اچھی ہو تو اس کا مضائقہ نہیں ہاں اگر بڑے اس سے بھی روک دیں تو پھر کچھ نہ بولو، اور جب تک ان کی اجازت ہو خوب بولو۔ (الافاضات ص:۳۰۹)

(۲۲) اگر غلطی بھی (اپنے کسی بڑے مثلاً) پیر سے ہو تو مرید کو اعتراض نہ کرنا چاہئے، ہاں باادب متنبہ کردے جب دیکھے کہ خود متنبہ نہ ہوگا اور اگر یہ امید ہو کہ (خود) متنبہ ہو جائے گا تو پھر سکوت کرے، اعتراض کرنا بیجا حرکت ہے۔

(حسن العزیز ۳؍۱۰۳)

(۲۳) جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں دوستی ہوگی تو حدود سے باہر دشمنی ہوگی تو حدود سے باہر ایسا شخص سخت خطرناک ہوگا، ہر چیز کو اپنے درجہ میں رکھنا یہی بڑا کمال ہے، آج کل اکثر علماء و مشائخ میں اس کی کمی ہے کوئی چیز ان کے یہاں اپنے درجہ پر نہیں۔ (الافاضات ۸؍۲۰۴)

(۲۴) ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں کہ وہ نہایت نافع اور مؤثر ہے کہ کسی چیز کے درپے نہ ہونا چاہئے، اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا

شبہ ہوجاتا ہے کہ اس قدر کاوش کیوں ہے، اس میں ضرور کوئی اس کی ذاتی غرض ہے، دوسرے یہ اس صورت میں پھر فریق بندی ہوجاتی ہے پھر کوئی کام نہیں ہوتا۔

تیسرے ایک اور خرابی ہے وہ یہ ہے کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے، پھر جب بات کی پچ ہوجاتی ہے تو نفسانیت بھی آجاتی ہے پھر ثواب بھی نہیں ہوتا، اس پر لوگوں کی نظر کم جاتی ہے، یہ ہے باریک بات۔ اور حکم بھی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے "اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی"۔

(الافاضات ۲/۲۷۰)

(۲۵) ایک مرض اپنی جماعت میں اور پیدا ہوگیا ہے کہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے کہتے ہیں کہ فلانے بڑھے ہوئے ہیں، اور فلانے کم ہیں، ایک دوسرے کو فضیلت دے کر دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہیں، اپنے حضرات کو دیکھا کہ مجمع میں بکثرت لوگ ہوتے مگر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون کس سے بیعت ہے۔ (حسن العزیز ۳/۳۱)

(۲۶) میں تو اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس وتدریس کا موقع نصیب فرمائیں، تو انتظام واہتمام کو اپنے لیے قبول نہ کریں کیونکہ دونوں میں تضاد ہے، مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کے لیے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں، مقامی اور ملکی سیاست سے یکسور ہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص: ۸۵)

(۲۷) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ علماء، صوفیاء، طلبہ سب کو یہ وصیت فرماتے تھے کہ جس کام میں لگے ہو، وہ عبادت نماز، دعاء کی ہو یا کتابوں کا مطالعہ یا درس وتدریس یا وعظ وپند سب میں اس کا اہتمام رکھیں کہ اس کام کا جتنا شوق

ورغبت دل میں ہے اس کو ختم تک نہ پہنچنے دیں بلکہ کچھ شوق ورغبت باقی ہو اس وقت چھوڑ دے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر از سرِ نو شوق و رغبت جلد پیدا ہوگی اور کام زیادہ ہوگا، اور اگر کام کو شوق ورغبت سے پورا کرنے اور تھکنے کے بعد چھوڑا تو دوبارہ اس کام کی رغبت و ہمت بہت دیر کے بعد عود کرے گی، اس طرح کام میں نقصان آئے گا۔ (مجالس حکیم الامت ص:۱۵۷)

(۲۸) جس شخص کی طبیعت میں تنعم ہوتا ہے اس سے کوئی کام نہیں ہوتا۔

(ملفوظات حکیم الامت:۱۶/۲)

(۲۹) فرمایا چھوٹی جگہ میں رہ کر کام زیادہ ہوسکتا ہے کیونکہ وقت فراغت زیادہ ملتا ہے اور بڑی جگہ میں رہ کر چھوٹا کام بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہوسکتا ہے، کیونکہ زیادہ وقت لوگوں کی دل جوئی میں گذرتا ہے، اس وقت تک جو کام ہوا ہے یہ سب اسی جگہ کی برکت ہے کام تو گمنامی ہی میں ہوتا ہے۔

(التبلیغ ص:۱۲۹، خیر الارشاد)

تمت

مآخذ ومراجع

اس کتاب کی تیاری میں حضرت اقدس تھانویؒ کی جن کتابوں اور مواعظ وملفوظات سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست:

۱- اتباع المنیب
۲- الاتمام لنعمۃ الاسلام
۳- احکام عشرہ اخیرہ
۴- احکام المال
۵- آداب المتعلمین بحوالہ حضرت تھانویؒ
۶- آداب التبلیغ
۷- آداب معاشرت
۸- آداب انسانیت
۹- ارضاء الحق
۱۰- اشرف المواعظ
۱۱- اشرف العلوم
۱۲- اسباب الفتنہ
۱۳- اصلاح انقلاب
۱۴- الافاضات الیومیہ
۱۵- افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ
۱۶- امداد الفتاویٰ
۱۷- امید رحمت کے صحیح معنی
۱۸- انفاس عیسیٰ
۱۹- اوج قنّوج
۲۰- البدائع (مقالات حضرت تھانویؒ)
۲۱- برکات رمضان
۲۲- بزم جمشید (ملفوظات حضرت تھانویؒ)
۲۳- بیاض اشرفی
۲۴- بیان القرآن
۲۵- التبلیغ (مجموعۂ مواعظ)
۲۶- تجارت وآخرت
۲۷- تجدید تعلیم وتبلیغ
۲۸- ترجیح الآخرۃ
۲۹- ترک مالایعنی
۳۰- تعظیم العلم
۳۱- تعلیم البیان
۳۲- تعمیم التعلیم
۳۳- تقلیل الاختلاط
۳۴- تقلیل الطعام
۳۵- التواصی بالحق
۳۶- حسن العزیز (ملفوظات حضرت تھانویؒ)
۳۷- حق الاطاعت

مختلف موضوعات سے متعلق مرتب کی دوسری کتابیں

۱- احکام الصلوٰۃ
۲- احکام الزکوٰۃ والصدقہ
۳- احکامِ رمضان المبارک
۴- احکامِ اعتکاف
۵- احکام التراویح (تحفۂ حفّاظ)
۶- احکام شب برأت وشب قدر
۷- احکام المسجد
۸- احکام التجوید (مع حقوق القرآن)
۹- احکام الدعا والوسیلہ
۱۰- احکام قربانی
۱۱- احکامِ پردہ
۱۲- احکام المال
۱۳- احکام الرّقیہ والتعویذ (غیر مطبوعہ)
۱۴- احکام صحافت وذرائع ابلاغ
۱۵- اسلامی تہذیب وآدابِ زندگی
۱۶- اسلامی شادی
۱۷- اصلاحِ معاشرہ
۱۸- اصلاحِ معیشت
۱۹- اصلاحِ نفس واصلاح معاشرہ
۲۰- اصلاح خواتین
۲۱- آداب افتاء واستفتاء
۲۲- استادوشاگرد کے حقوق
۲۳- اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ
۲۴- ائمہ اربعہ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت
۲۵- افاداتِ درس قرآن (مولانا صدیقؒ)
۲۶- افاداتِ درسِ بخاری (غیر مطبوعہ)
۲۷- افتتاحِ بخاری وختم بخاری
۲۸- اللہ کے راستہ میں نکلنے کی اہمیت
۲۹- اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ
۳۰- اسلامی حکومت ودستورِ مملکت
۳۱- اشرف العملیات
۳۲- اصولِ فقہ قرآن کی روشنی میں
۳۳- اظہارِ حقیقت
۳۴- افاداتِ صدیقؒ
۳۵- امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل
۳۶- امداد الحجّاج
۳۷- بدنگاہی کا وبال اور اس کا علاج
۳۸- بریلوی مسلک کی حقیقت اور تاریخ وہابیت
۳۹- بارہ ربیع الاول کی شرعی حیثیت
۴۰- تبلیغی جماعت کی ضرورت واہمیت اور اس کا مقصد